بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکر الصالحین باحوال علماء العاملین

المعروف بہ

ذکرِ صالحین

جلد پنجم

مرتب ومؤلف

مولانا مرغوب احمد لاجپوری، ڈیوزبری

ناشر

جامعۃ القراءت کفلیتہ

لاجپور ضلع سورت، گجرات (انڈیا)

ذكر الصالحين باحوال علماء العاملين

المعروف بہ

ذکر صالحین، ج: ۵

صاحب فتاوی رحیمیہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری ثم راندیری رحمہ اللہ
کے حالات کا دلچسپ مجموعہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

اجمالی فہرست رسائل

۱	صاحب فتاوی رحیمیہ	۱۸
۲	فتاوی رحیمیہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات	۲۷۳
۳	فتاوی رحیمیہ اور دلائل عقلیہ	۳۳۲
۴	فتاوی رحیمیہ کے چند قابل غور مسائل	۳۵۷

فہرست مضامین ’’صاحب فتاوی رحیمیہ‘‘

پیش لفظ..	۱۹
تقریظ......از: مولانا انظر شاہ صاحب مدظلہ..........................	۲۲
مقدمہ......از: حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم..............	۲۴
تحدیث نعمت..	۳۲
لاجپور..	۳۴
راندیر..	۳۷
حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری..............	۴۱
ولادت..	۴۱
نسبی شرافت..	۴۱
حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری (حاشیہ)..............	۴۱
شجرہ نسب..	۴۲
حضرت مولانا سید عبد الکریم صاحب لاجپوری..............	۴۶
ولادت..	۴۷
والد صاحب..	۴۷
تعلیم	۴۷
رفقائے درس..	۴۸
تدریسی خدمات..	۴۸
تلامذہ..	۴۸

منصب امامت پر..	۴۸
اوصاف وکمالات..	۴۹
وعظ ونصیحت..	۴۹
فارسی میں مہارت..	۴۹
علماءکرام سے ربط وتعلق..	۵۰
خودداری..	۵۰
مولانا بحیثیت شاعر..	۵۱
وفات..	۵۳
نرینہ اولاد..	۵۴
مولانا سید عبدالحق قادری..	۵۴
حافظ سید عبدالحکیم صاحب..	۵۵
مولانا سید عبدالاحد کوثر قادری..	۵۶
حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب......ابتدائی تعلیم..	۶۴
حضرت مولانا سید عبدالحئ قاضی لاجپوری (حاشیہ)..	۶۴
حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان لاجپوری (حاشیہ)..	۶۵
حفظ قرآن..	۶۶
حضرت مولانا قاضی سید رحمت اللہ صاحب (حاشیہ)..	۶۶
حضرت مفتی صاحب کا ورزش میں مہارت پیدا کرنا اور دوسروں کو سکھانا.....	۶۷
فارسی کی تعلیم..	۷۰

بچپن سے شوق علم کا ایک دلچسپ واقعہ......	۷۱
منصب امامت پر......	۷۲
راندیر بڑی جامع مسجد میں......	۷۳
نوساری جمع مسجد سے استعفی پر اخبار ''خلافت'' کا ظہار افسوس......	۷۴
جامعہ حسینیہ میں داخلہ اور فراغت......	۷۵
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (حاشیہ)......	۷۶
اساتذہ کرام......	۷۷
علامہ کشمیری رحمہ اللہ سے شرف تلمذ......	۷۷
سند تجوید......	۷۸
اساتذہ عظام کا مختصر تعارف......	۷۸
حضرت مولانا محبّ اللہ صاحب......	۷۸
حضرت مولا مفتی سید مہدی حسن صاحب......	۸۱
حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب اجمیری......	۸۲
حضرت مولانا محمد حسین صاحب راندیری......	۸۳
حضرت مولانا احمد نور صاحب پشاوری......	۸۴
حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری......	۸۴
حضرت مفتی صاحب کی تدریسی خدمات......	۸۵
فتوی نویسی کی ابتدا......	۸۶
درس قرآن......مدرسہ شبینہ......تعلیم بالغاں......	۸۶

تلامذہ..	۸۷
بیعت واصلاحی تعلق..	۸۷
حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی (حاشیہ)..	۸۸
حضرت شیخ رحمہ اللہ سے استفادہ..	۹۰
نکاح واولاد..	۹۱
بچہ کی موت پر صبر کا اجروثواب..	۹۱
دو بچوں کی موت پر جنت کی بشارت..	۹۲
صاحبزادے کے متعلق کا حضرت کا ایک خواب..	۹۳
اہلیہ محترمہ کی وفات..	۹۴
رمضان شریف میں موت کی فضیلت (حاشیہ)..	۹۵
جس مرد نے کئی شادیاں کیں تو جنت میں کون سی ملے گی..	۹۶
حضرت کا ایک عجیب خواب..	۹۶
حضرت کے اسفار حج وعمرہ..	۹۷
جیل اور ایئر پورٹ وغیرہ مقامات پر نماز جمعہ اور اذان عام کا مسئلہ (حاشیہ).	۹۷
سفر حج میں تلبیہ کی کثرت..	۱۰۳
مکہ معظّمہ میں حضرت کی رہائش..	۱۰۴
رونے کی کثرت..	۱۰۴
اشہر حج میں آفاقی کا حج سے قبل نفل عمرہ کرنا اور حضرت کا عمل..	۱۰۴
مقامات متبرکہ کی زیارت..	۱۰۵

جبل ثور..	۱۰۵
غار حرا..	۱۰۵
دوسرا سفر حج اور رہائش میں مجاہدہ..	۱۰۶
معلم سے حضرت کا مزاح..	۱۰۷
حضرت بنوری رحمہ اللہ سے ملاقات..	۱۰۷
زمزم کے کنویں سے خود پانی کا بھرنا..	۱۰۸
سفر عمرہ..	۱۰۸
سفر برطانیہ..	۱۰۹
اہل برطانیہ کا تأثر..	۱۱۰
قرآن کریم سے شغف..	۱۱۰
حضرت خوش الحان قاری بھی ہیں..	۱۱۱
خوش الحانی اور اس کا طریقہ..	۱۱۱
مدرسہ تجوید القرآن..	۱۱۲
مدینہ منورہ میں ایک بزرگ سے ملاقات اور ان کی نصیحت..	۱۱۲
حضرت اقدس مفتی صاحب کے چند مبشرات..	۱۱۳
حضرت نوح علیہ السلام کی زیارت اور مولانا ابرار احمد صاحب کی تعبیر........	۱۱۴
حضرت نبی پاک ﷺ اور حضرات شیخین کی زیارت..	۱۱۴
خواب میں نماز پڑھانے کے چند واقعات..	۱۱۵
خواب میں اپنے کو اڑتا دیکھنا..	۱۱۶

خواب میں مجمع کا آپ سے مصافحہ کرنا..........................	۱۱۶
صلحائے کرام اور والد ماجد کی زیارت..........................	۱۱۷
صلحاء اور مولانا عبد الرحیم صادق صاحب کی زیارت..........................	۱۱۷
مولانا علی محمد تراجوی و مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب کی زیارت..........................	۱۱۸
حضور اکرم ﷺ کا ارشاد حضرت کے لئے اور ایک بزرگ کی زیارت......	۱۱۸
جنت کے باغ کا نمونہ..........................	۱۱۹
مسلمانان افریقہ کے متعلق ایک خواب اور نصیحت..........................	۱۱۹
خواب میں پاکستان جانا..........................	۱۲۰
اوصاف وکمالات......دوسرے علماء سے رجوع کا مشورہ..........................	۱۲۱
ساتویں حصہ کی نفل قربانی میں چھ ساتھی شریک ہوسکتے ہیں؟..........................	۱۲۱
مرحوم بچہ کے عقیقہ کا حکم..........................	۱۲۳
حضرت مفتی صاحب کا معاصرین سے سوال پوچھنا..........................	۱۲۴
ختم خواجگان کو اجتماعی طور پر دوامی معمول بنانا..........................	۱۲۴
غلطی سے رجوع..........................	۱۲۷
قبرستان میں نماز جنازہ..........................	۱۲۷
تحقیق کراہت صلوۃ جنازہ در مقبرہ..........................	۱۲۹
حضرت کا پوری دس جلدوں میں واحد رجوع نامہ..........................	۱۳۰
قبرستان میں نماز جنازہ کے متعلق مزید وضاحت، راقم کا خط اور حضرت کا جواب..........................	۱۳۰

وسعت مطالعہ....................	۱۳۳
تصدیق نامہ لکھنے میں احتیاط کا ایک واقعہ....................	۱۳۶
مہمان نوازی....................	۱۳۶
رد بدعات....................	۱۳۷
اپنے بزرگوں سے عقیدت....................	۱۳۷
دین کا غم ،فتنوں کا انسداد اور چند اہم علمی خدمات....................	۱۳۹
مجلس تحفظ اسلام....................	۱۴۱
امیر شریعت....................	۱۴۳
اولاد کی تعلیم وتربیت....................	۱۴۴
علماء کبار کی تشریف آوری....................	۱۴۸
غیر مقلد مولوی عبد الجلیل سامرودی کے ایک پمفلٹ کا تعاقب اور کورٹ میں حضرت کی تقریر....................	۱۵۲
فتاوی رحیمیہ....................	۱۵۵
’’فتاوی رحیمیہ‘‘ کی ایک عجیب خصوصیت....................	۱۵۶
فتاوی رحیمیہ انگریزی....................	۱۵۷
فتاوی رحیمیہ کی خصوصیات پر اکابر امت کے فرمودات....................	۱۵۷
مختلف اخباروں میں فتاوی کی اشاعت....................	۱۶۸
حضرت کی شان فقاہت اور سائل کو تشفی....................	۱۶۹
اعمال امت کی پیشی دربار نبوی ﷺ میں....................	۱۶۹

مسکت جواب..	۱۷۱
فتوی نویسی کی ابتداء..............................	۱۷۲
فتاوی کے متعلق حضرت کا عجیب خواب..................	۱۷۲
فتوی نویسی اور اصابت رائے........................	۱۷۳
دوسرا فتوی..	۱۷۵
ایک دلچسپ بحث ''تعلیم الاسلام'' اور ''تعلیم المسلمین'' کی عبارات پر اشکال	۱۸۰
حضرت مفتی لاجپوری صاحب کی تنقید....................	
حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کا جواب....................	۱۸۱
تعلیم المسلمین'' کے ایک دوسرے جواب پر اشکال اور حضرت مفتیٔ اعظم کا	۱۸۲
جواب...	
ایک اہم استفتاء کی تصدیق..........................	۱۸۳
اتباع سنت..	۱۸۶
اعتکاف اور ماہ مبارک کے معمولات....................	۱۹۰
متفرقات..	۱۹۲
تقوی اور احتیاط...................................	۱۹۷
سخاوت...	۱۹۹
صلہ رحمی...	۱۹۹
رضا بر قضا..	۱۹۹
قرآن کریم سے شغف..................................	۲۰۱

امراض اور موجودہ حالت	۲۱۳
حضرت مفتی صاحب اور اشعار	۲۱۰
عربی اشعار	۲۱۳
اردو اشعار	۲۱۶
فارسی اشعار	۲۲۲۱
وفات حسرت آیات	۲۲۸
تعزیتی منظومات ...... بر وفات فقیہ العصر حضرت مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب نوراللہ مرقدہ	۲۳۳
از: مولانا عبدالحئی سیدات صاحب نادؔر لاجپوری مدظلہ	۲۳۳
تم سراپا علم کی اک کان تھے عبدالرحیم	۲۳۴
دین کے احکام کے بتلائیں لوگوں کو نکات	۲۳۶
آپ کی فتوی نویسی بے نظیر و بے مثال	۲۳۷
مفتیِ ذی شان ہم اہل زمیں ڈھونڈیں کہاں	۲۳۸
کیا گئے تم آنکھ دنیا کی برستی رہ گئی	۲۳۹
لاجپوری آپ لکھتے فخر کرتا لاجپور	۲۴۱
علم کے موتی لٹانا یاد ہے اب تک ہمیں	۲۴۲
یوں لگا روپوش جیسے ہو گیا ماہ تمام	۲۴۳
تھی جہاں کی خاک اس کی وہ وہاں رخصت ہوا......از: دانش	۲۴۴
تعزیتی مکتوبات	۲۴۵

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ..............	۲۴۶
حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مدظلہ..............	۲۴۷
حضرت مولانا محمد رابع الحسنی مدظلہ..............	۲۴۸
حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب مدظلہ..............	۲۴۹
حضرت مولانا مفتی اسمٰعیل (واڑی والا) صاحب مدظلہ..............	۲۵۰
نماز کے ساتھ قلبی تعلق اور نسبت نبوی ﷺ..............	۲۵۱
اہل وعیال سے محبت اور ان کی جدائی پر نبوی صبر کی وراثت..............	۲۵۱
قرآن کے ساتھ خاص شغف اور محبت..............	۲۵۲
حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب مدظلہ..............	۲۵۴
ایک دینی وملی عظیم خسارہ....از مولانا برہان الدین سنبھلی مدظلہ..............	۲۵۵
فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری کا انتقال..............	۲۵۵
حضرت کے خادم خاص مفتی اکرام الحق صاحب مدظلہ..............	۲۵۸
دعاء، از: صاحب فتاوی..............	۲۶۰
فہرست فتاوی رحیمیہ..............	۲۶۱
عریضہ بنام: حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ..............	۲۶۳
''فتاوی رحیمیہ'' کی ترتیب جدید میں چند مقامات پر حاشیہ کی ضرورت..............	
''فتاوی صاحب رحیمیہ'' کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب مدظلہم کا گرامی نامہ..............	۲۷۰

فہرست رسالہ ''فتاوی رحیمیہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات''

عرض مرتب........................	۲۷۴
ولادت کے وقت بھی نماز پڑھنے پر اشکال........................	۲۷۶
دعائے ماثورہ میں اضافہ خلاف سنت ہے اس پر اشکال وجواب........................	۲۷۸
مسبوق کی تحریمہ کے بعد امام نے سلام پھیر دیا تو مسبوق........................	۲۷۹
نماز میں شامل ہوگیا، اس فتوی پر اشکال اور اس کا جواب........................	۲۷۹
نمازیوں کی صف اول کے آگے بڑھانے پر اشکال اور اس کا جواب........................	۲۸۲
آفاقی بطریقۂ مرور جدہ پہنچ کر مکہ مکرمہ جانا چاہے تو احرام ضروری ہے یا نہیں.	۲۸۴
تاخیر سے حج کیا تو تاخیر کرنے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟........................	۲۸۷
حلال ہونے کے لئے محرم کا اپنے بال یا دوسروں کے بال کاٹنا........................	۲۸۸
منی میں اسلامی بینک کے توسط سے جانور ذبح کرانا اور ترتیب کے سقوط پر حضرت کی رائے گرامی........................	۲۹۱
فتاوی رحیمیہ کے ایک فتوی پر اشکال کا جواب........................	۲۹۸
شوہر شیعہ بن جائے تو تفریق ضروری ہے یا نہیں؟........................	۲۹۹
تین طلاق سے حکم حرمت ثابت ہوتا ہے؟........................	۳۰۲
جماعت خانہ میں لعاب دانی رکھنا، اس مسئلہ پر ایک بزرگ مدظلہم کا اشکال اور اس کا جواب........................	۳۰۸
چرم قربانی کے متعلق ایک اشکال کا جواب........................	۳۱۳
بینک کا سود رفاہ عام کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے........................	۳۱۴

اس فتویٰ پر تنقید، اس کا جواب اور اکابر علماء کی تائیدات	۳۱۴
نعل شریف کے متعلق فتویٰ پر اشکال اور اس کا جواب	۳۲۱
صحابہ کو حدث فی الاسلام سے زیادہ کوئی شئ مبغوض نہ تھی پر اشکال	۳۲۵
لفظ علی حرف کے ترجمہ پر تبصرہ نگار الفرقان کا اشکال اور اس کا جواب	۳۲۹
لفظ علی حرف کی تحقیق	۳۳۰

فہرست رسالہ ''فتاوی رحیمیہ اور دلائل عقلیہ''

عرض مرتب....................	۳۳۳
مکتبہ الاحسان سے شائع شدہ نسخہ پر اظہار تعجب اور شکایت....................	۳۳۴
حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کا تأثر اور حوصلہ افزا کلمات.......	۳۳۵
فتاوی رحیمیہ'' جدید کی طباعت کے بعد لکھا گیا عریضہ بنام: حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری مدظلہ....................	۳۳۶
لونڈی اپنے مالک کے لئے بغیر نکاح کیوں حلال ہے؟....................	۳۴۰
حالت حیض میں صحبت کے متعلق....................	۳۴۲
نماز کے بعد جہری دعا کا حکم....................	۳۴۳
جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے میں محلّہ کی مسجد کی بے حرمتی ہے؟..........	۳۴۳
حاضرین عربی نہیں سمجھتے اس لئے خطبہ غیر عربی میں پڑھنا کیسا ہے؟..........	۳۴۴
روزہ کی غلطی معاف ہے لیکن نماز اور حج کی غلطی کیوں معاف نہیں؟..........	۳۴۴
سود کے مسئلہ میں ایک مضمون نگار کا تعاقب....................	۳۴۵
ایک حدیث سے قربانی کے سنت ہونے کا استدلال صحیح ہے؟....................	۳۴۶
حفاظ کی عزت افزائی کے لئے پھولوں کا ہار پہنانا....................	۳۴۷
غروب سے پہلے چاند نظر آجائے تو افطار کا حکم....................	۳۴۷
مطلقہ کے نفقہ کی شرعی حیثیت پر عجیب استدلال....................	۳۴۸
قبر پر اذان دینے والوں کے ایک استدلال کا عمدہ رد....................	۳۴۹
زوجین کی شرمگاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے اس لئے چومنے کی اجازت ہے؟.	۳۵۰

اخصی کلمہ گو ہے پھر اس کی امامت کیوں مکروہ ہے؟	۳۵۱
طلاق میں مرد کیوں مختار ہے؟	۳۵۱
حجر اسود کا بوسہ دینے میں اس کی عبادت کا شائبہ	۳۵۲
مصلیوں تک آواز پہنچانے کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال	۳۵۲
عورت کا بغیر محرم حج کرنا	۳۵۳
تقلید کی حیثیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا	۳۵۳
ایک مثال سے بدعت کی قباحت کی وضاحت	۳۵۵

فہرست رسالہ ''فتاوی رحیمیہ کے چند قابل غور مسائل''

عرض مرتب	۳۵۸
(۱)......حائضہ کا نماز کے اوقات میں باوضوذکر کرنا، اور حدیث کی تحقیق.....	۳۶۰
حائضہ کا نماز کے وقت میں تسبیح پڑھنا اور اکابر کی رائے اختلاف........	۳۶۱
(۲)......تراویح کے امام کے ذمہ نماز معین کر کے تنخواہ دینا حیلہ ہے.........	۳۶۳
(۳)......عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق واجب ہے یا مستحب؟.......	۳۶۴
(۴)......کان میں دواڈالنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟..................	۳۶۶
(۵)......حائضہ عورت بغیر طواف زیارت کئے وطن واپس آ گئی تو پھر عمرہ کا احرام باندھ کر جائے یا بلا عمرہ کے احرام کے؟...................	۳۶۸
(۶)......مزدلفہ میں بین المغرب والعشاء تکبیر تشریق پڑھے یا نہیں؟........	۳۶۹
(۷)......قربانی کی صحت کے لئے قربانی کرنے والے کی جگہ کا اعتبار ہے یا جانور کے ذبح ہونے کی جگہ کا؟..............................	۳۷۱
دارالعلوم کراچی کا فتوی اور اکابر دارالعلوم کی تصدیقات..................	۳۷۲
اہل برطانیہ کی قربانی ہندوپاک میں جب تک برطانیہ میں صبح صادق طلوع نہ ہو وہاں تک درست نہیں.....................	۳۷۳
زکوۃ اور صدقہ فطر وقت سے پہلے ادا ہوجاتا تو قربانی بھی ہوسکتی ہے..........	۳۷۴
(۸)......حلال جانور کی سات چیزیں کھانا مکروہ ہے اور ''فتاوی رحیمیہ'' کا تسامح............................	۳۷۵
(۹)......''الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب'' حدیث نہیں.......	۳۷۹

صاحب فتاوی رحیمیہ

یعنی

وقار سادات مفتی گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری ثم راندیری رحمہ اللہ کے حالات، آپ کے اوصاف وکمالات، آپ کے اسفار ومعمولات، آپ کے علمی وفقہی کمالات کا دل چسپ اور قابل مطالعہ مجموعہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید الاولین والاخرین ، اما بعد

حضرت اقدس مفتی گجرات وقار سادات مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم ومدظلہم کی سوانح حیات مرتب کرنے کا حق یقیناً اس احقر کونہیں، حضرت کی ذات گرامی کوحق تعالیٰ نے جوقبولیت اورعوام وخواص میں جوشہرت عطا فرمائی ہے وہ محتاج بیان نہیں، کس کے بس کی بات ہے کہ حضرت والا کے سوسالہ زندگی کے واقعات، آپ کے اوصاف وکمالات، آپ کے شب وروز کے معمولات وغیرہ عنوانات پرقلم اٹھائے، اور آپ کا کماحقہ تعارف کرائے؟ میرے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے کتنی صحیح اور موزوں بات تحریر فرمائی۔

’’خطہ گجرات میں بھی قدیم زمانہ سے میدان علم وفضل اور فقہ وفتاویٰ کے ایسے شہسوار پیدا ہوتے رہے جو اس فرض کفایہ کوبحسن وخوبی انجام دیتے رہے ہیں، ہمارے اس دور آخر میں بھی ایک مغتنم ومقتدر باوقار وجود مفتی گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم ومدت فیوضہم کا ہے، پچھلے ساٹھ سال سے آپ کا یہ فیض جاری ہے، میدان افتاء میں آپ کی مہارت اور فقہ وفتاویٰ میں آپ کی ژرف نگاہی ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا بین ثبوت ’’ فتاویٰ رحیمیہ‘‘ کی وہ ضخیم جلدیں ہیں جنہیں ہند وبیرون ہند کے علماء ومفتیان کے نزدیک درجہ استناد حاصل ہے۔

حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کا نام نامی اس سے بالاتر ہے کہ میرے جیسا کمتر وہیچ مداں آپ کا تعارف کرائے، بلکہ ہمارا وجود خود ہی آپ کی نسبت اور نام سے

متعارف ہے، یہ دوسطریں بھی بحیثیت تعارف نہیں بلکہ بغرض اظہار عقیدت ہیں‘‘۔

پچھلے دنوں میرے بزرگ حضرت مولانا عبدالرؤوف صاحب لاجپوری دامت برکاتہم (خلیفہ حضرت اقدس مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خانصاحب نوراللہ مرقدہ) نے حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کے خادم خاص ومعتمد حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب دامت برکاتہم کے ترتیب دادہ حضرت اقدس کے کچھ حالات مرحمت فرماتے ہوئے درخواست (جو درحقیقت حکم کا درجہ رکھتی ہے) کی کہ تو اسے مرتب کر۔

راقم نے توکلاعلی اللہ: ۱۱ر جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ مطابق: ۲۲ر ستمبر ۱۹۹۹ء بروز بدھ کو کچھ مرتب کرنا شروع کیا، الحمدللہ ٹوٹا پھوٹا ہی سہی حضرت والا کی زندگی کی ایک ہلکی سی جھلک اس میں آ گئی، آگے کوئی مؤرخ اور صاحب ذوق حضرت اقدس کی تفصیلی سوانح حیات مرتب کرنے کا ارادہ کرے گا تو اس کے لئے یہ متن کا کام دے گا۔

حضرت کی اس سوانح حیات کو جلد اول سمجھنا چاہئے، اگر توفیق ایزدی شامل حال رہی تو دوسری جلد میں آپ کے مکتوبات اور اکابرین کے مضامین جمع کئے جائیں گے انشاءاللہ۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر محنت کو شرف قبولیت سے نوازے، اور ہمیں اسلاف کے حالات کو پڑھ کر صحیح زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

فقط والسلام

مرغوب احمد لاجپوری

۴ر رجب المرجب ۱۴۲۰ھ مطابق: ۱۴ر اکتوبر ۱۹۹۹ء

بروز پنجشنبہ

نوٹ:......حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ کی یہ سوانح حضرت کی حیات ہی میں تیار ہوگئی تھی، اور حضرت نے اسے سن بھی لیا تھا (اور آپ نے اس کے بڑے حصہ تقریباً ستر اسی صفحات کا مواد حذف فرمادیا) مگر طباعت میں اتنی تاخیر ہوئی کہ حضرت اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، اس لئے حضرت کے وفات کے حالات بھی درج کر لئے گئے ہیں۔ مرتب

تقریظ: حضرت مولانا محمد انظر شاہ صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستان کا مشہور صوبہ گجرات زرخیز، زرریز، زرافشاں ہے، یہاں کی روایات عجیب وغریب، یہاں کے طور وطریق قابل رشک، عام وخاص کو خدا تعالی کی جانب سے قلوب قبول حق کے لئے مستعد مہیا کئے گئے، کمانے کی صلاحیت بے نظیر، کھلانے میں وسعت حوصلگی بے مثال، داد ودہش بے مثل، محنت کے لئے جد وجہد بے عدیل۔

افریقہ کا سبزہ زار ہو، یا برطانیہ کا زمستانی علاقہ، خلیجی ممالک کے ریگ زار ہوں یا آسٹریلیا کے مرغزار، ان کی تگ ودو کے لئے بعد المشرقین کوئی حیثیت نہیں رکھتے، ان کی تاخت وتاراج کے لئے شمال وجنوب کی حد بندیاں بے کار، یہ طفولیت میں وطن سے نکل جائیں تو ان کے دلوں میں نہ رنج نہ الم، ان کے شباب دیار غیر میں بیت جائیں تو انہیں نہ کوئی فکر وغم، کمائیں گے، کھائیں گے، کھلائیں گے، لٹائیں گے، ان کے عناصر اربعہ۔

مدارس کی رونقیں ان سے، مساجد کی زینت کا سامان یہ، ایمان میں پختگی، اسلام میں صلابت، اعمال کی درستگی، نوافل میں اشتغال، ان کا امتیاز، یہ تو عوام کی بات ہوئی۔ رہے ان کے خواص تو علم دوست، دین پرور، دانش دربر، ان ہی میں سے حضرت مولانا سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری مفتیٔ ہند بھی ہیں، بارہا شرف دید حاصل ہوا، ان کی علمی دل چسپیوں کو قریب سے دیکھا، ان کے ملفوظات سننے کی سعادت نصیب ہوئی، راندیر میں دولت کدہ، جہاں کی خلوت کو علوم کی جلوت سے منور کئے ہوئے، اور تنہائیوں میں دین و دانش کی مئے ارغوانی سے بقول غالب: ع

چہرہ فروغ مئے سے گلستاں کئے ہوئے

مولانا عبد الحق میاں سملکی مرحوم امیر مجلس خدام الدین کی معیت میں پہلی دید ہوئی، جو مجھ کندۂ ناتراش کے لئے ہلال عید تھی، رسمی گفتگو کے بعد چمستان میں فصل بہار آئی، اور عندلیب دبستاں بے تکلف چہکنے لگا، خاص لب ولہجہ میں خادم کو آواز دیتے، لیجئے مختلف قسم کے عطر ہاتھ میں جنہیں مولانا عنایت فرمارہے ہیں، مجلس کیا ہے؟ علم وعرفان کی بارش، خود آگاہی وحقیقت تک رسائی کا جلوۂ صد رنگ، اب اس طرز کی شخصیتیں نایاب، اس انداز کے انسان کمیاب ع

خواب تھا جو دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

بڑا اچھا ہوا کہ حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے حفید جو خود بھی ''مرغوب'' نام رکھتے ہیں نے گجرات کے اس مایۂ ناز شخصیت کی جامع سوانح لکھ کر اپنے جد امجد کی جانشینی کی شہادت مہیا کی تحریر صاف وستھری، انشاء سیدھی سادھی، نہ تکلفات کی بھرمار، نہ بناوٹوں کا انبار، پڑھئے تو سرمۂ دیدۂ عبرت، دلوں کا زنگ دور کرنے کے لئے شافی دوا، خدا تعالیٰ صاحب سوانح کی طرح اس تذکرہ کو بھی قبولیت ومقبولیت سے سرافراز فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ، اور مؤلف سلمہ کو فیض بخش تحریر، منفعت خیز نگارش سے دولت بدرماں

انظر شاہ مسعودی

مقدمہ

از: استاذ محترم حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مجاز بیعت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ

سرزمین گجرات کو اللہ تعالی نے دینی اور دنیوی اعتبار سے جن خصوصیات اور امتیازات سے نوازا ہے اس کا نقشہ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب مدظلہم العالی نے بہت اچھا کھینچا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''گجرات کی زمین ہندوستان میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد ہے، یہاں کی آبادی مشقت برداشت کرنے، دور دراز کے اسفار، تن دہی سے کمانے اور کشادہ دلی سے دینی راہوں میں خرچ کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے، راحت رسانی ان کا مزاج ہے، مہمان نوازی ان کی عادت ہے، امن پسندی ان کی خو، مساجد' مکاتب' انجمنیں' ادارے قائم کرنا' اور بنانا' پھر ان کو چلانا ان کی روایت، تمول میں یہ متکبر نہیں ہوتے، افلاس انہیں دل شکستہ نہیں کرتا، دین وعلم کی اتنی راہیں انہوں نے تجویز کیں کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں، اہل علم بھی یہاں پیدا ہوئے اور رجال کار بھی، محدث بھی اور مفسر بھی، مفتی بھی اور فقیہ بھی، واعظ بھی اور مبلغ بھی، گویا اس سرزمین کا دامن ہر ذوات سے لبریز ہے''۔

حضرت مولانا سید سلمان صاحب گجرات کے متعلق فرماتے ہیں:

''اس خطہ کو ہندوستان کے تمام دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں چند خصوصیتیں حاصل ہیں: اول یہ کہ عرب اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا۔ دوسرے یہ کہ عرب سے جو علماء دریا کے راستہ سے ہندوستان وارد ہوتے تھے وہ پہلے یہیں

اترتے تھے، موقع ملتا تو آگے بڑھتے ورنہ یہیں سے لوٹ جاتے تھے، ہندوستان سے جو علماء عرب جانا چاہتے تھے وہ اسی راستہ سے سفر کرتے تھے، اسی صوبہ کے سیکڑوں دیہات حرمین محترمین کے مصارف کے لئے وقف تھے، دوسرے ملکوں سے جو نادر تحفہ اور چیزیں آتی تھیں وہ پہلے یہیں پہنچتی تھیں۔ حج کے لئے ہر سال ہزاروں علماء، امراء اور عام مسلمان اسی راہ سے منزل مقصود کی طرف روانہ ہوتے تھے“۔ (مقالات سلیمان، ج دوم)

بقول علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ: علم حدیث کے ہندوستان میں فروغ کا حقیقی زمانہ نویں صدی ہجری کا خاتمہ اور دسویں صدی ہجری کا آغاز ہے، اور ہندوستان میں سب سے پہلے گجرات کو اس فن شریف کی تدریس اور نشر و اشاعت کی سعادت نصیب ہوئی، چنانچہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”گجرات میں علم حدیث کی داغ بیل ایسی مبارک ہستی کے ہاتھوں پڑی جس کے خرمن کمال کے خوشہ چیں اس عہد کے مشاہیر علماء تھے، دہلی کا مرکز حدیث گجرات کے بہت بعد منصۂ شہود پر آیا، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ابھی اپنی مسند درس نہیں بچھائی تھی کہ گجرات علم حدیث کا مرکز بن چکا تھا ”صحیح بخاری“ کی دو شرحیں جو غالبا ہندوستان میں ”بخاری“ کی سب سے قدیم شرحیں ہیں، یعنی بدر الدین محمد بن ابو بکر رحمہ اللہ کی ’مصابیح الجامع فی شرح صحیح البخاری‘ اور سید عبد الاول رحمہ اللہ کی ”فیض الباری فی شرح البخاری“ اسی سرزمین پر لکھی گئی تھیں، یہاں علامہ شمس الدین سخاوی، علامہ ابن حجر مکی رحمہما اللہ وغیرہ کے تلامذہ کافی تعداد میں آکر بس گئے تھے، اور انہوں نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں اپنی زندگیاں گذار دی تھیں“۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''علم حدیث کی سرگرمی کے ساتھ ساتھ یہاں فقہ میں بھی شاندار کارنامے انجام پائے تھے''۔

گجرات کے مدارس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں کے مدارس صدیوں تک تشنگان علم کی پیاس کو بجھاتے رہے، محمود شاہ اول کے زمانہ میں یہاں متعدد ''مدارس بہشت آئین'' قائم کئے گئے، سرخیز' احمد آباد' سورت' نہروالہ کی علمی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی، مولانا وجیہ الدین علوی رحمہ اللہ کا مدرسہ مدتوں درس وتدریس کا مرکز رہا، اور ملک کے بڑے بڑے عالم یہاں علمی پیاس بجھانے کے لئے آتے رہے، ان مدارس میں طلباء کو وظائف کثیر تعداد میں ملتے تھے، اور ان کے کھانے اور رہنے کے لئے حیرت انگیز سہولتیں فراہم کی گئی تھیں''۔ (مقدمہ یادایام ص ۲۰)

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں گجرات کو جو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے اس کو حضرت مولانا سید عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اسی خداء یکتا پر ایمان لانے والوں کا، اور اسی ایک ہستی کو وحدہ لاشریک لہ جاننے اور اسی کو اقدر اور مصرف الامور ماننے والوں کا پاک قدم پہلے اسی سرزمین پر پڑا، اور اسی سرزمین کے دشت وجبل ہندوستان میں سب سے پہلے اللہ اکبر کے نعروں سے گونجے۔

اس حملہ میں جن سعادت مندوں کو مرتبۂ شہادت نصیب ہوا ان میں غالبا وہ انفاس قدسیہ بھی تھے جنہوں نے رسول مقبول ﷺ کا جمال جہاں آرا دیکھا تھا، اور آپ کی پاکیزہ صحبت وروحانی تعلیم سے بھی مستفید ہوچکے تھے، ان فدائیان اسلام کی قدسی صورتیں اسی سرزمین کے آغوش محبت میں گنج بے رنج کی طرح مدفون ہوئیں، اگر چہ ہم کو اس کنز مخفی

کا پتہ نہیں''۔(یادایام)

شاہان گجرات کے دور حکومت میں اسلامی علوم وفنون کی جو ترویج واشاعت اوران کو جوعروج وترقی حاصل ہوئی اس کا تذکرہ مولانا سید حکیم عبدالحئ صاحب رحمہ اللہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''شاہان گجرات نے اپنے ڈیڑھ دوسو برس کے زمانہ فرماں روائی میں جس قدر علوم و فنون کی سرپرستی کی ہے دہلی کی شش صد سالہ تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی، یہ صرف ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ شیراز ویمن و دیگر ممالک اسلامیہ کے چیدہ و بر گزیدہ علماء نے گجرات میں آکر بودوباش اختیار فرمائی، جن کے فیوض سے چند دنوں میں گجرات مالا مال ہوگیا، اور خود گجرات میں اس پائے کے علماء پیدا ہوئے جن کے فیوض علمی کی آبیاری سے اب تک ہندوستان کی درسگاہیں سیراب ہورہی ہیں، اگر آپ اس کا صحیح اندازہ کرنا چاہیں تو شیخ عبدالقادر حضرمی رحمہ اللہ کی ''النور السافر'' ابوبکر شلی رحمہ اللہ کی ''المشرع الروی'' اور اگر میری ناچیز تصنیفات شائع ہوگئی ہوتیں تو میں کہتا کہ ''العوارف'' ''جنة المشرق'' اور ''نزهة الخواطر'' ملاحظہ فرمائیے، اس وقت آپ پر ایک حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف ہوگا، اور آپ سمجھیں گے کہ گجرات اگر علوم وفنون عقلیہ کے اعتبار سے شیراز تھا تو حدیث شریف کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا''۔(یادایام)

شاہان گجرات کی علمی قدردانی کے نتیجہ میں اس سرزمین سے مختلف علوم وفنون کے جو ماہرین اٹھے ان میں علم فقہ پر دسترس رکھنے والے حضرات کی بھی ایک جماعت ہے جن کی ایک مختصر فہرست ''یادایام'' میں حضرت مولانا حکیم سید عبدالحئ حسنی رحمہ اللہ نے پیش فرمائی

ہے، انہیں میں ایک مفتی رکن الدین بن حسام ناگوری رحمہ اللہ بھی تھے، جو نہروالہ کے مفتی تھے، فقہ واصول فقہ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا، قاضی القضاۃ جمال الدین بن محمد اکرم گجراتی کی فرمائش سے ''فتاوی حمادیہ'' تصنیف کی جو فقہ حنفی کی بہت مشہور کتاب ہے، دوسو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر اس کو تصنیف کیا تھا، ''فتاوی عالمگیری'' وغیرہ میں جا بجا اس کے حوالے موجود ہیں۔

علوم دینیہ کی خدمت کی سعادت کا یہ سلسلہ جو قدیم زمانہ سے سرزمین گجرات میں جاری ہوا تھا بحمد اللہ تاریخ کے مختلف ادوار میں آج تک برابر چلتا رہا، اور آج کل تو اس سرزمین پر مدارس دینی کی ایک بڑی تعداد اس خدمت میں مصروف ہے، لیکن آج سے نصف صدی پیشتر جب کہ مدارس کا یہ جال پھیلا ہوا نہیں تھا اس وقت بھی جنوبی گجرات کا خطہ خصوصاً غیر منقسم ضلع سورت میں علم دین کا غلغلہ بلند تھا، اور راندیر و ڈابھیل کے مدارس اہل گجرات کی علمی پیاس بجھا رہے تھے، اس علاقہ میں اللہ تبارک وتعالی نے جلیل القدر اور پختہ کار علماء کرام اور مفتیان عظام کی ایک جماعت ایسی پیدا فرمائی جنہوں نے علم کے مختلف میدانوں میں اپنی خدمات کا لوہا منوایا، اور ان کے انفاس قدسیہ سے گجرات کے مسلمانوں نے دین اور علم دین کی حرارت پائی جن کے فیوض علمی کا سلسلہ اپنے شاگردوں کے واسطہ سے دنیا کے مختلف خطوں تک پہنچا۔

ان انفاس قدسیہ میں مفتی گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ کی ذات والا صفات کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ کے ''فتاوی رحیمیہ'' کے ذریعہ آپ کا علمی فیض پورے عالم میں پھیلا، اور وقت کے بڑے بڑے علماء نے اس فن میں آپ کی مہارت اور فتوی نویسی میں آپ کے خصوصی طرز نگارش کی افادیت کو تسلیم کیا،

اور آج برصغیر ہند و پاک و بنگلہ دیش کا کوئی مفتی اپنے آپ کو ''فتاوی رحیمیہ'' سے مستغنی نہیں رکھ سکتا، یہ مقبولیت اور سعادت محض انعام خداوندی ہے جس سے آپ نوازے گئے ؎

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ورنہ ہر مدعی کے واسطہ دار ورسن کہاں

آپ کی نگاہ میں بڑی وسعت اور بڑی دقت تھی، جب کسی مسئلہ پر قلم اٹھاتے تھے تو اس کے تمام پہلوؤں کو واضح اور منقح انداز میں پیش فرماتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کا فتوی رسالہ کی شکل اختیار کر جاتا، آپ کے یہاں لاگ و لپیٹ والی بات نہیں ہوتی تھی، جو حق بات ہوتی اس کو پوری علمی طاقت اور بھرپور دلائل سے مدلل کرتے، اپنے عقیدہ اور مسلک میں نہایت پختہ اور مضبوط تھے، اس میں ذرہ بھی لچک پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، اسلاف واکابر سے ہٹ کر کوئی بات سوچنا ان کو گوارا نہیں تھا، دین کے خلاف اٹھنے والے فتنوں پر آپ کی کڑی نگاہ رہتی تھی، جہاں کسی نے کوئی ایسی بات جو مسلک اہل سنت والجماعۃ کے خلاف اور اکابر واسلاف کے طریقہ سے ہٹ کر کہی یا لکھی فوراً اس کی تردید دلائل اور براہین کے ذریعہ اس طرح کرتے کہ اس کی طرف سے پھیلائی گئی گمراہی اور لوگوں کے قلوب ودماغوں میں پیدا کئے گئے وساوس کا قلع قمع ہو جاتا، خصوصاً رضاخانیت' مودودیت اور غیر مقلدیت کی طرف سے پھیلائے جانے والے فتنوں کے مقابلہ میں شمشیر برہنہ تھے، ''فتاوی رحیمیہ'' کا ایک بڑا حصہ اسی موضوع پر ہے، گجرات میں غیر مقلدیت کا ایک مرکز ''سامرود'' بھی ہے، جہاں کے ذمہ دار مولوی عبدالجلیل سامرودی جب تک زندہ رہے ان کے ساتھ یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور اس علاقہ میں کبھی غیر مقلدیت کو پنپنے کا موقع نہیں دیا، اسی طرح مودودیت کے فتنہ پر بھی آپ کی نگاہ برابر رہتی

تھی، جہاں کہیں ان کی طرف سے کسی پروگرام کی تیاری کی جاتی فوراً حضرت کی غیرت اور حمیت جوش میں آجاتی اور عموماً اس پروگرام کے وجود میں آنے کی نوبت ہی نہ آتی، چنانچہ ’’مجلس تحفظ اسلام‘‘ کا قیام ہی اسی مقصد کے لئے عمل میں آیا تھا، آخری عمر میں جب کہ آپ صاحب فراش تھے آپ کو پتہ چلتا کہ اس قسم کا کوئی پروگرام ہونے جارہا ہے تو فوراً احقر کو یاد فرماتے، چنانچہ جب تک آپ موجود رہے ان فرق باطلہ کے مقامی کارکنان کو بھی اپنے اس نوع کے پروگراموں کو چلانے اور اپنے نظریات کو پھیلانے کا موقع نہیں دیا، علماء گجرات کی جس پیڑھی نے گذشتہ نصف صدی میں علمی اور دینی جلیل القدر خدمات انجام دیں آپ اس کی آخری کڑی تھے، اپنے آخری دورِ حیات میں آپ تمام اہل علم کے مرجع تھے۔

احقر کو اپنے دورِ طفولیت (جب کہ میں دار العلوم اشرفیہ راندیر میں پڑھ رہا تھا اسی وقت) سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل رہی، اس زمانہ میں حضرت کے فتاوی نقل کرنے کے لئے حضرت کے دولت کدہ پر روزانہ حاضر ہوتا تھا، اور فراغت تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا، حضرت بھی احقر کے ساتھ پدرانہ شفقت و محبت فرماتے تھے، اس مدت میں حضرت کے اوصاف و کمالات اور اخلاق حمیدہ کو قریب سے دیکھنے اور برتنے کا موقع ملا، آپ علم وفن کے اعتبار سے جس طرح اعلی مقام پر فائز تھے عملی زندگی بھی بے داغ اور قابل تقلید تھی، دینی غیرت وحمیت آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، سادات کے گھرانہ سے ہونے کا قدرتی اثر یہ تھا کہ سخاوت و مروت اور شرافت ونجابت، نیز مہمان نوازی، اہل علم کا اکرام، چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، میں جب تدریس کے لئے ڈابھیل آیا اس وقت بھی ایک مدت تک ہر

جمعہ کو برابر حضرت کے پاس حاضری کی سعادت حاصل کرتا رہا، اور نیاز مندی کا یہ سلسلہ حضرت کے آخری لمحہ حیات تک بحمد اللہ باقی رہا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی علمی خدمات اور اہل گجرات پر علمی احسانات کی وجہ سے آپ کا حق تھا کہ آپ کے حالات اور سوانح بطور تذکرہ مرتب فرما کر لوگوں کے سامنے پیش کئے جائے، چنانچہ اسی حق کی ادائیگی ہی کے جذبہ سے عزیز مکرم مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری (بارک اللہ فی علومہ وخدماتہ) نے اس کا بیڑا اٹھایا، اور یہ مجموعہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے وجود میں آ گیا، عزیز موصوف کا اصرار تھا کہ میں اس تذکرہ پر بطور پیش لفظ چند کلمات تحریر کروں، میں اپنی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے پس و پیش کرتا رہا، لیکن عزیز موصوف نے اپنے برادر خورد عزیزم رشید احمد صاحب سلمہ کو مجھ پر مسلط فرما دیا، چنانچہ انہیں کا کرشمہ ہے جو یہ تحریر قارئین کے سامنے پیش ہو رہی ہے۔

عزیزم مولانا مرغوب احمد صاحب سلمہ کو اللہ تعالی نے تذکرہ نویسی اور سوانح نگاری کا اچھا ذوق عطا فرمایا ہے، ان کے مضامین کو دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے اور مزید ترقی کے لئے دل سے دعائیں جاری ہو جاتی ہیں، اللہ تبارک وتعالی ان کو اپنے جد امجد کے نقش قدم پر بیش از بیش اس نوع کی خدمات کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

املاہ: احمد خانپوری

۲۵/ جمادی الاخری: ۱۴۲۳ھ

تحدیث نعمت

نوٹ:......راقم الحروف کے والد بزرگوار حضرت الحاج اسماعیل عرف بھائی میاں رحمہ اللہ کا ایک خواب تحدیث نعمت کے طور پر نذر ناظرین کیا جارہا ہے۔ ۱

والد بزرگوار رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

الحمد للہ ثم الحمد للہ آج مؤرخہ: ۲۸ / رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ مطابق: ۱۴ / دسمبر ۲۰۰۱ء شب جمعہ بوقت سحر آقائے نامدار تاجدار مدینہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت مبارکہ راندیر کی ہجیرہ بڑی مسجد میں ہوئی، اس عاصی نے خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ (فداہ ابی وامی) راندیر کی مسجد میں تشریف فرما ہیں، یہ خبر سن کر تمام علماء وفقہاء اور اہل اللہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت عالیہ میں جمع ہوگئے، حضور اقدس ﷺ نے مجمع پر ایک نظر ڈالی اور تشریف لے جانے لگے، مسجد کے باہر صحن کے سامنے دروازہ پر رونق افروز ہوئے اور آہستہ آہستہ قدم مبارک رکھ کر سیڑھی اترنے لگے، اس وقت آپ کے ساتھ داہنی جانب ایک قدم پیچھے حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ اور دوسری جانب بائیں طرف ایک قدم پیچھے حضرت مولانا مفتی احمد اشرف صاحب راندیری رحمہ اللہ اور ان کے ساتھ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب رحمہ اللہ ہیں۔

حضور اقدس ﷺ آہستہ آہستہ سیڑھی سے اتر کر دروازہ سے باہر تشریف لائے اور چند لمحہ قیام فرمایا، اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے بصد ادب واحترام حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ: حضور والا

۱......طبع اول میں والد صاحب رحمہ اللہ کا نام نامی ظاہر نہیں کیا گیا تھا، اس لئے کہ انہوں نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر اس خواب کو جزء کتاب بنانے پر رضامندی کا اظہار فرمایا تھا۔

نے راندیر مسجد تشریف لاکر ہم گنہگاروں کو زیارت اور صحبت کا موقع عنایت فرمایا، یہ اللہ رب العزت کا ہم پر خصوصی فضل وکرم ہے، اور یہ ہمارے لئے بڑی سعادت مندی کا مقام ہے، یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں اس وقت میرے نواسے سید عبد الرحیم کو لینے آیا ہوں''

اتنا ارشاد فرما کر حضور اقدس ﷺ ایک بڑے مجمع کے ساتھ قبرستان کی جانب روانہ ہو گئے ابھی تبع تابعین کے مزار تک رونق افروز ہوئے تھے کہ راقم الحروف کی آنکھ کھل گئی،

فللہ الحمد و الشکر۔

اللہ رب العزت شفیع المذنبین حضرت محمد ﷺ کے طفیل اپنے نواسہ حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرماویں، اور ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے وقت پر خاتمہ بالخیر عطا فرماویں،

آمین بجاہ سید المرسلین ' رحمۃ للعالمین ' صلی اللہ علیہ و سلم ' و الہ و اصحابہ اجمعین،

فقط والسلام: عاصی غفرلہ

۲۸ / رمضان المبارک: ۱۴۲۲ھ شب جمعہ

....

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

لاجپور

لاجپور ضلع سورت [۱] کا ایک بڑا گاؤں ہے، یہ شہر سورت سے جانب جنوب تقریباً بارہ میل پر واقع ہے، اس میں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے، اس وقت قصبۂ لاجپور کی مردم شماری دس ہزار سے زائد ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں بھی سورت جیسا کہ ایک فارسی رسالہ ''حقیقت السورت'' سے ظاہر ہے علماء وصلحاء واتقیاء کا ایک زبردست مرکز تھا، لیکن جوں جوں انگریزوں نے بمبئی کو ترقی دی، سورت اجڑتا گیا [۲] ان اجڑے دیار میں اب بھی ''لاجپور'' گاؤں ہی ایک ایسا مقام رہ گیا تھا جہاں علماء صوفیاء علم ومعرفت کے چراغ روشن کئے ہوئے تھے، اور اس کی یہی علمی وروحانی شہرت تھی جس نے سچین ریاست کے پہلے نواب، نواب ابراہیم خاں کو لاجپور میں قیام گزیں ہونے پر مائل کیا۔ تاریخ میں لاجپور کو بعض جگہ ''راجپور'' بھی لکھا گیا ہے، لیکن گجرات کے ایک ہمعصر عالم حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری کے خاندان کو علمی خدمات کے صلہ میں آراضی وغیرہ کے جو عطیات عہد شاہجہانی وعالمگیری میں دیئے گئے ان کی فارسی دستاویزوں میں اسے ''لاجپور'' ہی کہا گیا ہے۔ بعض قدیم کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مراکش کے سیدی عرب جن کو حبشی یا کالے عرب بھی کہا جاتا ہے کے ایک فرد نے: ۱۸۰۰ء سے کچھ قبل بمبئی کے قریب زنجیرہ یا جنجیرہ نام کے ایک جزیرہ پر اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ اس مراکشی بانیٔ حکومت کے دو پوتوں یوسف خاں

---

[۱] ......سورت یہ صوبہ گجرات کا ایک تاریخی شہر ہے، زمانہ ماضی میں اس قدیم وپر رونق شہر کو ''باب مکہ'' ہونے کا شرف حاصل تھا، اس لئے کہ یہیں سے مکہ معظّمہ کے لئے بحری جہاز روانہ ہوتے تھے اور قبل از کراچی وبمبئی ہندوستان کے تمام حجاج یہیں سے جہاز پر سوار ہو کر سفر حج کی ابتدا کرتے تھے۔

[۲] ......دیکھئے رسالہ ''یادایام''۔

اور ابراہیم خاں میں تاج وتخت کے لئے اختلاف ہوا، ابراہیم خاں باجی راؤ پیشوا سے فوجی امداد مانگنے پونا آئے، لیکن باجی راؤ خود اس وقت ہولکر سندے سے برسر پیکار تھا، چونکہ باجی راؤ کے لشکر میں عربوں کی ایک خاصی تعداد موجود تھی، باجی راؤ نے پونا میں ابراہیم خاں کا قیام خلاف مصلحت جانا، اور وزیر کے مشورہ سے بجائے فوجی امداد دینے کے ابراہیم خاں کو اکیس گاؤں پر مشتمل سچین کی ریاست کا حاکم بنا کر پونا سے دور بھیج دیا، یہ واقعہ ۱۸۰۲ء کا ہے۔

نواب ابراہیم خاں کے سچین آنے سے پہلے بھی لاجپور اپنے مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ کی وجہ سے جو گجرات کا (دور جدید میں) پہلا دارالعلوم مانا جاتا تھا، اطراف واکناف میں مشہور تھا، نواب مذکور کی آمد اور لاجپور میں اقامت گزینی کے بعد بھروچ کے ایک سادات خاندان کے بزرگ میر سید فقیر اللہ صاحب رحمہ اللہ بھی لاجپور تشریف لے آئے۔ ان کی علمی شان اور نسبی علو مرتبت سے متأثر ہوکر نواب ابراہیم خاں نے انہیں اپنا داماد بنالیا۔ یہی وہ بزرگ ہیں جو لاجپور کے مشہور صوفی سلیمان صاحب رحمہ اللہ کے استاد تھے۔ لاجپور کی اس مردم خیز سرزمین سے صوفی سلیمان رحمہ اللہ کے علاوہ دو اور قابل ذکر عالم یعنی مولانا مرغوب احمد لاجپوری اور فقیہ الاسلام مولانا قاری سید عبدالرحیم لاجپوری (مدفیوضہ واطال اللہ عمرہ) پیدا ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ایک مشہور مجاہد مولانا لیاقت علی الہ آبادی بھی انگریزوں سے روپوش ہوکر لاجپور میں اقامت فرما ہوئے تھے، ان بزرگ کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے مواعظ حسنہ سے نہ صرف لوگوں کو پابندیٔ شریعت پر مائل کیا، بلکہ اس علاقہ کی مسلمان عورتوں کے شرعاً معیوب لباس (کرتی اور لہنگا) کو ترک کروا کر پاجامے اور کرتے پہننے کی ترغیب دی اور پھر تو ستر پوشی کا یہ اہتمام ہوا کہ عورتیں

علاوہ اوڑھنی کے اپنے سر کو سر بند سے بھی ڈھانکنے لگیں۔

یہ واقعہ ''باغ عارف'' میں تو مذکور ہے ہی لیکن راقم الحروف کو مولانا مرغوب احمد مرحوم اور مولانا موسیٰ بھیات نوساروی مرحوم نے بھی سنایا تھا۔ کرتہ اور لہنگے کا رواج عموماً سنی بوہرہ قوم کی عورتوں میں تھا۔ (از: فروفیسر مرتاض حسین صاحب)

نوٹ: ......راقم نے ''تاریخ لاجپور'' کے نام سے لاجپور کی مفصل تاریخ مرتب کی ہے۔

مرغوب احمد

راندیر

’’راندیر‘‘ شہر سورت سے قریب ایک قدیم قصبہ ہے، اس کا پرانا نام ’’راہنجور‘‘ تھا، گجرات میں یہ قصبہ دو قدیم علمی درسگاہوں کی وجہ سے مشہور ہے، راندیر کے مشہور ادارہ ’’دارالعلوم اشرفیہ‘‘ کی بنا آج سے ایک سوتیس سال قبل رکھی گئی، اس کا سن افتتاح: ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۷۰ء ہے۔ (تاریخ راندیر گجراتی)

اس کے بعد جامعہ حسینیہ کا افتتاح: ۱۳۳۵ھ مطابق: ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ (حوالہ بالا)

اس بستی میں مشائخ واہل علم بکثرت رہے ہیں، اگر مشائخ راندیر پر کام کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہوسکتی ہے۔

تاریخ میں اس بستی کا ذکر آٹھ سو سال قبل ملتا ہے، قطب الدین ایبک نے: ۱۱۹۵ء مطابق: ۵۹۲ھ میں بھیم دیو کو شکست دے کر ضلع ’’سورت‘‘ اور ’’راندیر‘‘ پر قبضہ کر کے یہ بستی واپس کردی۔ (تاریخ گجرات ص ۷۷)

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ’’راندیر‘‘ سورت سے بھی قدیم تر ہے، آرین قوم نے شمالی راشٹ پر قبضہ کر کے بھروچ کو صدر مقام بنایا، اور جنوبی راشٹ میں ’’رانک نیر‘‘ (راندیر) ان کی راجدھانی ہوئی۔ یہ شہر دریائے تاپتی کے کنارے ابھی تک آباد ہے جو ’’سورت‘‘ سے قریب ہے، زمانہ سابق میں یہ بڑی بندرگاہ تھی، اور جین مت کی کتابوں سے اس کی قدامت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت سورت کا پتہ بھی نہ تھا۔ [۱]

تاریخ گجرات کے مصنف پروفیسر سید ابوظفر ندوی لکھتے ہیں:

---

[۱]...... آرین قوم نے گجرات کے جس حصہ پر قبضہ کیا اور جس جگہ آباد ہوئے اس کا نام انہوں نے راشٹ رکھا، جس کے معنی سیدھے اور مہذب کے ہیں۔ (تاریخ گجرات ص ۸۲)

''راندیر'' سورت کے قریب بڑی قدیم بندرگاہ ہے، اور وفات مسیح کے بعد بھروچ جیسی بندرگاہ کے رہتے ہوئے یہ جگہ بڑی بارونق تھی، ابوریحان بیرونی (۱۰۳۱ء) نے لکھا ہے کہ بھروچ اور راہنجور (راندیر) اس ملک کے پایۂ تخت (بندرگاہ اعظم) بڑے بارونق ہیں۔

۱۳۰۰ء: (۷۰۰ھ) میں مسلمانوں نے جینیوں سے لے کر قبضہ کرلیا، باربروسہ پرتگیز سیاح لکھتا ہے کہ: راندیر بہت اچھی جگہ ہے، اس کا بیوپار ملاکا' بنگال' تناسرم' پیگو' مرتبان' اسماٹرا اور جاوا کے ساتھ تھا، ان ممالک سے مسالہ' ریشم' مشک' مٹی کے برتن' لوبان یہاں آتا تھا۔

۱۵۳۰ء میں پرتگزوں نے سورت کو لوٹ کر راندیر پر قبضہ کرلیا، اس وقت سے راندیر کی اہمیت کم ہوتی گئی اور سورت کی آبادی اور اہمیت بڑھتی گئی، فی الحال راندیر ایک چھوٹے قصبہ کی صورت میں ہے، جہاں سنی بوہرہ بیوپاری بکثرت آباد ہیں، جن میں اکثر مالدار ہیں، وہاں کی جامع مسجد، میاں کی مسجد، کھاروا کی مسجد، منشی کی مسجد قابل دید عمارات ہیں۔

فی الحال عربی کے متعدد مدارس اور ایک بڑا کتب خانہ ہے۔ (تاریخ گجرات ص۷۸)

اسی طرح نگینہ مسجد، قوۃ الاسلام مسجد، بڑی جامع مسجد، چنارواڑ مسجد بھی قابل دید ہے۔

راندیر کے قدیم بزرگوں میں حضرت شیخ نورالدین محمد بن علی اور حضرت قاضی شاہ سید سیف اللہ رفاعی رحمہما اللہ بطور خاص قابل ذکر ہیں، یہ دونوں بزرگ: ۱۰۶۱ھ میں واصل بحق ہوئے اور راندیر میں مدفون ہیں، اس وقت راندیر کے قبرستان میں متعدد اہل اللہ و علماء ربانی مدفون ہیں، راندیر کے قبرستان میں ایک تابعی کا مدفون ہونا بھی مشہور ہے، مگر جگہ وغیرہ کی کوئی تعیین نہیں۔

راندیر جامع مسجد کے متصل چار مزارات کے متعلق بھی یہ مشہور ہے کہ تبع تابعین رحمہم

اللہ کی قبریں ہیں، حضرت مفتی صاحب سے کسی نے اس کے متعلق سوال بھی کیا جو درج ذیل ہے۔

سوال:...... راندیر میں آپ کی بڑی جامع مسجد کے متصل تبع تابعین کے چار مزارات ہیں، یہ تمام مرد ہیں یا ان میں کوئی عورت بھی ہے؟ نام کیا ہیں؟ کس سن میں آئے تھے؟ وغیرہ سندی تفصیل سے مطلع فرمائیں تو بڑی عنایت ہوگی۔

الجواب:......۱۳۴۳ھ میں احقر یہاں امام بن کر آیا، اس وقت ضعیف العمر نمازیوں سے سنا تھا کہ تقریباً پچاس سال پہلے کانپور سے کوئی بزرگ آئے تھے، ان کا بیان تھا کہ مجھ کو بشارت ہوئی ہے کہ راندیر میں حضرات تبع تابعین رحمہم اللہ کی چند قبریں ہیں، جگہ کی تعیین بھی انہوں نے فرمائی، اور کہا کہ مجھ کو یہاں خوشبو آ رہی ہے کہ یہ تبع تابعین کی قبریں ہیں، اس کے سوا اور کوئی سند اور نام وغیرہ تفصیل معلوم نہ ہو سکی، شہرت عوام ہے، درجۂ تحقیق کو نہیں پہنچی، اور کسی سلسلہ روایت کے نہ ہونے کی بنا پر ''لا نصدق و لا نکذب'' کے درجہ میں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ص۴۲۲ ج ۲)

حضرت مولانا احمد اللہ صاحب رحمہ اللہ کے چند اشعار پر راندیر کے ذکر کو ختم کرتا ہوں۔

مجمع الخیرات ہے اے قصبۂ راندیر تو
مسجدیں تیری جہاں میں شہرۂ آفاق ہیں
تیرے اندر عالم و فاضل ہوئے ہیں بے حساب
دینی اور دنیوی فضائل تیرے اندر ہیں عیاں
ہیں مکاتب اور مدارس تیرے اندر ہو بہو
تیری ساری خوبیاں بے مثل اور نایاب ہیں

تو نے سنت اور بدعت کو کیا ہے بے نقاب
جامعیت کا تیری ہو وے بھلا کیسے بیاں

(ماخوذ از تاریخ راندیر منظوم)

حضرت اقدس مولانا سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری

ولادت

آپ کی ولادت ''نوساری'' [۱] شہر کے محلّہ موٹھوار میں حضرت نانا جان کے یہاں ماہ شوال: ۱۳۲۱ھ مطابق ۳ ر دسمبر ۱۹۰۲ء میں ہوئی، مشہور: ۱۹۰۳ء ہے، لیکن اسکول کے داخلہ میں: ۱۹۰۲ء ہے، اور یہی سن صحیح معلوم ہوتا ہے۔

نسبی شرافت

حق تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو علم وتقویٰ کے ساتھ شرافت نسبی سے بھی سرفراز فرمایا آپ خاندان سادات کے چشم و چراغ ہیں، سادات کے فضائل ومناقب بکثرت وارد ہوئے ہیں، کوئی اس کی تفصیل کو پڑھنا چاہے تو راقم کے جد بزرگوار حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ [۲] کی قابل دید تصنیف ''سفینۃ النجاۃ فی ذکر مناقب

---

[۱]......نوساری: سورت سے جانب جنوب مشرق تقریباً: ۲۲ ر میل (۳۰ ر کلومیٹر) پر گجرات کا ایک قدیم شہر ہے۔

[۲]...... حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ:...... مدرسہ عبد الرب کے فاضل، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے خاص شاگرد حضرت مولانا عبد العلی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ (مولانا کے مختصر حالات راقم نے ''تذکرہ عبدالعلی'' کے نام سے مرتب کئے ہیں) کے تلمیذ رشید تھے، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ آپ کے رفیق درس تھے، حدیث' تفسیر' فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے، رنگون (برما) میں مفتیٔ اعظم کے منصب پر فائز تھے، کچھ عرصہ ''بخاری'' بھی پڑھائی، بڑی صلاحیت کے مالک تھے، گجرات اور اہل علم کی تاریخ پر خوب نظر تھی، کئی علماء گجرات کے حالات ماہنامہ دارالعلوم میں شائع فرمائے، ''سفینۃ الخیرات' جمع الاربعین فی تعلیم الدین' ارکان اسلام'' اور ''توحید الاسلام'' یادگار تصانیف چھوڑیں۔ پُر از معلومات اور فقیہانہ بصیرت پر مشتمل سیکڑوں فتاوی تحریر فرمائے، (حضرت کے فتاوی

السادات'' کا مطالعہ فرمائے۔

شجرہ نسب

مفتی سید عبد الرحیم بن (۲) مولانا سید عبد الکریم بن (۳) سید ابراہیم بن (۴) سید عبد الرحیم بن (۵) سید محمد فقیر اللہ بن (۶) سید محمد عابد میاں بن (۷) سید درویش بن (۸) سید محمد فقیر اللہ بن (۹) سید پیر محمد بن (۱۰) سید رکن الدین یوسف بن (۱۱) سید حسام الدین بن (۱۲) سید حسن بن (۱۳) سید نظام الدین سلیمان بن (۱۴) سید ابو الفتح بن (۱۵) سید ابو محمد بن (۱۶) سید علاء الدین آدم بن (۱۷) سید ابراہیم بن (۱۸) سید موسی بن (۱۹) سید ہاشم بن (۲۰) سید غیاث الدین بن (۲۱) سید صالح بن (۲۲) سید فتح اللہ بن (۲۳) سید نصر اللہ بن (۲۴) سید داؤد بن (۲۵) سید صدیق بن (۲۶) سید القطب ابو محمد عبد الخالق بن (۲۷) سیدنا الامام مرشد الانام سلطان الاولیاء السبحانی محمد سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ بن (۲۸) سید ابو صالح بن (۲۹) سید عبد اللہ جیلی بن (۳۰) سید یحی زاہد بن (۳۱) سید شمس الدین زکریا بن (۳۲) سید ابو بکر داؤد بن (۳۳) سید موسی ثانی بن

''مرغوب الفتاویٰ'' کے نام سے راقم نے ترتیب دیئے ہیں، الحمد للہ تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں) حضرت الاستاذ مولانا عبد العلی صاحب رحمہ اللہ کو آپ کی صلاحیت پر کامل اعتماد تھا، ایک مرتبہ شاہ ابو الخیر مجددی رحمہ اللہ کی اس درخواست پر کہ: ''مجھے کسی علمی کام کے لئے ایک عالم کی ضرورت ہے'' حضرت استاذ نے مولانا مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہکو بھیج دیا۔ بھوپال میں محدث عظیم شیخ حسین یمنی رحمہ اللہ قاضی و محدث شہر سے بھی استفادہ کیا۔ ضیافت و سخاوت میں بے مثال تھے۔ لاجپور جامع مسجد کے بانی تھے۔ صلحاء و علماء کے قدردان تھے۔ مدرسہ تعلیم الدین معلمیہ کے بانیوں میں سے تھے۔ کچھ عرصہ جامعہ ڈابھیل کے صدر مہتمم بھی رہے۔ اخیری عمر میں کئی سال فالج کے اثر سے صاحب فراش رہے۔ یکم محرم ۱۳۸۲ھ مطابق: ۱۹۶۲ء بروز منگل لاجپور میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حضرت کی سوانح حیات ''تذکرۃ المرغوب'' کے نام سے مفصل شائع ہو چکی ہے۔

(۳۴) سید عبداللہ صالح بن (۳۵) سید موسی الجون بن (۳۶) سید عبد اللہ محض بن (۳۷) سید حسن مثنی بن (۳۸) سیدنا امام حسن المجتبی بن (۳۹) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب دو واسطوں سے عبدالمطلب تک اس طرح پہنچتا ہے: حضرت علی بن (۱) ابی طالب بن (۲) عبدالمطلب۔

اور حضور انور ﷺ کا سلسلۂ نسب بھی دو واسطوں سے عبدالمطلب کے ساتھ اس

۱؎..... راقم نے طبع اول میں آپ کا سلسلۂ نسب تاریخ کے حوالے سے اس طرح حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام تک لکھا تھا:

اس کے بعد کا سلسلۂ نسب حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی بھی وثوق کے ساتھ پیش نہیں کر سکتا، اور اس کا علم سوائے حق تعالی کے کسی کو نہیں، اگر چہ بعض اصحاب سیر نے آگے کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے: (۲۲) ادد (۲۳) ہمیسع (۲۴) سلاماں (۲۵) عوص (۲۶) بوز (بعض نے یوزا اور ثعلبہ بھی کہا ہے اور قبیلۂ ثعلبہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے (۲۷) قموال (۲۸) ابی (۲۹) عوّام (۳۰) ناشد (۳۱) حسزا (۳۲) بلداس (۳۳) یدلاف (۳۴) طانج (۳۵) جاحم (۳۶) ناحش (۳۷) ماخی (۳۸) عیفی (۳۹) عبقر (۴۰) عبید (۴۱) الدعا (۴۲) حمدان (۴۳) سَنبر (۴۴) یثربی (۴۵) یحزن (۴۶) یلحن (۴۷) ارعوے (۴۸) عیضی (۴۹) دیشان (۵۰) عیصر (۵۱) اقناد (۵۲) ایہام (۵۳) مقصر، یا مقصی (۵۴) ناحث (۵۵) زارح (۵۶) سمی (۵۷) مزّی (۵۸) عوض (۵۹) عرام (۶۰) قیدار (۶۱) حضرت اسماعیل علیہ السلام (۶۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۶۳) تارخ یعنی آزر (۶۴) ناجور (۶۵) سروج (۶۶) رعو (۶۷) فالَج (۶۸) عابر (۶۹) شالح (۷۰) ارفکشاذ (۷۱) سام (۷۲) حضرت نوح علیہ السلام (۷۳) لامک (۷۴) متوشالح (۷۵) اخنوخ، یعنی حضرت ادریس علیہ السلام (۷۶) یارد (۷۷) مہلیل (۷۸) قینان (۷۹) انوش (۸۰) حضرت شیث علیہ السلام (۸۱) حضرت آدم علیہ السلام۔

نوٹ:...... ''رحمۃ للعلمین'' ج ۲ ص ۱۶ تا ۲۰ / از: قاضی سلیمان منصور پوری، نیز ''قصص القرآن'' ج ۱ / از: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی میں حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کا تذکرہ بھی ملتا ہے، جو موجودہ شجرہ میں نہیں ہے۔

طرح منسلک ہے: حضرت محمد ﷺ بن (۱) عبداللہ بن (۲) عبدالمطلب۔

اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی گئی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں، غالباً اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل عرب زیادہ تر مشہور شخصیتوں کے ناموں پر اکتفا کرتے تھے اور بیچ کے لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے، اس کے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہونا قطعی اور یقینی تھا، اس لئے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے، اوپر کے اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے، اس لئے چند مشہور شخصیتوں کا نام لے کر باقیوں کو چھوڑ دیتے تھے، تاہم عرب میں ایسے محقق بھی تھے جو اس فروگذاشت سے واقف تھے، علامہ طبری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ: مجھ سے بعض نسب دانوں نے بیان کیا کہ: میں نے عرب میں ایسے علماء دیکھے جو معد سے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک چالیس پشتوں کے نام لیتے تھے، اور اس کی شہادت میں عرب کے اشعار پیش کرتے تھے، اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ میں نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیق سے ملایا تو پشتوں کی تعداد برابر تھی، البتہ ناموں میں فرق تھا۔

(سیرۃ النبی (ﷺ) بحوالہ تاریخ طبری، مطبوعہ: یورپ: ص ۱۱۱۸ ج ۳۔ ماخوذ سلسلہ نسب از: حضرت محمد ﷺ تا حضرت آدم علیہ السلام (مجدد الف ثانی ص ۳۲ / مصنفہ: مولانا سید زوّار حسین صاحب رحمہ اللہ)

امام حدیث ابن عساکر رحمہ اللہ نے دنیا کی مجمل تاریخ اس طرح لکھی ہے کہ: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار دو سو برس (۱۲۰۰) کا فاصلہ ہوا ہے، اور حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ایک ہزار ایک سو بیالیس (۱۱۴۲) سال کا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت موسی علیہ السلام تک پانچ سو پینسٹھ (۵۶۵) برس، اور حضرت موسی علیہ السلام سے حضرت داؤد علیہ السلام تک پانچ سو انہتر (۵۶۹) اور حضرت داؤد علیہ السلام سے حضرت عیسی علیہ السلام تک ایک ہزار تین سو چھپن (۱۳۵۶) اور حضرت عیسی علیہ السلام سے خاتم الانبیاء ﷺ کے درمیان چھ سو (۶۰۰) برس کا فاصلہ گذرا ہے۔ (سیرۃ خاتم الانبیاء ﷺ ص ۹ / بحوالہ محمد بن اسحٰق ص ۱۹ ج ۱)

نوٹ: ......طبع اول میں آپ کا نسب نامہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام تک لکھا گیا تھا، اب راقم طبع ثانی کے وقت اپنی اس سابقہ تحریر سے رجوع کرتا ہے، اس لئے کہ اس نسب نامہ کی تحقیق نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی جامع صحیح میں نسب شریف کے سلسلہ کو فقط عدنان تک ذکر فرمایا، مگر اپنی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام تک سلسلۂ نسب کو ذکر فرمایا

اس سے آگے عدنان تک سلسلۂ نسب اس طرح متفق علیہ ہے:

عبدالمطلب بن (۳) ہاشم بن (۴) عبد مناف بن (۵) قصی بن (۶) حکیم المعروف بہ کلاب بن (۷) مرہ بن (۸) کعب بن (۹) لوی بن (۱۰) غالب بن (۱۱) فہر الملقّب بہ قریش بن (۱۲) مالک بن (۱۳) نضر بن (۱۴) کنانہ بن (۱۵) خزیمہ بن (۱۶) مدرکہ بن (۱۷) الیاس بن (۱۸) مضر بن (۱۹) نزار بن (۲۰) معد بن (۲۱) عدنان، یہاں تک سلسلۂ نسب میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔

....عدنان تک سلسلۂ نسب تمام نسابین (نسب دانوں) کے نزدیک مسلم ہے، کسی کا اس میں اختلاف نہیں اور علی ہذا عدنان کا حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں سے ہونا بھی سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام تک کئی پشتیں ہیں؟ بعض تیس بتلاتے ہیں اور بعض چالیس، واللہ تعالی اعلم و علمہ اتم و احکم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: نبی اکرم ﷺ جب نسب شریف کو بیان فرماتے تو عدنان سے تجاوز نہ فرماتے۔ عدنان تک پہنچ کر رک جاتے اور یہ فرماتے: ’’کذب النسابون‘‘ نسب والوں نے غلط کہا۔ (الطبقات الکبری لابن سعد ص ۲۸ ج ۱)

یعنی ان کو سلاسل انساب کی تحقیق نہیں، جو کچھ کہتے ہیں وہ بے تحقیق کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اول اس آیت کو تلاوت فرماتے ﴿و عادا و ثمود والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ﴾۔ عاد اور ثمود اور ان کے بعد کی قومیں ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

اور پھر یہ فرماتے: ’’کذب النسابون‘‘۔ نسب دان غلط کہتے ہیں۔

یعنی نسابین کا یہ دعوی کہ ہم کو تمام انساب کا علم ہے بالکل غلط ہے، اللہ تعالی کے سوا کسی کو علم نہیں۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ: امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ: کسی شخص کا اپنے نسب کو حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام تک پہنچانا کیسا ہے؟ تو ناپسند فرمایا، سائل نے پھر حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کا سلسلہ نسب پہنچانے کے متعلق دریافت کیا تو اس کو بھی ناپسند فرمایا اور کہا: ’’من اخبرہ بہ‘‘ کس نے اس کو خبر دی۔ (سیرۃ المصطفی ﷺ ص ۱۷/۱۸/۱۹ ج ۱)

حضرت مولانا سید عبدالکریم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

والد ماجد حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم صاحب فتاوی رحیمیہ

ولادت:......۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء

وفات:......۲۶/ جمادی الاخری ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۷/ جولائی ۱۹۷۳ء

بروز جمعہ

حضرت مولانا سید عبدالکریم صاحب لاجپوری

ولادت

مولانا کی ولادت: ۱۳۰۱ھ مطابق: ۱۸۸۴ء میں بمقام ''لاجپور'' ہوئی۔ ؎ا

والد صاحب

مولانا کے والد ماجد حضرت مولانا سید ابراہیم صاحب قادری لاجپوری تھے، جو حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کے دادا ہونے کے ساتھ آپ کے اساتذہ میں سے بھی تھے۔ آپ کی وفات: ۱۳۲۹ھ مطابق: ۱۹۱۳ء میں ہوئی، رحمہ اللہ۔

تعلیم

ابتداء سے لے کر غالباً مشکوۃ تک کی تعلیم لاجپور ہی میں رہ کر حاصل کی۔ لاجپور کے مشہور بزرگ حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب (خلیفہ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج

ا..... مولانا کی والدہ کا انتقال: ۱۳۲۵ھ میں طاعون میں ہوا۔ حضرت مفتی صاحب ''فتاوی رحیمیہ'' میں طاعون کے متعلق تفصیل کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

خود احقر تین طاعون سے گذر کر بفضلہٖ تعالی اب بھی بقید حیات ہے، ہماری دادی اماں مرحومہ کا انتقال: ۱۳۲۵ھ میں طاعون میں ہوا تھا، اس وقت ایک ہی گھر میں ہمارے دادا صاحب ایک چچا دو پھوپھیاں اور احقر کے والدین مرحومہ دادی اماں کے ساتھ رہتے تھے، اور یہ سب مرحومہ کی تیمارداری اور خدمت میں لگے ہوئے تھے، اللہ کے فضل سے ان میں سے کسی ایک کو بھی یہ مرض نہیں ہوا، اور دادی اماں مرحومہ کے انتقال کے بعد یہ سب برسوں زندہ سلامت رہے، اور اس طاعون کے بعد وقفہ وقفہ سے دو مرتبہ طاعون ہوا، اور اللہ کے فضل سے دونوں طاعون میں وہ سب محفوظ رہے، اگر مرض میں تعدیہ ہے تو ان سب کو کیوں نہیں لگا؟ لہذا عقیدہ کی درستگی اور تقدیر الٰہی پر اعتماد کر کے اسی جگہ ٹھیرے رہنا چاہئے۔

(فتاوی رحیمیہ ص ۴۷ ج ۸)

مرادآبادی) کے فرزند ارجمند استاذ العلماء حضرت مولانا احمد میاں صاحب کے تلامذہ میں سے تھے۔

مشکوۃ کی تعلیم کے بعد غالباً آپ گھریلو حالات کی وجہ سے دورۂ حدیث کے لئے کہیں تشریف نہ لے جاسکے ہوں گے، اس لئے آپ باقاعدہ کسی دارالعلوم سے سند یافتہ نہ تھے۔

رفقائے درس

مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری، مولانا محمد یوسف صاحب لاجپوری، مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی، مولانا احمد حسن بھام صاحب سملکی بانیٔ جامعہ ڈابھیل، جیسے اساطین علم آپ کے رفقائے درس میں شامل ہیں۔

تدریسی خدمات

ابتداءً لاجپور میں کچھ عرصہ پڑھایا، پھر مدرسہ محمدیہ (واقع محلّہ موٹھواڑ شہر نوساری) میں برسوں تدریسی خدمات انجام دیں۔

تلامذہ

فخر گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری، مولانا سید عبدالاحد صاحب لاجپوری، مولانا موسیٰ بھیات صاحب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

منصب امامت پر

لاجپور کی چھوٹی مسجد میں کچھ سال امامت فرمائی، پھر نوساری کی جامع مسجد میں بارہ سال تک منصب امامت پر فائز رہے۔

اوصاف وکمالات

وعظ ونصیحت

اہل علم کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وعظ وتقریر کے ذریعہ امت کی موقع بموقع صحیح رہنمائی کریں۔ مرحوم کو بھی اس ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا، اس لئے آپ نے علاقہ میں وعظ ونصائح کے ذریعہ دین کی عظیم خدمت کی، اور ماہ ربیع الاول میں تو یومیہ تین وعظ فرماتے صبح ''نوساری'' سے ''سچین'' (بروزن: امین وزمین) تشریف لے جاتے، اسٹیشن پر نواب صاحب کی طرف سے سواری کا انتظام ہوتا، وہاں حاضر ہوکر بیان ہوتا، پھر دوپہر کا کھانا تناول فرما کر ایک بجے بذریعۂ ریل ''نوساری'' پہنچ کر جامع مسجد میں بعد ظہر وعظ فرماتے، اور عشاء بعد ''جلال پور'' میں وعظ ہوتا۔

حق تعالیٰ نے خطابت کا ملکہ بھی خوب عطا فرمایا تھا، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

(والد صاحب) بیان بہت اچھا کرتے تھے، لاجپور کے مشہور علماء حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا مرحوم کا وعظ اور بیان سن کر فرمایا کرتے تھے: آپ تو ہم سے آگے بڑھ گئے۔ مثنوی بہت یاد تھی، اور بیان میں اس کے اشعار موقع بموقع ترنم کے ساتھ بہت عمدہ لہجہ اور انداز میں پڑھتے تھے۔

فارسی میں مہارت

مرحوم کو فارسی زبان پر خوب قدرت تھی، مثنوی خوب یاد تھی، اس کے اشعار کی بڑی اچھی تشریح فرماتے۔ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہ اور مولانا عبدالاحد صاحب نے

فارسی آپ ہی سے پڑھی۔

علماء کرام سے ربط و تعلق

ڈابھیل اور راندیر کے علماء کرام سے خصوصی تعلق تھا۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، مولانا محمد حسین صاحب بانئ جامعہ حسینیہ راندیر وغیرہ سب ہی علماء سے تعلق تھا۔ یہ حضرات نوساری تشریف لاتے تو رات کو مرحوم کے یہاں ہی قیام فرماتے، علماء ڈابھیل دہلی سے ڈابھیل تشریف لاتے تو رات: ۱۲/ بجے کی گاڑی سے نوساری تشریف لاتے اور رات کو مولانا کے یہاں قیام فرماتے اور صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر ڈابھیل تشریف لے جاتے۔

خودداری

اہل حق کے اوصاف میں سے ایک نمایاں صفت خودداری بھی ہے۔ آپ کی طبیعت میں خودداری بے حد تھی، کسی سے، خاص طور سے اہل ثروت سے کبھی مرعوب نہ ہوتے تھے۔ نڈر بھی تھے۔

حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب مدظلہ کا دوسرا نکاح ہوا تو بڑی ہمت سے موٹھواڑ نوساری میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا بیان رکھوایا، ورنہ اس زمانہ میں اہل بدعت کی کثرت کی وجہ سے علماء حق کا وعظ ہونا بڑا مشکل تھا۔

مولانا مرحوم کی ان صفات کی وجہ سے نواب صاحب بھی آپ کے معتقد تھے۔ ربیع الاول میں ان کے یہاں بیان ہوتا۔ عید کے دن بھی خصوصی دعوت ہوتی تھی۔ کبھی کبھی نماز عید بھی مولانا ہی پڑھاتے۔

مولانا بحیثیت شاعر

انسانی فضل وکمال کا ایک جز شعر وشاعری بھی ہے۔ مولانا مرحوم کو شعر میں ید طولی حاصل تھا۔ بہت اچھے شاعر تھے۔ برجستہ کلام پر بھی قادر تھے۔

لاجپور کے مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان صاحب کے انتقال کے بعد صوفی باغ سورت میں جلسہ ہوا، جس میں راقم کے جد امجد حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب بھی شریک تھے، مولانا مرحوم بھی نوساری سے تشریف لائے، مولانا مرغوب احمد صاحب نے مولانا سے فرمائش کی کہ حضرت صوفی صاحب کی وفات سے متعلق کچھ تعزیتی اشعار لکھدیں، جلسہ میں کچھ وقفہ باقی تھا، مرحوم کو تنہائی اور سکون کا موقع فراہم کردیا گیا، چنانچہ مولانا نے درج ذیل اشعار لکھدیئے، جو تعزیتی جلسہ میں پڑھے گئے ۔

چل بسے ملک بقا کو صوفی صاحب نیک نام
مقتدائے صوفیاں تھے اور تھے سب کے امام
لاجپوری آپ تھے محکومِ نواب سچین
کرتے تھے سرکار بھی حضرت کا از حد احترام
ایک عرصہ سے کیا تھا آپ نے ترک وطن
آج کل سورت میں اکثر رکھتے تھے اپنا قیام
قوم کے سرتاج تھے مخدوم تھے آقا تھے وہ
مقتدا و پیشوا و ہادی و رہبر امام
خلق سے نفرت تھی ان کو اور تھے خلوت پسند
شوق حضرت کو وصال حق کا رہتا تھا مدام

عالم فانی کو چھوڑا اور ہوگئے مستعد
اٹھ چلے لبیک کہتے حق کا جب پہنچا پیام
ہاتف غیبی سے یوں آئی ندا عبدالکریم
سال ہجری اب یہ کہہ دو ہے بہشت ان کا مقام

اسی طرح قاضی سید رحمت اللہ صاحب لاجپوری محدث راندیری کی عیادت کے لئے آپ نوساری سے راندیر تشریف لائے، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قاضی صاحب کا رات کو وصال ہوگیا، اسی وقت مولانا نے ایک قطعہ لکھا' جس سے قاضی صاحب کا سن وفات بھی نکلتا ہے، وھو ہذا ۔

چھپ گیا ماہ علم زیر زمین گل ہوا آہ آہ چراغ دین

راقم الحروف کے جد بزگوار مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب کی وفات پر درج ذیل قطعات کہے ۔

تخم اپنی نیک نامی کا جہاں میں بو گئے
زندگی میں مولوی مرغوب احمد ہوگئے
سال رحلت آپ کا کہہ دیجئے عبدالکریم
بعد رحلت آپ اب مغفور احمد ہوگئے

ایضاً

جناب مولوی مرغوب احمد جو اپنی قابلیت میں تھے مشہور
بصد افسوس رحلت پاگئے وہ یہی تھی بات بس اب حق کو منظور
جو سال بکرمی کی اب غرض ہے بحمد اللہ اس میں ہے وہ مستور

ایک فارسی نمونہ بھی ملاحظہ فرمالیں

بروفات مولانا محمد یوسف صاحب لاجپوری

رفت مولانا محمد ابن یوسف آہ آہ
بود عالم متقی و بامروت خوش خصال
باغبان باغ صوفی پیشوائے خاندان
درسگاہ صوفیہ را ہم مدرس خوش خیال
فخر عالم فخر زاہد نیز فخر لاجپور
حسرتا وا حسرتا شد فخر دیوان را وصال
ہشت شعبان پنجشنبہ وقت مغرب شد رحیل
یک ہزار و سہ صد و پنجاہ و شش بودند سال
سال پیدائش عزیز اکسیر اعظم میشود
سال عمر از جان بخواند یغفر اللہ انتقال
مولد اندر لاجپور و مدفنش ہم لاجپور
مسکنش سورت شدہ در باغ صوفی ارتحال
بر دعا تاریخ را کن اختتام عبدالکریم
مغفرت از حق بخواہ ترک کن ایں قیل قال

وفات

مولانا مرحوم اخیری عمر میں بیمار رہتے تھے، اس لئے مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب مدظلہ آپ کو راندیر لے آئے تا کہ علاج بھی ہو اور خدمت کا موقع بھی ملے، اس لئے مرحوم

نے زندگی کے آخری ایام راندیر میں گذارے، بالآخر ۲۶ر جمادی الاخری ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۷ر جولائی ۱۹۷۳ء بروز جمعہ صبح گیارہ بجے وصال ہوا، ﴿انا للہ و انا الیہ راجعون﴾ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

راقم الحروف کی عمر اس وقت دس سال تھی، مجھے اب تک نماز جنازہ میں شرکت کا سماں یاد ہے۔ میں اپنے والد ماجد اور مولانا غلام صاحب کفلیتوی اور مولانا خلیل احمد صوفی مدظلہم کے ساتھ راندیر حاضر ہوا تھا۔ راندیر کے مشہور قبرستان میں مدفون ہیں۔

نرینہ اولاد

مولانا مرحوم کے چار صاحبزادے، جن میں سے بحمداللہ تین عالم وفاضل اور ایک حافظ قرآن کریم، مرحوم کے لئے صدقۂ جاریہ تھے۔

(۱)......حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب مدظلہ۔

(۲)......مولانا سید عبدالحق قادری صاحب۔

(۳)......حافظ سید عبدالحکیم صاحب۔

(۴)......مولانا سید عبدالاحد کوثرؔ قادری صاحب۔

مولانا سید عبدالحق قادری صاحب رحمہ اللہ

آپ ذہین علماء میں سے تھے۔ سرگرم پُر جوش فعال متحرک شخص تھے۔ سیاسی دنیا میں بھی بے مثل تھے۔ جمعیۃ العلماء کے بہت پرانے کارکن تھے۔ سورت میں جمعیۃ العلماء کا پہلا اجلاس: ۱۹۵۶ء میں ہوا، اس کی کامیابی میں مولانا کی مساعی کو بہت دخل تھا۔ جمعیۃ کے اکابر کا حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب اور آپ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ ماہنامہ ''حیات'' کے بانی تھے۔ اس کا افتتاحیہ خوب لکھتے تھے۔ ناظرین ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ بڑی

جرأت کے ساتھ اپنی بات پیش کرتے تھے۔ آخری چند سال صاحب فراش رہے۔ ذی الحجہ: ۱۴۱۸ھ مطابق: ۱۳/اپریل ۱۹۹۸ء میں راندیر میں وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی اسماعیل واڑی والا صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ حسینیہ راندیر) نے پڑھائی۔

حافظ سید عبدالحکیم صاحب رحمہ اللہ

ماشاءاللہ جید حافظ قرآن تھے۔ بہت اچھے عامل تھے۔ نوساری میں زندگی گذاری۔ آخری سالوں میں معذور ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا سید عبد الاحد کوثرؔ قادری صاحب رحمہ اللہ

ولادت:......۱۹؍شوال ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۰؍اپریل ۱۹۲۸ء

وفات:......۳۰؍جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ مطابق ۴؍دسمبر ۱۹۹۴ء، بروز اتوار

....

نوٹ:......مولانا کے یہ حالات ''اذان بلال'' آگرہ میں شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا سید عبدالاحد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ

صاحب فتاوی رحیمیہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کے برادر حقیقی مولانا سید عبدالاحد صاحب صوبہ گجرات کے مشہور اہل قلم، وسیع المطالعہ، صاحب نظر عالم تھے، حق تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو متعدد اوصاف حمیدہ سے نوازا تھا۔

موصوف کے اوصاف میں ایک بہترین وصف ان کا زوردار قلم تھا، جو منکرات اور باطل کے خلاف نظم ونثر میں خوب چلتا تھا، وہ لکھتے تھے اور بہت اچھا لکھتے تھے ﴿لا یخافون لومة لائم﴾ کا مصداق تھے۔

مولانا انتہائی متواضع تھے۔ کم گوئی آپ کا محبوب وصف تھا۔ قلیل الاختلاط بالناس علماء میں سے تھے۔ رسوخ فی العلم کے ساتھ جید حافظ قرآن تھے۔ نماز اور قرآن سے خصوصی تعلق تھا۔ نماز باجماعت کے مکمل اہتمام کے ساتھ ساتھ یومیہ دس پارہ کی تلاوت کا معمول تھا۔

ولادت

آپ کی ولادت: ۱۹/شوال ۱۳۴۶ھ مطابق: ۱۰/ اپریل ۱۹۲۸ء بمقام نوساری (گجرات کا ایک مشہور شہر ہے) ہوئی۔

تعلیم وفراغت

مولانا نے ابتدائی تعلیم فارسی تک اور حفظ کلام پاک اپنے والد ماجد سے کیا۔ فارسی دوم سے ہدایہ تک کی کتابیں دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں پڑھیں۔ ''مشکوۃ'' اور دورۂ حدیث کی تکمیل جامعہ حسینیہ راندیر میں کی۔ سن فراغت: ۱۹۵۰ء ہے۔

اساتذہ

حضرت مولانا محمد رضا صاحب اجمیری، حضرت مولانا احمد اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحب کاوی، حضرت مولانا احمد نور صاحب، حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیری، حضرت مولانا احمد اشرف صاحب راندیری رحمہم اللہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

ذوق شعر

استاذ الشعراء اختر آفاق امرتسری ''ندائے غیب'' میں تعارف کے عنوان میں لکھتے ہیں:

(مولانا کا) ذوق شعری زمانہ طالب علمی ہی سے ابھرنا شروع ہوگیا تھا، اگر یوں کہا جائے کہ کوثر صاحب کا مزاج لڑکپن ہی سے شاعرانہ ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

جب تک راندیر میں رہے شعر وسخن کے محاسن ومعائب پر مرحوم مولانا سید ظہور الحسن صاحب فنا ٹونکی (استاذ فارسی جامعہ حسینیہ راندیر) سے استفادہ فرماتے رہے، فنا صاحب نہایت اچھے اور خوش گو شاعر تھے، ایک ایسے شاعر جن کے دم سے راندیر کی رونق سخن وابستہ تھی۔

بمبئی کے دوران قیام میں ایک عرصہ تک آپ روزنامہ ''قیادت'' میں ہر روز حالات حاضرہ پر منظوم تبصرہ فرماتے رہے۔ آپ کی نگاہ نکتہ رس ہمیشہ وقت کی رفتار پر مرکوز رہی۔ عام مشاعروں سے ہمیشہ گریز ہی رہا، البتہ اگر کبھی کوئی بڑا آل انڈیا مشاعرہ ہوتا تو اس میں احباب کے اصرار پر شرکت فرماتے تھے۔ بڑودہ کے آل انڈیا مشاعرہ میں آپ کی نظم کافی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی۔

یوں تو آپ نے تمام اوصاف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے، لیکن رجحان طبع نظم کی طرف مائل رہا، اور واقعی نظم کہنے میں آپ کو ید طولی حاصل تھا۔

علم فقہ، فقہاء اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر بھی آپ نے ایک بڑی خوبصورت اور مدلل نظم کہی ہے۔ یہ نظم آپ کے برادر مکرم فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری کی مشہور تصنیف ''فتاوی رحیمیہ'' جلد اول میں بعنوان ''کہے تو کچھ سناؤں احوال واقعی'' طبع ہوئی تھی جسے عوام تو عوام طبقۂ خواص نے بھی سند پسندیدگی عطا فرمائی۔

آج کل آپ کا کلام اکثر گجراتی ماہنامہ ''حیات'' میں طبع ہوتا ہے، ماہنامہ ''حیات'' آپ کے برادر مکرم مولانا سید عبدالحق قادری صاحب کی زیر ادارت سورت سے شائع ہوتا ہے۔

زیر نظر منظوم تصنیف ''ندائے غیب'' مثنوی کی طرز پر ایک طویل نظم ہے، جس کے ساتھ ہی ''جعل پیری'' اور ''ہجری صدی'' پر دو مختصر نظمیں بھی شامل ہیں۔ ''ندائے غیب'' کے مطالعہ سے آپ کو موصوف کی وسعت نگاہی، سیاسی بالغ نظری اور حالات حاضرہ سے آپ کے گہرے شغف، شاعرانہ متانت وفتانت نیز نزاکت و لطافت، احساس اور قادر الکلامی کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا، اور شاعر کی فطرت، شاعر کا رجحان طبع، شاعر کا نقطۂ نگاہ بلکہ شاعر کی پوری شخصیت ابھر کر آپ کے سامنے آجائے گی۔

''ندائے غیب'' میں جس طرح سیاست عالم اور حالات حاضرہ اور موجودہ عالمی مسائل پر تبصرہ فرمایا ہے، اور جن جن زاویوں سے انہیں دیکھا ہے، اور انداز بیان میں جس رمزیت، اشاریت اور کنائیوں سے کام لیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ جہاں تک سخن سنجی کا تعلق ہے تو آپ کی طبع رواں کی روانی اور قادر الکلامی قابل رشک ہے''۔

تصنیفات

مولانا مرحوم کو حق تعالی نے تحریر کی اعلی قابلیت وصلاحیت سے نوازا تھا۔ عجیب سلاست

وروانی اورادبی چاشنی تھی۔مرحوم کی چند مطبوعہ تصانیف کی فہرست یہ ہے:

(۱)......مسلمان کی ڈائری (اسلامی منشور)۔

(۲)......تسخیر قمر۔

(۳)......ندائے غیب۔

(۴)......ایرانی سیاست۔

(۵)......جمہوریت اوراس کی خدوخال۔

(۶)......ازخواب گراں خیز۔

(۷)......تقلیداور غیر مقلد۔

مولانا کی ان تصنیفات میں ''مسلمان کی ڈائری'' پرازمعلومات کتاب ہے۔آج کے دور جہالت میں عوام کے ساتھ خواص کوبھی اس کتاب کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، بلکہ مدارس عربیہ اور مکاتب قرآنیہ میں اسے داخل نصاب کرنا چاہئے یا کم ازکم طلباء کرام کو خارجی اوقات میں اس کے مطالعہ کی ترغیب دینی چاہئے۔

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری اس کتاب پر تبصرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''کتاب کیا ہے اسلامی زندگی اور دینی معلومات کا دائرۃ المعارف ہے۔دریا کوکوزے میں بھرنے کی مثال اس پر بالکل صادق آتی ہے۔

اس کتاب میں صرف عبادات ومعاملات ہی نہیں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق نہایت ضروری اور مفید معلومات درج ہیں اور تمام باتیں معتبر اور مستند علماء حق کی کتابوں سے لکھی گئی ہیں۔

یہ کتاب اپنے مختلف الانواع معلومات کی جامعیت کے لحاظ سے منفرد ہے، اورعوام و

خواص دونوں طبقوں کے لئے مفید ہے۔ ہزاروں عنوانات پر چھوٹے بڑے مضامین ہیں‘‘

(روزنامہ ’’انقلاب‘‘، بمبئی: ۱۹/ مارچ ۱۹۸۸ء)

ماہنامہ ’’البلاغ‘‘ کراچی نے تبصرہ میں لکھا:

’’کتاب مختلف موضوعات پر معلومات کا ایک بڑا مجموعہ ہے، جس میں عقائد‘ عبادات‘ معاملات‘ اخلاقیات‘ تاریخ‘ فرق مختلفہ‘ بدعات مروجہ‘ آداب زندگی اور معاشرت جیسے مختلف موضوعات پر مختلف عنوانات قائم کر کے اس کو ایک بہترین علمی ذخیرہ بنا دیا ہے۔ بعض عنوانات درج ذیل ہیں:

فرشتہ‘ جن‘ شیطان‘ مرد‘ عورت‘ اخبار‘ سیاست‘ ورزش‘ اچھے نام‘ تصویر‘ مسواک‘ برتھ کنٹرول‘ بیمہ زندگی‘ مسلم پرسنل لاء‘ امام جعفر کے کونڈے‘ واقعۂ کربلا‘ اخوان المسلمین‘ اہل حدیث‘ آلات حرب‘ تربیت اولاد‘ امام کے اوصاف‘ متولی مسجد کیسا ہو‘ مزدور‘ کاہلی‘ ختنہ‘ ملاوٹ‘ قرض وغیرہ، اس قسم کے سینکڑوں عنوانات کے تحت مصنف نے بہترین معلومات فراہم کی ہیں، حتیٰ کہ ’’انسانی فضلہ اور ایک الجھن‘‘ کا عنوان قائم کر کے اس کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں کہ انسان اپنا فضلہ کیوں دیکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے اس کتاب کو ایک دلچسپ معلوماتی مجموعہ بنا دیا ہے تا کہ ہر شخص اس کتاب سے اپنے موضوع کے تحت معلومات حاصل کر سکے۔

اس کتاب کا ہر عنوان مطالعہ کی دعوت دیتا ہے، ہر شخص کو یہ کتاب اپنے سرہانے رکھنی چاہئے تا کہ فرصت کے مختصر لمحات میں کسی مختصر عنوان کو پڑھ کر اپنی معلومات میں اضافہ کر لے‘‘۔

(ماہنامہ ’’البلاغ‘‘ کراچی، اکتوبر ۱۹۹۰ء)

تلاوت کا عجیب ذوق

مولانا مرحوم ''مسلمان کی ڈائری'' میں قرآن کریم کے متعلق تفصیل لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن مسلمانوں کے ہر دکھ کا علاج ہر مشکل کا حل اور ہر درد کا مداوی ہے۔ قرآن کا وجود مسعود مسلمانوں کے لئے بڑی سے بڑی نعمت ہے، اس کی تلاوت باعث برکت ہے، اور اس دور نحس ونجس میں قرآن کریم ہی ایک رحمت ہے، اس لئے اپنی تمام تر قوت اس کے پیچھے لگا دو، اپنی تمام تر توجہ اس کی طرف مرکوز کر دو، خشوع وخضوع سے اس کی تلاوت کیا کرو''۔ (مسلمان کی ڈائری ص ۷۷)

مرحوم کی یہ تحریر پڑھئے، پھر آپ کا عمل دیکھئے! حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم ایک تعزیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''مرحوم بڑے جید حافظ قرآن، عالم باعمل تھے۔ نماز اور قرآن سے بڑا تعلق تھا۔ بڑی اچھی زندگی گذاری۔ ماشاء اللہ روزانہ دس پاروں کی تلاوت اور علمی و دینی کتابوں کا مطالعہ وغیرہ (مزید براں)''۔

سیاسی بصیرت

نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم کے سیاسی حالات پر مولانا مرحوم کی نظر ایسی وسیع تھی کہ آپ کے مضامین ورسائل دیکھنے والا حیران ہو جاتا ہے کہ ایک مدرسہ کا فارغ جس کا بظاہر سیاست سے کوئی واسطہ نہیں، مگر معلومات اس قدر وسیع کہ ہر ایک پر برملا تنقید کرسکتا ہے۔ ایرانی سیاست، جمہوریت اور اس کے خدوخال، ازخواب گراں خیز، کا مطالعہ کرنے والا ہی محسوس کرسکتا ہے کہ آپ کی سیاسی بصیرت کتنی ہوگی۔

اخبار بینی

اخبار بینی مولانا کی زندگی کا ایک اہم شغل تھا۔ آپ روزانہ اخبار کا اہتمام سے مطالعہ فرماتے، اور گہرائی کے ساتھ دیکھتے۔ اہم تراشے محفوظ رکھتے۔ مولانا کی کتابوں میں اخبار ورسائل کے حوالجات جگہ جگہ ناظرین کو ملیں گے۔ ''اخبار اور اخباری معلومات'' کے عنوان سے مولانا کی تحریر ''مسلمان کی ڈائری'' (ص ۳۱۰) میں قابل دید ہے۔

حق گوئی

علماء دیوبند کا نمایاں وصف حق گوئی رہا ہے۔ مولانا مرحوم اس وصف میں بھی حقیقی طور پر علماء دیوبند کے صحیح وارث تھے۔ جس فرقہ یا جماعت کو آپ نے غلط سمجھا نظم ونثر میں اس پر کھل کر تنقید کی۔

وفات

وفات سے چند سال قبل مرض میں مبتلا تھے، اور مرض بھی ڈاکٹروں نے کینسر بتلایا تھا۔ ضعف دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ بالآخر وقت موعود آ گیا، وفات سے ایک دن قبل ظہر کے وقت فرمایا: مجھے جلدی مسجد لے چلو، مسجد کہاں ہے؟ میرا چہرہ اس طرف کردو، صاحبزادے نے تیمّم کرایا پھر نماز ادا کی، نماز کے بعد بے ہوشی رہی، تھوڑا تھوڑا زمزم پیتے رہے۔ الغرض ۳۰ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۴ / دسمبر ۱۹۹۴ء بروز اتوار بوقت ظہر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، ﴿ انا للہ وانا الیہ راجعون ﴾۔ مولانا ابراہیم صاحب تاراپوری مدظلہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ لیسٹر (برطانیہ کا مشہور شہر ہے) کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہم

ابتدائی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم جد بزرگوار مولانا سید ابراہیم صاحب (م:۱۳۲۹ھ) ابن سید عبدالرحیم (م:۱۳۱۳ھ) سے حاصل کی، موصوف نے الف بے کا قاعدہ پارۂ عم اور پانچ کلمے پڑھائے، اس وقت آپ کا قیام لاجپور میں تھا، اس زمانہ میں مندرجۂ ذیل اساتذہ سے بھی پڑھنے کا موقع ملا:

(۱)......حضرت مولانا سید عبدالحیٔ قاضی صاحب لاجپوری۔[۱]

(۲)......حضرت قاری عبدالستار صاحب لکھنوی۔ؒ

(۳)......عارف باللہ حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان صاحب لاجپوری۔ کو قرآن مجید سنانے کا شرف حاصل ہوا۔

[۱]......آپ حضرت مفتی صاحب کے خسر تھے، جید عالم دین تھے، تعلیم وتعلم کا عجیب ملکہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، بڑے دور اندیش اور طبیعت میں نہایت سنجیدگی تھی ''گلاں''، ضلع سورت کے مدرسہ میں صدر مدرس بھی رہے، ڈربن ناٹال (جنوبی افریقہ) کے مدرسہ انجمن اسلام میں صدر مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دی، راقم کے پاس حضرت کے کئی فتاوی موجود ہیں، انشاءاللہ کسی وقت ان کو مرتب کر کے شائع کرنے کا خیال ہے، بدعات ورواج کی بیخ کنی میں قابل قدر خدمات انجام دیں، اس کے صلہ میں عاشقان بدعت اور دشمنان سنت کی طرف سے آزمائش بھی برداشت کی، ایک بدبخت نے حملہ کیا اور ایک ضرب ایسی ماری کہ بے ہوش ہوکر گر گئے، اس شقی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سزا دی کہ جنون لاحق ہوا، نوساری میں مولانا سید عبدالکریم صاحب کے ساتھ مدرسہ محمدیہ کی بنیاد ڈالی، اور اس میں تدریسی خدمت انجام دی، ۵/ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ مطابق: ۱۱/اگست ۱۹۵۰ء میں وفات پائی، نماز جنازہ حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کو پڑھانے کی وصیت تھی، مگر حضرت نے مولانا مرغوب صاحب کے سپرد فرمادی، چنانچہ انہوں نے ہی نماز پڑھائی۔ لاجپور کے قدیم قبرستان میں مدفون ہیں۔

جس کا واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت مفتی صاحب عہد طفولیت میں تھے، حضرت صوفی صاحب اکثر صبح صبح چارپائی پر تشریف فرما ہوتے تھے ہلکی ہلکی دھوپ ہوتی تھی، چند طلبہ جامع مسجد میں بیٹھ کر سبق یاد کرتے تھے، طلبہ کی اس جماعت میں مفتی صاحب بھی تھے، مفتی صاحب کی آواز دلکش اور بہت عمدہ تھی، قرآن کریم بہت خوب پڑھتے تھے، ایک دفعہ صوفی صاحب نے آپ کی تلاوت سن کر خدام سے پوچھا: یہ کس کی آواز ہے؟ عرض کیا گیا ”عبد الرحیم“ کی، فرمایا: یہاں بلاؤ اور حکم فرمایا کہ: ”عبدالرحیم قرآن مجید سناؤ“ آپ نے تعمیل حکم میں قرآن پاک سنانا شروع کیا، حضرت صوفی صاحب نے از حد پسند فرمایا، اور بہت متأثر ہوئے، اور ارشاد فرمایا ”روزانہ آ کر قرآن مجید سنایا کرو“۔ [۱]

---

[۱]...... آپ ولی کامل، عارف باللہ، صاحب کشف وکرامت ومستجاب الدعاء بزرگوں میں سے تھے، لاجپور میں ولادت ہوئی، ناظرہ وحفظ اور ابتدائی تعلیم اپنے والد حافظ احمد صاحب سے پائی، فارسی وعربی کی تعلیم ریاست سچین (بروزن امین) کے قاضی حضرت شیخ فقیر اللہ صاحب سے حاصل کی، بچپن ہی سے یادالٰہی کا شوق تھا، اذکار واشغال اور مجاہدہ ومراقبہ کا اعلیٰ مقام نصیب ہوا تھا، آپ کو مولانا شاہ نظام الدین (خلیفہ مولانا جان محمد صاحب مفتی مکہ وشیخ حرم) سے چاروں سلسلہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی، ان کے علاوہ حاجی وارث علی شاہ صاحب اور مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا، آپ کی ذات لوگوں کے لئے چشمۂ ہدایت تھی، لوگوں کی اصلاح، امر بالمعروف، نہی عن المنکر آپ کی زندگی کا واحد مقصد تھا، آپ اور مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی کی مساعی سے جناب ابراہیم صاحب نواب سچین کے دور میں خلافت راشدہ کا ایک ادنی سا نمونہ قائم ہوگیا تھا، آپ نے غدر (غدر نہیں درحقیقت جہاد اکبر) کے قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، چھ ماہ سورت کے قلعہ میں قید رہے، یہ خلوت معارف وتقرب میں ترقی کا باعث بنی، سفر حج میں حدود حرم شروع ہوتے ہی پاپیادہ ہوگئے، وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ بیت اللہ شریف پر نگاہ پڑتے ہی حواس باختہ ہوگئے، اور تمام شب ایک ہی جگہ بیٹھے رہ گئے، صبح کو رفقاء کی مدد سے طواف کیا، ۲۰/ جمادی الاولی: ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء بروز شنبہ سورت میں وفات پائی، رحمه الله رحمة واسعة۔

حفظ قرآن

مولانا سید ابراہیم صاحب کی وفات کے بعد آپ اپنے شفیق چچا حافظ سید حسام الدین صاحب قادری (م: ۲٦ / جمادی الاخری ۱۳۴۳ھ) کے ہمراہ موٹا وراچھہ (ایک گاؤں کا نام ہے) گئے، چونکہ موصوف کو وہاں امامت وخدمت قرآن کے لئے مدعو کیا گیا تھا، وہاں گھریلو خدمت کے ساتھ تعلیمی سلسلہ بھی جاری رہا، یہاں مفتی صاحب کا قیام غالباً دو سال رہا اس بستی والوں کے اخلاق سے مفتی صاحب بہت خوش رہے، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

وراچھہ کے باشندوں کو بہت خوش اخلاق، فیاض ومہمان نواز، صدقہ وخیرات میں سبقت لے جانے والے پایا، اللہ تعالیٰ اس بستی کو شاد وآباد رکھے، جناب مال موٹا کے پڑوس میں ہمارا قیام تھا، ان کے اور ان کی اہلیہ کے اخلاق عجیب وغریب تھے، ان کی شفقت ومحبت اور ان کی بے لوث خدمت جو ہمارے ساتھ رہی اس کے بیان سے قاصر ہوں۔ وراچھہ کی آب وہوا مرطوب ہونے کے باعث آپ کی طبیعت ناساز رہا کرتی تھی، اس کی اطلاع دارالعلوم اشرفیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید قاضی رحمت اللہ صاحب

ل...... آپ علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، آپ کے والد حضرت سید احمد اللہ صاحب اور جد بزرگوار حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب زبردست علماء میں تھے، قاضی محمد بن عبد العزیز صاحب اور محدث کبیر شیخ حسین بن محسن الیمانی سے اکتساب فیض کیا، دارالعلوم اشرفیہ میں نصف صدی تدریسی خدمت انجام دی، صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب کو زینت بخشی، کچھ مدت مہتمم بھی رہے، انجمن اسلام راندیر کے بانیوں میں سے تھے، گیارہ سال اس انجمن کے انتظام کو بحسن وخوبی سنبھالا، علم وتقویٰ میں علماء سلف کی یادگار تھے، بلند پایہ مصنف تو تھے ہی تفسیر وحدیث میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا، صلوۃ لیل کے پابند، مزاج میں قدرے سختی تھی۔ (۱): کحل العینین فی ترک رفع الیدین (۲): سبع سنابل فی تصریح المسائل (۳): غنیۃ المہتدی فی قراءۃ المقتدی (۴): ترتیب المسائل فی اقوی الدلائل (۵): تلک عشرۃ کاملۃ (٦): تحقیق المسائل عن عمدۃ الوسائل (۷): نور العینین (۸): ہدایۃ البرایا فی احکام الضحایا'' تصانیف

لے کو ہوئی تو حضرت نے حافظ حسام الدین کو دارالعلوم میں مدعو فرمالیا، اور درجہ حفظ کی خدمت سپرد فرمادی، ساتھ ہی راندیر کی ایک مسجد میں امامت کا عہدہ بھی سنبھال لیا، چنانچہ حضرت مفتی صاحب عم بزرگوار کی معیت میں راندیر تشریف لے آئے، اور دارالعلوم اشرفیہ میں داخل ہوکر حفظ کی تکمیل ۱۳۳۹ھ میں کی، گجراتی کی تعلیم قیام لاچپور کے زمانہ میں ایک دوسال حاصل کی۔

حضرت مفتی صاحب کا کشتی اور ورزش میں مہارت پیدا کرنا اور دوسروں کو سکھانا

حق تعالی فرماتے ہیں: ﴿ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ﴾۔ (سورۂ انفال: ۶۰)

ترجمہ: ...... اور تیار کرو ان سے لڑائی کے لئے جو کچھ جمع کرسکو قوت میں سے۔

حدیث میں بھی قوی مومن کی فضیلت آئی ہے "مسلم شریف" میں ہے: طاقتور مومن بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے اس مومن کی بنسبت جو کمزور ہو۔

چھوڑیں۔ الحمدللہ راقم الحروف نے ان تمام تصانیف کو جدید طرز پر مرتب کر کے اور ان پر مفید حواشی سے محقق کر کے شائع کیا ہے جو "رسائل رحمہ اللہ" کے نام سے مطبوعہ ہے۔

علم و فضل کا یہ آفتاب: ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ مطابق: ۱۷ر دسمبر ۱۹۲۳ء کو غروب ہوا، راندیر میں تبع تابعین کے مزار کا جو احاطہ ہے اس میں مدفون ہیں ۔

چھپ گیا ماہ علم زیر زمین   گل ہوا آہ آہ چراغ دین

نوٹ: ...... مولانا کے حالات پر ایک مختصر مضمون راقم نے لکھا تھا جو ماہنامہ "اذان بلال" آگرہ فروری، مارچ ۱۹۹۴ء کے شمارے میں شائع ہوگیا ہے۔

الحمدللہ بعد میں ایک مستقل رسالہ موصوف کے حالات پر مرتب ہوگیا، جو ان کی تصانیف کے ساتھ "تذکرہ محدث راندیری" کے نام سے مطبوعہ ہے۔

اس لئے شریعت مطہرہ نے تیرنے اور تیر اندازی اور گھوڑے سواری سیکھنے کی دعوت دی ہے، امام طبرانی سند جید کے ساتھ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر وہ چیز جو اللہ تعالی کے نزدیک ذکر میں سے نہیں ہے وہ کھیل کود یا غفلت ہے سوائے چار چیزوں کے: (تیر اندازی کے لئے) انسان کا دو نشانوں کے درمیان چلنا، اور گھوڑے کو چلانا سیکھنا، اور اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا، اور تیرنا سیکھنا۔

اور بزار وطبرانی سند جید کے ساتھ رسول ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ''تم تیر اندازی سیکھو اس لئے کہ یہ تمہارے کھیل کود میں سے بہترین کھیل ہے''۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے تیر اندازی کے حلقوں کے پاس سے گذر رہے تھے تو آپ ﷺ نے انہیں مزید ابھارا، اور فرمایا: ''ارموا وانا معکم'' تم لوگ تیر اندازی کرتے رہو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

اصحاب سنن (ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور امام احمد نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''ریس اور مسابقت ومقابلہ سوائے اونٹوں اور گھوڑوں اور تیر اندازی کے کسی اور میں جائز نہیں۔ (اسلام اور تربیت اولاد ۱/۲۲۶)

حضرت مفتی صاحب کی پوری زندگی حکم ربانی کی اطاعت اور اسوۂ نبوی ﷺ کی پیروی میں گذری، چنانچہ اس آیت پر بھی اللہ تعالی نے عمل کروادیا، حضرت مفتی صاحب ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک زمانہ میں' میں نے لاجپور میں اپنے گھر کے پیچھے میدان میں اکھاڑا شروع کیا اور لاجپور کے نوجوانوں کو کشتی کی مشق کرانا، ڈنڈ بیٹھک اور ڈنڈ پیلنا سکھانا شروع کیا،

چونکہ اس زمانہ میں عم محترم حافظ سید حسام الدین کے پاس راندیر آنا ہوتا تھا، اس وقت راندیر میں دوجگہ پر اکھاڑے تھے، ایک کھاٹکی واڑ میں اور دوسرا خانقاہ میں، جب راندیر آنا ہوتا تو اکھاڑے میں جا کر ان کے داؤ پیچ دیکھتا، اور خوب ذہن نشین کر لیتا، اور پھر لاجپور جا کر نوجوانوں کو سکھاتا''۔

درحقیقت یہ سب تعمیل ارشاد خداوندی: ﴿واعدوا لهم ما استطعتم ، الخ ﴾۔ کے شوق میں تھا، علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اسباب ضروریہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے، نہیں مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں، نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری' شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامان جہاد تھا، آج بندوق' توپ' ہوائی جہاز' آب دوز کشتیاں' آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔ (فوائد عثانی، سورۂ انفال، آیت نمبر: ۶۰)

''مسلم شریف'' کی حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے اللہ تعالی کا یہ فرمان مبارک تلاوت کیا: ﴿واعدوا لهم ﴾ پھر فرمایا: سن لو قوت تیر اندازی ہے، سن لو قوت تیر اندازی ہے۔ (اسلام اور تربیت ص ۲۲۶ ج ۱)

اب مفتی صاحب کی کشتی کا واقعہ حضرت ہی کی زبانی سنئے! فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ راندیر ہی کا پہلوان لاجپور آیا، اس نے میرا اکھاڑہ دیکھا اور بچوں سے معلوم کیا تمہارا استاد کون ہے؟ انہوں نے کہا ''عبدالرحیم'' اس نے کہا میں اس سے کشتی لڑنا چاہتا ہوں، میرے شاگردوں نے مجھ سے آکر کہا کہ راندیر سے ایک پہلوان آیا ہے جو

آپ سے کشتی لڑنا چاہتا ہے، میں نے سوچا کہ آئی ہے اپنی کم بختی، میں نے اپنے شاگردوں سے کہا تم ہی لڑلو، مقصد یہ تھا کہ کسی طرح معاملہ ٹل جائے، مگر میرے شاگرد اس کی پہلوانی دیکھ کر اس سے بری طرح متأثر تھے، اور کوئی اس سے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہوا، خود اس کا بھی اصرار تھا کہ لڑوں گا تو ''عبدالرحیم'' ہی سے لڑوں گا، مجھے بادل ناخواستہ کشتی کے لئے تیار ہونا پڑا، دل ہی دل میں دعا کی: اے اللہ! لاج رکھ لینا، شاگردوں کے سامنے رسوا نہ کرنا، اور اکھاڑے میں اترا، میرے دوسری طرف پہلوان تھا، مجھے مرعوب کرنے کے لئے وہ اپنی ہتھیلیاں بازو پر مارتا ہوا آگے بڑھا، میں بھی آگے بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف لپکے، اور میں نے اس کو اس کے سینہ کی طرف سے اپنے بازو سے کمر کے اوپر اٹھا کر زور سے زمین پر دے مارا، اور اس طرح اس کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا اب معاملہ الٹا تھا، اس کی ہمت ختم ہوچکی تھی، اور میری ہمت بڑھ گئی، میں نے اس سے کہا: کشتی تین مرتبہ ہوتی ہے، مگر وہ کسی طرح دوبارہ تیار نہ ہوا۔

فارسی کی تعلیم

درجۂ حفظ کی تکمیل کے بعد مفتی صاحب کچھ عرصہ لاجپور رہے، یہاں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، ساتھ ہی ساتھ کاشت کاری بھی کرتے، اس دوران قاری عبدالستار صاحب سے قرآن کریم کی چند سورتوں اور چند رکوعات کی مشق کی، حضرت مفتی صاحب قاری صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت قاری صاحب مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے، بڑی شفقت اور محنت سے انہوں نے مجھے پڑھایا، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کے درجات بلند فرمائے، موصوف بڑے خوش الحان تھے، لاجپور مدرسہ نئی مسجد میں مدرس بھی رہے، رحمہ اللہ۔

جب قاری صاحب کا تذکرہ آ گیا ہے تو یہاں ان کے ایک واقعہ کا ذکر کرنا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے جو حضرت مفتی صاحب ہی نے سنایا، حضرت نے فرمایا:

میں اپنے مقتدیوں سے اپنے استاذ حضرت قاری عبدالستار صاحب کا تذکرہ کرتا رہتا تھا، اور ان کی بہت تعریف کرتا تھا کہ بہت اچھا قرآن پڑھتے ہیں، بہت پیارا لہجہ ہے، (واضح رہے کہ خود حضرت مفتی صاحب انہی کے لہجہ میں قرآن پڑھتے تھے، جو مقبول ہوا، لوگ حضرت کی قراءت بہت پسند کرتے تھے اس لہجہ کی بعینہ نقل کرنے والے لوگ اب بھی موجود ہیں) اتفاق سے ایک مرتبہ قاری صاحب راندیر تشریف لائے لوگوں کی درخواست پر قاری صاحب نے بڑی مسجد میں نماز پڑھائی، بعد میں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم تو اپنے استاد کی بہت تعریف کرتے تھے، وہ تو بہت سیدھا سادہ پڑھتے ہیں، میں نے ان کو تو کوئی جواب نہیں دیا، مگر حضرت استاذ صاحب سے عرض کیا کہ میں نے آپ کی بہت تعریف کی تھی مگر آپ نے بہت سادہ پڑھا، تو استاذ صاحب نے جواب دیا کہ: میرا معمول ہے کہ کہیں امامت کی نوبت آتی ہے تو کوشش کرتا ہوں کہ وہاں کے مقررہ امام سے اچھا نہ پڑھوں تا کہ ان کی وقعت لوگوں کے دلوں میں کم نہ ہو۔

بچپن سے شوق علم کا ایک دلچسپ واقعہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس بات کا تذکرہ کر دیا جائے کہ قاری صاحب سے پڑھنے کی ابتداء کیسے ہوئی؟ حضرت کی زبانی سنئے:

لاجپور میں قاری صاحب عصر کے بعد مسجد میں حوض کے اوپر ایک بچہ کو (بالمعاوضہ) تجوید کی مشق کرایا کرتے تھے، شوق تو مجھے بھی تھا مگر میں پیسے کہاں سے لاتا؟ اس لئے میں دور چھپ کر بیٹھا سنتا رہتا تھا، اور قاری صاحب جیسی مشق کراتے دھیمی آواز سے اس کو پڑھ

لیتا، یہ سلسلہ روزانہ کا ہوگیا، یہاں تک کہ مجھے قاری صاحب کے لہجہ پر پورا قابو حاصل ہوگیا، ایک دن قاری صاحب نے اس بچہ سے کہا سناؤ! اتنے دن سے پڑھتے ہو کچھ آیا بھی کہ نہیں؟ اس نے پڑھا تو قاری صاحب بہت غصّہ ہوگئے کہ اتنے دن ہوگئے ابھی تک لہجہ نہیں سیکھا، پھر مجھے دیکھ کر فرمایا کہ تو اتنے دن سے آکر بیٹھتا ہے، تجھے کچھ آتا ہے؟ خوشی سے اچھل کر میں نے کہا: ہاں آتا ہے، قاری صاحب نے کہا: سناؤ میں نے سنانا شروع کیا اور بالکل اسی طرح پڑھا جیسا قاری صاحب پڑھتے تھے، یہ دیکھ کر قاری صاحب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، اور فرمایا کہ تم روزانہ یہیں آکر پڑھا کرو، قاری صاحب قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے، ان کا قرآن بہت مشہور تھا، احمد آباد سے لیکر واپی تک ان جیسا پڑھنے والا کوئی نہیں تھا، میں نے ان کا لہجہ خوب اچھی طرح سیکھ لیا، نوساری میں جب میں نے امامت شروع کی تو انہی کے لہجہ میں پڑھا کرتا تھا، لوگوں کو بہت پسند آتا تھا، ایک دن ایسا ہوا کہ نماز کے بعد ایک صاحب مجھے ملے پوچھا کہ قاری عبدالستار صاحب جنہوں نے ابھی نماز پڑھائی کہاں ہیں؟ میں نے کہا نماز تو میں نے پڑھائی ہے، تو انہوں نے کہا کہ میں سمجھا کہ قاری عبدالستار صاحب آئے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ لاجپور سے نوساری سب گھر والوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔

منصب امامت

طالب علمی کے زمانہ ہی سے حضرت مفتی صاحب کو مسائل سے خاص شغف تھا، ''بہشتی زیور'' اور اردو کی دیگر مسائل کی کتابوں خصوصاً ''غایۃ الاوطار'' وغیرہ کا مطالعہ بچپن ہی میں کیا تھا، لوگوں میں اس کی شہرت تھی، لوگ آپ سے مسائل بھی پوچھا کرتے تھے۔

ساتھ ہی قراءت اور فن تجوید سے بھی واقفیت ہو چکی تھی، آواز بہت نفیس اور لہجہ نہایت دلکش تھا، نوساری کے حضرات نے آپ کے اس خداداد کمال سے فائدہ اٹھانا چاہا، اور ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں جامع مسجد کا امام بنا دیا، دو سال اس منصب پر فائز رہے۔

راندیر بڑی جامع مسجد میں

راندیر سے سید عبدالرحمٰن اور شیخ سدّو کپڑے کی تجارت کی غرض سے نوساری آیا کرتے تھے، وہ دونوں حضرات مفتی صاحب کی قراءت سن کر خوش ہوتے تھے، ایک دن بعد عشاء مسجد کے صحن میں وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے حضرت مفتی صاحب بھی ان کے پاس بیٹھ گئے، دوران گفتگو ان دونوں نے کہا ''ابھی ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اے اللہ! اس مسجد کے امام صاحب کو ہماری راندیر کی بڑی مسجد میں امام بنا دیجئے'' یہ سن کر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: ''راندیر علم کا مرکز ہے، مجھ جیسا شخص ایسے مقام پر کیسے امام بن سکتا ہے'' اس بات کو چند ہی دن گذرے ہوں گے کہ حضرت مفتی صاحب کے راندیر تشریف آوری کے اسباب مہیا ہو گئے، اور آپ راندیر کی اسی بڑی مسجد میں امام بن کر تشریف لے آئے، گاہے انسان اخلاص اور توجہ الی اللہ کے ساتھ کوئی بات کہتا ہے تو اللہ تعالی اس کی بات پوری فرما دیتے ہیں جس کی یہ زندہ مثال ہے، جس کا واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی عزیزہ ہمشیرہ کے عقد مسنون میں بانی جامعہ حسینیہ راندیر حضرت مولانا محمد حسین صاحب (شاگرد رشید مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب) اور ناظم محترم مولانا حافظ احمد موٹا صاحب تشریف لائے تھے۔ وعظ اور نکاح کے بعد حضرت مفتی صاحب سے فرمایا: فجر کی نماز جامع مسجد میں آپ کے پیچھے پڑھنا ہے، ہم نے بڑی تعریف سنی ہے، ہم بھی آپ کی قرآت سننا چاہتے ہیں، مفتی صاحب نے فرمایا: حضرت! جامع

مسجد بہت دور ہے، آپ کو تکلیف ہوگی، مگر حضرت نے فرمایا ہمیں وہیں نماز پڑھنے کا شوق ہے، چنانچہ حضرت نے وہیں نماز فجر ادا فرمائی، اشراق کے بعد حضرت نے آپ کو گلے لگا لیا اور فرمایا تمہارے لئے راندیر مناسب ہے، مفتی صاحب نے فرمایا: راندیر تو علم کا مرکز ہے، اور میں صرف حافظ ہوں، حضرت نے فرمایا: آپ وہاں آؤ تو سہی، سب کچھ ہو جائے گا، انشاء اللہ آپ عالم بھی ہو جائیں گے، سند بھی مل جائے گی، ان دونوں کے اصرار پر راندیر حاضری ہوئی، اور ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں ''بڑی جامع مسجد راندیر'' کی امامت سپرد ہوئی۔ تقریباً: ۶۳/سال تک بڑے استقامت، صبر وضبط اور خودداری کے ساتھ اس اہم منصب پر جلوہ افروز رہے، ۱۴۰۶ھ میں امراض، ضعیفی اور پیرانہ سالی کی وجہ سے آپ منصب امامت سے مستعفی ہوئے۔

راندیر جیسے دینی مرکز کی درسگاہیں آپ کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھیں، اور در حقیقت یہی ذریعہ بنی کہ آپ نے یہاں درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔

نوساری جامع مسجد سے استعفی پر اخبار ''خلافت'' کا اظہار افسوس

حضرت مفتی صاحب نے جب نوساری جامع مسجد کی امامت سے استعفی دیا، اس پر اخبار ''خلافت'' گجراتی جو بمبئی سے نکلتا تھا، اس میں ایڈیٹر صاحب نے لکھا:

''معتبر ذریعہ سے یہ اطلاع ملی ہے کہ نوساری شاہی جامع مسجد کے خطیب وامام جناب حافظ عبدالرحیم صاحب ابن مولانا سید عبدالکریم صاحب لاجپوری امامت سے مستعفی ہو کر بغرض تعلیم کہیں (راندیر) جا رہے ہیں، بلا شک صغرسنی کے باوجود مسائل سے واقفیت رکھنے والی ایسی باہوش شخصیت کا ملنا مشکل ہے۔

مجھے اس موقع پر اہل نوساری کو یہ ضرور کہنا ہے کہ انہوں نے غفلت میں رہتے ہوئے

ایسے باہوش امام کی جیسی قدر کرنی چاہئے تھی نہیں کی، شیخ سعدی کے فرمان کے بموجب ع

''قدر نعمت بعد از زوال''

آپ کی کمی محسوس ہوگی۔

حق تعالیٰ آپ کو تمنا کے مطابق علم نصیب فرمائے، حافظ صاحب کے استعفی سے مسلمانان نوساری بہت ناراض ہوئے، مگر جب انہیں پتہ چلا کہ آپ بغرض تعلیم جارہے ہیں تو سب بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوئے کہ حق تعالی آپ کو کامیابی عطا فرمائے، آمین۔(خلافت: ۲۲؍مئی ۱۹۲۵ء)

جامعہ حسینیہ میں داخلہ اور فراغت

راندیر میں منصب امامت کے ساتھ درس نظامی کی تعلیم کا سلسلہ بھی شروع فرمایا، اور ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں مدرسہ محمدیہ عربیہ (جو اب جامعہ حسینیہ کے نام سے مشہور ہے) میں داخل ہوئے اور چھ سال رہ کر درس نظامی کی تکمیل فرمائی، ۲۰؍شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں آپ کو جامعہ کی طرف سے سند فضیلت دی گئی۔

حضرت اقدس اپنی طالب علمی اور راندیر آمد کا قصہ اس طرح سناتے ہیں:

''میں: ۱۹۲۵ء میں راندیر آیا، پہلے مسجد میں حاضری دی نماز پڑھی، رات مسجد میں گزاری، دوسرے دن صبح مدرسہ میں داخل ہوگیا، اہل مدرسہ نے کھانے کا اس طرح سے انتظام کیا کہ مجھے برتن میں کھانا دیا جاتا، میں ایک درسگاہ میں اساتذہ کے ساتھ بیٹھ کر کھالیتا لیکن میری طبیعت کو مدرسہ کا کھانا گوارا نہ تھا، میں نے مہتمم صاحب سے عرض کیا کہ میرا کھانا بند کر دیا جائے، میں اپنے کھانے کا انتظام خود کرلوں گا، مہتمم صاحب نے فرمایا: اچھا تم بہت مالدار ہوگئے؟ میں نے عرض کیا: مالدار تو نہیں ہوا، مگر میری طبیعت کو مدرسہ کا کھانا

گوارا نہیں، چنانچہ میں نے کھانے کا انتظام اپنے طور پر کیا، دہلہ مسجد کے قریب ہوٹل تھا کبھی وہاں جا کر کھالیتا، کبھی وہاں سے منگوالیتا۔ اس وقت کھانا بہت سستا تھا، عام ترکاری دو آنہ کی اور قلیہ ڈھائی آنہ کا تھا، کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسانی کردی اور اہلیہ کو راندیر لے آیا۔

فراغت والے سال جامعہ کے سالانہ جلسہ میں خاتم المحدثین حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری ڈابھیل سے تشریف لائے، اور آپ کی صدارت میں یہ جلسہ ہوا، اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی [1] بھی تشریف لے آئے اور وعظ فرمایا، دستار بندی حضرت کشمیری کے دست بابرکت سے ہوئی۔

طالب علمی کا یہ پورا زمانہ خوب محنت و مطالعہ اور تقویٰ و طہارت کے ساتھ گذارا، چنانچہ جامعہ کی سالانہ رپورٹ میں حضرت مولانا محمد حسین صاحب نے آپ کے متعلق یہ تأثر تحریر

---

[1]...... آپ دارالعلوم دیوبند کے پانچویں صدر المدرس تھے، حضرت شیخ الہند کے مخصوص تلامذہ میں شمار تھا، حضرت گنگوہی کے خلیفۂ اجل، دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدینۃ الرسول ﷺ کا سفر فرمایا، وہاں پر: ۱۸؍سال درس حدیث میں مشغول رہے، حضرت الاستاذ کی معیت میں سہ سال سے زائد اسیر مالٹا رہے، رہائی کے بعد جامعہ اسلامیہ امروہہ، پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ، پھر جامعہ اسلامیہ سلہٹ میں تدریسی خدمات انجام دیں، حضرت علامہ کشمیری کی علیحدگی کے بعد دارالعلوم کی مسند صدارت کو زینت بخشی اور: ۳۲؍سال تک صدر مدرس اور ناظم تعلیمات رہے، اس دوران: ۴۴۸۳؍ طلبہ آپ سے فیضیاب ہوئے، مہمان نوازی میں اسوۂ ابراہیمی کا نمونہ تھے، بے مثل پیکر شجاعت، جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے، جنگ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا، کمالات باطنی کا ایسا اخفاء کیا کہ عمر بھر صرف ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے پہچانے گئے، آزاد ہندوستان میں کچھ کھلے تو پچاس ہزار انسانوں نے دست حق پرست پر بیعت کی، ایک جماعت کو مجاز بیعت کیا، چوراسی سال کی عمر میں گوناگوں امراض میں مبتلا ہو کر: ۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

فرمایا:

''مولوی سید حافظ عبدالرحیم لاجپوری چھ سال سے اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کررہے ہیں، ان کی از ابتداء تا انتہاء تعلیم اسی مدرسہ میں ہوئی، نیز سند قرأت بھی اسی مدرسہ سے حاصل کرچکے ہیں، نہایت صالح اور ذہین طالب علم ہیں، حق تعالیٰ ان کے علم اور عمر میں برکت دے کر ان سے اہل گجرات کو فیضیاب فرمائیں''۔

(مدرسہ محمدیہ عربیہ، جامعہ حسینیہ راندیر کا سالانہ حساب و رپورٹ، بابت ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۱ء ص ۶/۵)

اساتذۂ کرام

جامعہ میں آپ نے ''مشکوٰۃ شریف'' حضرت مولانا محبّ اللہ صاحب سے ''ابوداؤد طحاوی' ابن ماجہ' نسائی' مؤطین' حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری سے ''مسلم شریف'' حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب اجمیری سے ''ترمذی'' حضرت مولانا محمد حسین صاحب راندیری سے اور ''بخاری شریف'' حضرت مولانا احمد نور صاحب پشاوری سے پڑھی۔

علامہ کشمیری سے شرف تلمذ

حضرت مولانا علامہ انور شاہ صاحب کشمیری دیوبند سے مستعفی ہوکر جب گجرات تشریف لائے تو ایک مہینہ راندیر میں بھی قیام فرمایا، جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا ابراہیم صاحب راندیری نے موقع غنیمت جان کر حضرت سے درخواست کی کہ جامعہ کے طلبہ کو حضرت سے کچھ استفادہ کا موقع مل جائے، چنانچہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نے دو سبق پڑھانے منظور فرمائے، چنانچہ حضرت مفتی صاحب حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیری والی جماعت کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کی قیام گاہ پر جاکر سبق پڑھتے، اس جماعت کو

حضرت نے ''نورالانوار'' اور ''شرح وقایہ'' کا درس دیا۔

سند تجوید

ابتداء لاجپور میں قاری عبدالستار صاحب لکھنوی سے تجوید کی مشق کی، پھر جامعہ میں داخل ہوکر فن تجوید کے ماہر استاذ قاری محمد عمر تھانوی سے قراءت کی تکمیل کی، مکمل قرآن مجید ترتیلا وتدویرا وحدرا ان کو سنایا، اور تجوید کی تمام داخل نصاب کتب ان سے پڑھیں اور سند حاصل کی۔

اساتذۂ عظام کا مختصر تعارف

حضرت مولانا محبّ اللہ صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا محبّ اللہ صاحب بنگلہ دیش کے علمائے کبار میں سے تھے، جامعہ کے شیخ الادب والتفسیر مانے جاتے تھے، حضرت مفتی صاحب ان کے متعلق حضرت العلام جیسے الفاظ تحریر فرماتے ہیں، مفتی صاحب سے آخر تک خط وکتابت رہی، بڑے حوصلہ افزا خطوط آتے تھے، بہت ہی خوش تھے، اور خوب دعائیں دیتے تھے۔ [۱]

---

[۱]......راقم الحروف کا بنگلہ دیش سفر ہوا تو مرکز الاسلامی کے ایک استاذ سے مرحوم کے حالات پر بات ہوئی تو موصوف نے مختصر حالات تحریر فرما کر احقر کو عنایت فرمائے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہیں:

حضرت مولانا محبّ اللہ صاحب کا وطن بنگلہ دیش کا ایک مشہور ضلع نواکھالی (مدینۃ العلماء) کے تھانہ شین باغ میں بابوپور نامی گاؤں ہے۔ آپ اپنے ملک کے معزز اور دینی وعلمی خاندان کے فرد تھے۔ گجرات کے ایک دینی مدرسہ (جامعہ حسینیہ راندیر) میں قیام پذیر ہوکر علوم حاصل کئے، پھر اسی مدرسہ میں :۱۸/سال تک تدریس کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ کو ہر فن میں یدطولی حاصل تھا، خاص کر علم ادب اور فن مناظرہ میں امام مانے جاتے تھے۔ راندیر سے بنگلہ دیش واپسی کے بعد بھی تا حیات اشاعت سنت اور رد بدعات میں مشغول رہے۔ اپنے شہر سین باغ میں ایک عالیہ سرکاری مدرسہ میں

’’ فتاوی رحیمیہ‘‘ طبع ہوا تو حضرت مفتی صاحب نے ان کی خدمت میں فتاوی ارسال فرمائے’’ فتاوی رحیمیہ‘‘ دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے، اوراپنے تأثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

’’فتاویٰ رحیمیہ‘‘ کی ظاہری اور باطنی خوبیاں ملاحظہ کرکے دل باغ باغ ہوگیا، اور بے اختیار آپ کے لئے دربار خداوندی میں زبان سے دعاء جزاء خیر نکلی، اور آئندہ جلدوں کے لئے اشتیاق اور بڑھ گیا، خدا آپ کو اس دینی خدمت کے لئے حیات خضر عطا فرمائے، آمین۔فقط والسلام۔ بندہ محبّ اللہ غفرلہ...... بنگلہ دیش

مورخہ: ۲۹/جولائی ۱۹۷۴ء

ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں:

’’عزیز محترم فقیہ مکرم مفتی صاحب سلّمہٗ اللہ تعالی

بعد سلام مسنون! آپ کا جوڑ (جوابی) کارڈ موصول ہوا، بہت کچھ وساوس دور ہوئے فالحمد للہ’’ فتاویٰ رحیمیہ‘‘ (جلد چہارم) کے لئے ہمہ تن مشتاق رہتا ہوں، کیا طباعت تک

سپرنڈنٹ کی ذمہ دار بھی رہے۔ بنگلہ دیش کے سرکاری مدرسہ کی طرف سے آپ کو طلبہ کے امتحان کے پرچہ جات دیکھنے کے لئے بارہا منتخب کیا گیا۔ بنگلہ دیش کے اہل بدعت کے صدر مولانا عزیز الحق شیر بنگلہ چاٹگامی سے میلاد و قیام مروج کے موضوع پر مناظرہ بھی کیا، اس مناظرہ میں آپ کے معاون ڈابھیل جامعہ کے فاضل مولانا دریس صاحب بخاری رحمہ اللہ تھے، الحمد للہ آپ مناظرہ میں فاتح رہے۔ آپ کا ایک رسالہ بھی اس موضوع پر’’ ایقاظ النیام علی امر القیام‘‘ کے نام سے تھا جواب نایاب ہے۔ مولانا کے یہاں آپ کے علم وتقوی کی شہرت کی وجہ سے ہمیشہ اہل خواص وعوام کا ہجوم رہتا تھا۔ طویل عمر پائی، تین صاحبزادے ماشاء اللہ عالم ہوئے۔ اپنے آبائی وطن میں مدفون ہوئے۔ تاریخ وفات مل نہ سکی۔

(مولانا) ہارون بن مولانا ادریس صاحب بخاری

میری حیات طویل ہوگی؟ اگر زندگی میں فتاوی کا دیدار نصیب نہ ہوا تو حسرت رہ جائے گی، خدا آپ کو حیات خضر عطا فرمائے تاکہ اس شاندار دینی خدمت کو انجام دے سکیں۔ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ یہ سعادت نصیب نہیں کرتا، سوائے مخصوص لوگوں کے۔ خیر میرے لئے دعاء کریں کہ اللہ ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھائے، آمین۔ فقط طالب دعاء:

محبّ اللہ

سین باغ، نواکھالی، بنگلہ دیش

۲۶/اگست/۱۹۸۲ء

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

محترمی مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب: اطال الله بقاء کم و نفع المسلمین بحیا تکم

بعد سلام مسنون، آپ کا محبت نامہ مورخہ: ۲۰/مئی ۱۹۷۰ء اور مورخہ: ۲/جون ۱۹۷۰ء کو موصول ہوا، یادآوری کا شکریہ، مرسلہ ''فتاوی رحیمیہ'' کی ہر دو جلد از اول تا اخیر مطالعہ کیا، یوں تو اردو میں بہت سے فتاوی موجود ہیں، لیکن زیر نظر فتاوی میں جو خوبی ہے وہ دوسروں کو نصیب نہیں، اس میں ہر سوال کا جواب نہایت تحقیق کے ساتھ بڑی تفصیل سے دیا گیا، مسئلہ کے ہر پہلو پر بڑی خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی، اگرچہ سوال میں صرف ایک ہی پہلو کا ذکر ہے، لیکن جواب میں ہر ممکنہ صورت کو پیش کر کے نہایت وضاحت کے ساتھ مدلل جواب پیش کیا گیا، بعض جواب تو گویا ایک مستقل مضمون بن گئے، پاک پروردگار کی بارگاہ عالی میں دعا ہے کہ آپ کی اس گرانقدر خدمت کو قبولیت کا شرف بخشے اور مسلمانوں کو اس سے بیش از بیش مستفید فرما کر آپ کے لئے بخشائش کا ذریعہ بنائے۔

بندہ دعاء گو: محبّ اللہ

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب

۱۳۰۰ھ میں شاہجہانپور میں پیدا ہوئے، خواجہ حسن نام رکھا گیا، بعد میں کسی عارف کے مشورہ سے بدل کر مہدی حسن کیا گیا، بیس واسطوں سے آپ کا سلسلہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سے ملتا ہے، بارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہوئے، مدرسہ عین العلم شاہجہانپور میں نحو وصرف کی کتابیں حضرت مولانا شیخ عبد الحق صاحب (خلیفہ حضرت گنگوہی) ومفتی کفایت اللہ صاحب سے پڑھیں، جب مفتی صاحب مدرسہ امینیہ منتقل ہوئے تو آپ بھی ہمراہ آگئے اور امینیہ ہی سے: ۱۳۲۶ھ میں تکمیل کر کے فارغ ہوئے، پھر تدریس کی خدمت بھی کی ''بخاری'' اور ''ترمذی'' پڑھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند آکر حضرت شیخ الہند سے استفادہ فرمایا اور: ۱۳۲۸ھ میں فارغ ہوئے، گجرات کی قدیم درسگاہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں تیس سال تدریسی خدمات انجام دیں، اور گجرات وبمبئی کے علاقہ میں مفتیٔ اعظم کی حیثیت سے بھی افادۂ عام فرماتے رہے، ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور تقریباً بیس سال تک اس عظیم منصب پر فائز رہے، فتاوی میں آپ کی محنت وعرق ریزی اور شب وروز کا انہاک معروف اور زبان زد تھا، آپ کے زمانہ میں (۶۷ھ سے ۸۲ھ تک) ۱۳۳۷۵۲ رفتاوی دارالافتاء سے روانہ کئے گئے، ہند میں آپ کی بے نظیر مہارت فقہ حنفی میں مسلم تھی، حدیث اور فن اسماء الرجال پر بھی بڑی گہری نظر تھی، امام محمد رحمہ اللہ کی ''کتاب الحجۃ'' اور ''کتاب الآثار'' پر آپ کی تعلیقات قابل قدر سرمایۂ علمی ہیں، عربی تحریر پر بھی خوب قدرت تھی، ۱۳۸۸ھ میں انتقال فرمایا۔

فتاویٰ کے متعلق حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب کا شہادت نامہ:

''آپ کا مرسلہ ''فتاوی رحیمیہ'' مجلد پہنچا، پوری جلد کا مطالعہ نہ کرسکا، لیکن جستہ جستہ مقامات خصوصاً طویل جوابات کو بغور پڑھا، اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ فہم اور تلاش مسائل میں اور قوت عطا فرمائے، بہت محنت اور کاوش سے جوابات دیئے گئے ہیں، خصوصاً جوابات میں نقول معتبرہ پیش کیا ہے، بعض مختصر جوابات پر بھی نظر ڈالی جو اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں، جس کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجموعی حیثیت سے ''فتاوی رحیمیہ'' عوام ہی کے لئے نہیں بلکہ اہل علم کے لئے بھی بغیر محنت کے مفید ہے، اللہ تعالیٰ مقبول عام بنائے اور مجیب سلمہ کو اجر جزیل عطا کرے کہ مخلوق کی اعتقادی اور عملی زندگی کی اصلاح اور حنفی مذہب کی تائید وتقویت اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق کی ہے، نیز بعض مخالفین مذہب کے اعتراضات کے جوابات بھی باحسن وجوہ مدلل دیئے گئے ہیں، مسائل فقہیہ کو منقح کیا گیا ہے، نیز موقع محل پر احادیث صحیحہ کو بھی دلائل میں پیش کیا گیا ہے، الحاصل ''فتاوی رحیمیہ'' ہر اعتبار سے قابل اعتبار ہے، یہ چند سطریں بجبوری لکھی ہیں ورنہ میں اپنی جہالت اور ہیچ مدانی پر خود شرمسار ہوں، بھلا میں کہاں اور اہل علم کے فتاوی کی تقریظ کہاں: ع من آنم کہ من دانم

آخر میں پھر دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مؤلف فتاوی رحیمیہ کو اور زیادہ توفیق عطا فرمائے کہ مخلوق کی دینی خدمت کرتے رہیں، آمین۔ احقر الزمن السید: مہدی حسن کان اللہ لہ

خادم دار الافتاء دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب اجمیری رحمہ اللہ

آپ کا مختصر تذکرہ صاحب سوانح حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

استاذی المحترم حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن اجمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ

حسینیہ راندیر سورت گجرات میں حدیث، فقہ اور دیگر فنون کی کتابوں کے نہایت کامیاب مدرس تھے، بڑے محقق اور فنونات پر کافی گہری نظر اور بصیرت کے حامل تھے۔

حضرت الاستاذ نے ہر فن سے متعلق اردو زبان میں مختصر اور نہایت جامع رسالے تصنیف فرمائے ہیں، مثلاً: ''معین الفرائض، معین العقائد، معین الحکمت، معین المنطق'' ان میں ہر رسالہ اپنے مقصد میں نہایت مفید اور نفع بخش ہے، اور اپنے فن میں اتنا جامع اور محققانہ انداز پر سلیس عبارت میں لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی ان میں سے کسی رسالہ کو کسی ماہر فن سے پڑھ لے تو اسے اس فن کی اصطلاحات اور ضروری باتوں سے واقفیت حاصل ہو سکتی ہے، ہر فن کی اصطلاحات کی نہایت جامع مانع تعریف کی گئی ہے، اور حل طلب مضامین کو جدول و نقشوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے جس کی وجہ سے اس مضمون کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ (معین الفرائض)

حضرت مولانا محمد حسین صاحب راندیری رحمہ اللہ

آپ کی ولادت راندیر میں ہوئی، فارسی و ابتدائی عربی کی تعلیم اپنے والد محترم مولانا قاری اسماعیل صاحب سے حاصل کرنے کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا، اور ۱۳۳۳ھ میں سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت اقدس شیخ الہند کی خدمت میں رہ کر فیوض علمیہ و عملیہ سے مستفید ہوئے، فراغت کے کچھ عرصہ بعد اپنے بڑے بھائی مولانا حکیم ابراہیم صاحب اور حافظ احمد صاحب کی معیت میں ۱۳۳۵ھ مطابق: ۲۰/فروری ۱۹۱۷ء میں جامعہ حسینیہ محمدیہ عربیہ کی بنیاد ڈالی ''بخاری شریف'' بھی پڑھائی۔

تعلیم کے ساتھ آپ کی تبلیغی محنت بھی جاری رہی، قریہ قریہ سفر کر کے دعوت و تبلیغ کا

فریضہ بھی انجام دیا، آپ کا انداز بیان اتنا عمدہ تھا کہ دور دور سے لوگ حاضر ہوکر آپ کے وعظ و نصائح سے مستفید ہوتے، قلبی امراض و بخار کے شدید حملہ کے بعد: ۱۰؍رجب المرجب ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں بمقام راندیر وفات پائی، نماز جنازہ یادگار سلف حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب نے پڑھائی۔

حضرت مولانا احمد نور صاحب پشاوری رحمہ اللہ

آپ وسیع النظر محقق عالم تھے، دارالعلوم دیوبند، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، اوردارالعلوم اشرفیہ میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں، حضرت مفتی صاحب کے علاوہ علامہ ابراہیم بلیاوی، مولانا شاہ وصی اللہ صاحب، مولانا محمد سعید صاحب راندیری، مولانا احمد اللہ صاحب راندیری جیسے تلامذہ نے آپ سے اکتساب فیض کیا، مولانا محمد حسین صاحب کے زمانہ میں جامعہ کے شیخ الحدیث بنائے گئے، طویل عمر پائی، سورت میں انتقال فرمایا، چونکہ اخیر عمر سورت میں گذاری اس لئے چوک بازار جامع مسجد کے قریب قبرستان میں مدفون ہیں، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ

حقانیت اسلام کی دلیل، عدیم النظیر محدث، فقیہ اعظم، حضرت شیخ الہند کے خاص شاگرد، علم کا چلتا پھرتا کتب خانہ، مثالی حافظہ کے مالک، ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کرکے حضرت گنگوہی سے فیوض باطنی سے مستفیض ہوئے، فراغت کے بعد کچھ دنوں مدرسہ امینیہ دہلی میں رہ کر کشمیر تشریف لے گئے اور مدرسہ ''فیض عام'' قائم کیا، حضرت شیخ الہند نے جب سفر حجاز کا قصد فرمایا تو جانشینی کا فخر شاہ صاحب کو بخشا۔ ۱۲؍سال مسند صدارت پر جلوہ افروز رہے، بڑی تعداد میں طلبہ آپ سے مستفیض

ہوئے، وسعت نظر، قوت حافظہ، سرعت مطالعہ میں اپنے عہد میں بے مثال تھے، علمی ذوق غالب تھا، ردقادیانیت کا خاص اہتمام تھا، اوراس فتنے کواعظم الفتن شمار کرتے تھے، حضرت شیخ الہند کے ہم مسلک تھے، دیوبند کے بعد ڈابھیل کے مدرسہ کو جامعہ اسلامیہ بنادینا آپ کا عظیم کارنامہ ہے، پانچ سال تک وہاں درس حدیث کا مشغلہ رہا: ۳/صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں بعمر: ۶۰/سال دیوبند میں داعی اجل کو لبیک کہا ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نوٹ:......اساتذہ کا تذکرہ ختم ہوا۔

حضرت مفتی صاحب کی تدریسی خدمات

فراغت کے بعد استاذ مکرم مولانا محمد حسین صاحب کے حکم سے افتاء کے ساتھ چھ مہینے درجۂ تجوید کی خدمت انجام دی، دارالعلوم جامعہ حسینیہ میں حضرت استاذ کے اصرار کے باوجود آپ نے تنخواہ لینا منظور نہیں فرمایا، اور حسبۃً للہ اس خدمت کو اپنی سعادت مندی سمجھا

انجمن اسلام راندیر کے اراکین کی خواہش پر ان کے مدرسہ میں آٹھ سال تک تجوید اور حفظ قرآن کی خدمت کی، بڑی محنت اور خوش اسلوبی سے مفوضہ ذمہ داری ادا فرمائی، یہاں آپ کی محنت کے نتیجہ میں تین بچیوں (الحمدللہ ان میں سے دو بقید حیات ہیں ایک افریقہ میں اور ایک پاکستان میں) اور بارہ بچوں نے حفظ مکمل کیا، چند طلبہ نے تجوید و مشق میں اس طرح کمال حاصل کیا کہ اکثر دینی جلسوں میں قراءت سنانے میں وہ ممتاز تھے۔

پانچ سال تک ایم، ایم، پی [M,M,P] اسکول میں بھی تجوید کی خدمت کی۔

حضرت مفتی صاحب نے تعلیمی سلسلہ کو کبھی خانہ پُری یا ملازمت کی حیثیت نہیں دی،

بلکہ صرف رضائے الٰہی کے ساتھ دینی خدمت کے جذبہ سے کام کیا، یہی وجہ ہے کہ مدرسہ کا جو وقت مقرر تھا اس کے علاوہ وقت میں طلبہ پر پوری توجہ اور محنت فرماتے اور حتی الوسع اپنا قیمتی وقت ان کے لئے صرف فرماتے۔

فتویٰ نویسی کی ابتداء

فراغت کے آخری سالوں میں فتوی نویسی کا سلسلہ شروع ہوگیا، مولانا محمد حسین صاحب کی عادت تھی کہ جو فتاوی آتے وہ جواب کے لئے مفتی صاحب کے پاس بھیج دیتے، مفتی صاحب خوب تحقیق سے جوابات لکھ کر مولانا حسین صاحب کو بتاتے، وہ تصویب فرما کر مستفتی کے حوالہ فرماتے۔

درس قرآن

نماز فجر کے بعد ہجیرا مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ شروع ہوا، اور ساڑھے چار سال کے عرصہ میں قرآن کی تفسیر مکمل ہوئی، اطراف کی مساجد سے بھی لوگ شرکت کے لئے آتے تھے، حضرت بھی قرآن شریف کھولتے اور لوگ بھی کھول کر بیٹھ جاتے، آیت پڑھتے جاتے اور تفسیر کرتے جاتے، تفسیر نہ بہت طویل ہوتی نہ نہایت مختصر بلکہ معتدل ہوتے۔

یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ ان سعادت مند مصلیوں کو کیسے کیسے علوم سننے کو ملے ہوں گے، معلوم نہیں کسی نے اس کو محفوظ کیا یا نہیں؟ خدا کرے کہ محفوظ ہو اور قدر دان ہاتھوں میں پہنچے۔

مدرسہ شبینہ...... تعلیم بالغاں

حضرت مفتی صاحب کو جس طرح بچوں کی تعلیم کی فکر تھی اسی طرح یہ فکر بھی دامن گیر

رہتی تھی کہ بڑی عمر کے مصلی حضرات کی بھی تعلیم کا انتظام کیا جائے تا کہ وہ ضروری مسائل سے واقفیت کے ساتھ قرآن کریم کو صحیح پڑھنا سیکھیں، چنانچہ اخیری عمر میں تقریباً آج سے پندرہ سال پہلے بعد نماز عشاء تعلیمی سلسلہ شروع فرمایا، جس سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا، اور قرآن مجید تجوید کے ساتھ پڑھنا سیکھا۔

تلامذہ

مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر، مولانا قاری محمد نور گت، مولانا قاری احمد دیسائی، قاری ابراہیم ٹکلی، مولانا محمد شریف بخاری، مولانا محمد حنیف صاحب افریقی، قاری یعقوب ٹنکاروی، قاری رشید اجمیری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ [۱]

بیعت واصلاحی تعلق

حق تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو بچپن ہی سے صلاح وتقوی کی صفت سے متصف فرمایا تھا ؎

بالائے سرش زہوش مندی　　　می تافت ستارۂ بلندی

زمانۂ طالب علمی میں حضرت نے کیسی تقوی والی زندگی گذاری ہوگی کہ فراغت جب ہوئی تو رپورٹ میں استاذ المحترم حضرت مولانا محمد حسین صاحب نے تحریر فرمایا:

''مولوی سید حافظ عبدالرحیم لاجپوری: نہایت صالح اور ذہین طالب علم ہیں''

تاہم علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے کسی کامل سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کا ارادہ فرمایا تا کہ باطنی علوم کا حصہ بھی ملے، اور وہ ہے تزکیۂ نفس۔ نفس کی اصلاح کے بغیر نرا

[۱]......واضح رہے کہ اس عنوان کے تحت حضرت کے اکثر تلامذہ کا ذکر آ گیا ہے، بہت ممکن ہے کہ حضرت سے تلمذ حاصل کرنے والے اور بھی حضرات ہوں اور ان کا تذکرہ یہاں نہ آیا ہو۔

ظاہری علم بعض مرتبہ وبال بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی دعاء میں ’’اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع‘‘ کے ذریعہ امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ غیر نافع علم سے پناہ مانگنی چاہئے، اپنے نفس کی اصلاح کے لئے حضرت کی نظر انتخاب زمانہ کے مجدد اور کامل مصلح حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ [1] پر پڑی، چنانچہ آپ نے: ۱۳۵۰ھ میں بڑی مسجد راندیر کے متولی ومنتظم حاجی گلاب خان کے ساتھ جبکہ وہ تھانہ بھون تشریف لے جارہے تھے، ایک خط درخواست بیعت پر مشتمل ارسال فرمایا، اس پر حضرت نے جو جواب مرحمت فرمایا، اس سے حضرت مفتی صاحب کے مقام باطنی کا پتہ چلتا ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

---

[1]...... آپ چودہویں صدی کے مجدد، رومی عصر، رازی وقت، بے مثال مفسر، بے بدل عالم اور عارف باللہ تھے، ذکاوت وذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے، چار سال دارالعلوم دیوبند میں رہ کر ۱۲۹۹ھ میں فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد اولاً مدرسہ ’’فیض عام‘‘ کانپور میں عام فیض پہنچایا، پھر کانپور ہی کے مدرسہ ’’جامع العلوم‘‘ میں کامل العلوم نے مسند صدارت کو زینت بخشی۔ ۱۴؍سال کے بعد تھانہ بھون میں مقیم ہوکر: ۴۷؍سال تک تبلیغ دین، تزکیہ نفس، اور تصنیف وتالیف کی ایسی گراں قدر خدمات انجام دیں جس کی مثال اس دور کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی، دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ کی عظیم خدمات تقریری اور تصنیفی صورت میں نمایاں نہ ہو، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند سے شرف تلمذ حاصل تھا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے خلیفہ ومجاز تھے، شیخ کو آپ پر مکمل اعتماد تھا، فرماتے تھے ’’میاں اشرف علی! بس پورے پورے میرے طریق پر ہے‘‘ زندگی بڑی منظّم تھی، ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ ۱۲۹؍خلفاء چھوڑے۔ ۸۳؍سال کی عمر میں ۱۶؍رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء کی شب میں اس جہان فانی کو خیر باد کہا، تھانہ بھون میں مدفون ہیں۔

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور مے خانہ

حضرت تھانوی کا گرامی نامہ حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے نام

مولانا دامت برکاتکم السلام علیکم

خدمت سے عذر نہیں، مگر مخدومیت کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا، اور نفع اس پر موقوف بھی نہیں ہے، اصل چیز اتباع ہے احکام کا اور مشورہ کا، سو احکام ماشاء اللہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، اور مشورہ کے لئے میں حاضر ہوں، جب سے آپ فرمائیں، والسلام

دعا گو و دعا جو: اشرف علی

ایک مرتبہ حضرت تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون حاضری بھی دی، ایک رات خانقاہ میں قیام رہا یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت مفتی صاحب دہلی میں ہونے والے کانگریس کے تاریخی اجلاس میں تشریف لے گئے تھے۔ اجلاس سے فارغ ہونے کے بعد تھانہ بھون حاضری دی تھی۔

اس جگہ اس حقیقت کا اضافہ ناگزیر ہے کہ موصوف متولی صاحب نے حضرت تھانوی کی خدمت میں حضرت کا خط پیش کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت کے کچھ حالات زبانی بھی بیان فرمائے، نیز حضرت کے ایک خاص عمل کا تذکرہ حضرت تھانوی کی خدمت میں یوں کیا کہ ہمارے یہ امام صاحب رمضان میں اعتکاف کرتے ہیں، اس زمانہ میں اگر کوئی جنازہ آتا ہے تاکہ مسجد کے صحن میں اس کی نماز پڑھی جائے، اور ان کے علاوہ کوئی نماز پڑھانے والا نہیں ہوتا ہے تو یہ امام صاحب اعتکاف کی حالت میں جماعت خانہ کے بالکل کنارے آکر صفیں درست کرواتے ہیں اور جب نماز پڑھنے والے بالکل تیار ہوجاتے ہیں تو جلدی سے مسجد سے باہر صحن میں آکر نماز پڑھاتے ہیں اور سلام پھیرتے ہی فوراً اندر چلے جاتے ہیں، اس پر حضرت تھانوی نے فرمایا: ''ٹھیک کرتے ہیں''۔

نیز درخواست بیعت پر مشتمل حضرت کا خط پڑھ کر متولی صاحب سے یوں فرمایا:
''ایسے شخص کو کسی سے بیعت ہونے کی ضرورت ہی نہیں'' (کیونکہ بیعت کا مقصد تعلق مع اللہ کا حاصل کرنا ہے اور یہ چیز آپ کے امام صاحب کو پہلے ہی سے حاصل ہے) یہ بات جب حضرت مولانا محمد حسین صاحب بانیٔ جامعہ حسینیہ راندیر نے سنی تو حضرت مفتی صاحب سے فرمایا: ''تمہارے پاس تو ایسی سند ہے کہ ہمارے پاس بھی نہیں''۔

اس خط کے بعد اصلاحی تعلق کی کیا نوعیت رہی، خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا یا نہیں اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی، حضرت حکیم الامت کی وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت اقدس مدنی رحمہ اللہ سے بالمشافہہ بیعت ہوئے، جبکہ حضرت راندیر تشریف لائے تھے۔

بعد نماز مغرب حضرت مولانا اجمیری صاحب اور حضرت مفتی صاحب بیک وقت راندیر کی قوت الاسلام مسجد میں بیعت ہوئے، حضرت نے معمولات بتائے جب حضرت نے معمولات پورے کئے تو حضرت کو شدید تکلیف کا احساس ہوا، سر میں ایسا درد ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ دماغ پھٹ جائے گا، جب حضرت نے درد کی اطلاع حضرت مدنی کو دی تو حضرت نے فرمایا: آسانی سے جتنے معمولات ہوسکیں ان کو پورا کرلو، باقی چھوڑ دو۔ اس کے بعد راندیر کی امامت اور فتاوی کے کام کی مشغولی کی وجہ سے بار بار حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضری نہ دے سکے۔

حضرت خود فرماتے ہیں کہ: راندیر کی امامت (اس زمانہ میں) بڑا مشکل کام تھا، تھوڑی دیر کے لئے بھی ہٹنا مشکل تھا۔

حضرت شیخ الحدیث سے استفادہ

حضرت مدنی کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ

مرقدہ سے استفادہ فرمایا، حضرت فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت شیخ کی خانقاہ میں چند ساتھیوں کے ساتھ گیا تھا، تین روز قیام رہا، حضرت شیخ تراویح کے بعد ناشتہ کے موقع پر خصوصیت سے یاد فرماتے کہ مفتی عبدالرحیم صاحب اور ان کے ساتھی کہاں ہیں؟ ایک دن حضرت شیخ کی فرمائش پر خانقاہ میں فجر کی نماز بھی پڑھائی۔

نکاح واولاد

زمانۂ طالب علمی ہی میں حضرت کا نکاح حضرت مولانا قاضی سید عبدالحی صاحب لاجپوری کی صاحبزادی مسماۃ فاطمہ بیگم سے: ۲۷/رجب ۱۳۳۹ھ میں ہوا، جب آپ نے حفظ کی تکمیل کی تھی۔

اس وقت مولانا عبدالحی صاحب کا قیام ''گلاں'' (ایک گاؤں کا نام ہے) میں تھا، اس لئے بارات گلاں گئی، نکاح سے قبل راقم کے جد بزرگوار حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری نے بیان فرمایا۔ ان سے حضرت مفتی صاحب کے دو صاحبزادے سید ابراہیم اور سید عبداللہ پیدا ہوئے، اور ایک صاحبزادی بنام حلیمہ بی بی پیدا ہوئیں، حلیمہ بی بی کی تاریخ ولادت: ۱۴/شعبان ۱۳۴۶ھ ہے

بچہ کی موت پر صبر کا اجر وثواب

ترمذی و ابن حبان حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب کسی شخص کے بچے کا انتقال ہوجاتا ہے تو اللہ تعالی شانہ فرشتوں سے پوچھتے ہیں: کیا تم نے میرے بندہ کے بچے کی روح قبض کرلی؟ وہ جواب میں کہتے ہیں: جی ہاں، اللہ تعالی پوچھتے ہیں: تم نے اس کے دل کے ٹکڑے کی روح قبض کرلی؟ وہ کہتے ہیں: جی ہاں،

اللہ تعالی پوچھتے ہیں: میرے بندہ نے کیا کیا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے آپ کی حمد بیان کی اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بنادو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

دو بچوں کی وفات پر جنت کی بشارت

امام احمد اور ابن حبان حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

جس کے تین بچے مر جائیں اور وہ ان پر اجر کی امید رکھتے ہوئے صبر کرے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ راوی کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر دو مر جائیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: دو بھی۔

ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ اگر آپ لوگ ایک بچہ کے بارے میں پوچھتے تو آپ ﷺ ایک کے لئے بھی یہی فرماتے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا بھی یہی خیال ہے۔

امام مسلم اپنی ''صحیح'' میں ابو حسان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: میرے دو بچے وفات پاگئے، تو میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں کوئی حدیث سنی ہو تو اسے سنا کر مرنے والوں کی طرف سے ہمارے دلوں کو کچھ سکون پہنچائیں، انہوں نے فرمایا: جی ہاں، ارشاد ہے:

چھوٹے بچے جنت کے کیڑے ہیں، وہ اپنے باپ (یا، فرمایا: والدین) کے کپڑوں کا کنارہ یا ہاتھ پکڑ لیں گے، جیسے کہ میں نے تمہارے اس کپڑے کے کنارہ کو پکڑا ہے، اور پھر وہ اس وقت تک ان کو نہ چھوڑیں گے جب تک کہ اللہ تعالی ان کو اور ان کے والدین کو جنت

میں داخل نہ فرمادیں۔ (اسلام اور تربیت اولاد ص ۱۷ ج ۱)

احادیث مبارکہ کی ان بشارتوں کو پڑھئے، پھر حضرت مفتی صاحب کے دو بچوں کا حال ملاحظہ فرمائیے:

مفتی صاحب کے پہلے صاحبزادے سید ابراہیم: ۱۳۴۱ھ میں صبح کو پیدا ہوئے اور شام کو اللہ کو پیارے ہو گئے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

حضرت خسر صاحب تدریسی خدمات گلاں میں انجام دیتے تھے، اس وجہ سے نوساری سے عقد کے لئے وہاں جانا پڑا، عقد کے بعد مولانا نے مجھے اپنے پاس رکھ لیا، تقریباً میں وہاں ایک سال رہا، پھر بیماری کی وجہ سے نوساری آ گیا، میرے آنے کے بعد اہلیہ فاطمہ بیگم کو لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام سید ابراہیم رکھا، صبح پیدا ہوا اور شام کو اللہ کو پیارا ہو گیا، گلاں کے قبرستان میں مدفون ہے،

انا للہ وانا الیہ راجعون : اللّٰھم اجعلہ لنا فرطاً واجعلہ لنا اجراً وذخراً واجعلہ لنا شافعاً و مشفعا۔

دوسرا صاحبزادہ سید عبداللہ لاجپور میں مردہ پیدا ہوا، جس دن عارف باللہ حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب کی وفات ہوئی، ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ۔

صاحبزادہ سید ابراہیم کے متعلق حضرت مفتی صاحب نے ایک خواب دیکھا، اس میں گویا اس بشارت کے وقوع کا اشارہ بھی کر دیا گیا، وہ خود حضرت ہی کی زبانی سنئے:

صاحبزادے کے متعلق حضرت کا ایک خواب

صلحاء کا ایک بہت بڑا مجمع ہے، لوگ اوپر نیچے ہیں، سب کے سامنے چھیلے ہوئے آم رکھے ہیں، یہ آم جثہ (سائز) میں تروپے (کچے ناریل) کے برابر تھے، سارے آم یکساں

ہیں، مجھے اس مجمع میں نیچے سے اوپر لے جایا گیا، میرے ساتھ ایک بچہ بھی تھا میں نے اس کی انگلی پکڑی تھی یا اس نے میری (اچھی طرح یاد نہیں) ہم لوگ اوپر پہنچے وہاں نشستیں لگی ہوئی تھیں، ہم دونوں ان پر بیٹھ گئے، اور ارد گرد بہت سے لوگ اپنی اپنی جگہیں سنبھالے ہوئے بیٹھے ہیں، اور چھلے ہوئے آم سب کے سامنے رکھے ہیں، خواب ہی میں میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ میرا وہ لڑکا ہے جو میرے یہاں سب سے پہلے پیدا ہوا تھا، صبح کے وقت پیدائش ہوئی تھی اور اسی دن شام کو گذر گیا تھا، اس سے میرا ذہن خواب ہی میں اس حدیث شریف کی طرف منتقل ہوا جس میں ہے کہ جو اولاد بلوغ سے پہلے گذر جائے وہ قیامت کے دن اپنے والدین کے لئے سفارش کرے گی۔

بہرحال میں نے دیکھا کہ وہ لڑکا میرے بازو میں بیٹھا ہوا ہے، سامنے کی صف والوں میں سے کسی نے اس سے کہا: بیٹا! میرے پاس آ، میں نے لڑکا ان کے حوالہ کر دیا، انھوں نے اس کو تین مرتبہ بوسہ دیا پھر میرے حوالے کر دیا، آم میں نہیں کھا سکا۔ (خواب پورا ہوا) اس کی تعبیر میں نے یہ لی کہ وہ لوگ جو وہاں موجود تھے یہ وہ حضرات ہیں جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اور آم جنتی پھل ہے جو ان کے سامنے رکھا ہوا ہے، اور میں چونکہ ابھی دنیا سے رخصت نہیں ہوا تھا، اس لئے جنتی پھل نہیں کھا سکا۔

اہلیہ محترمہ کی وفات

رمضان شریف میں موت کی فضیلت: ......بعض ارباب فتوی نے لکھا ہے کہ رمضان میں وفات پانے والوں سے عذاب قبر مرتفع ہو جاتا ہے ''احسن الفتاوی'' میں ہے:

سوال...... ماہ رمضان میں مسلمان عاصی وفات پا جائے تو عذاب قبر قیامت تک اس سے معاف ہے یا صرف ماہ رمضان تک؟

الجواب......کافر سے صرف رمضان تک عذاب قبر مرتفع ہوتا ہے، اور مسلمان عاصی کو قیامت تک امن ہوجاتا ہے، غیر رمضان میں مرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے کہ کافر کو جمعہ کے دن اور رمضان میں عذاب نہیں ہوتا، اور عاصی مؤمن پر جب روز جمعہ یا رمضان آتا ہے تو اس سے قیامت تک عذاب مرتفع ہوجاتا۔ (ص ۱۹۷ ج ۴)

''خیر الفتاوی'' (ص ۱۰۶ ج ۳) میں ہے:

عذاب قبر کے معاف ہونے کی بشارت جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کے لئے آئی ہے، اور ایسے ہی رمضان میں مرنے والے کے لئے بھی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کا فتوی:

سوال:......اگر کوئی شخص رمضان شریف میں مرجائے تو اس سے حساب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو پورا حساب ہوگا؟ بعد رمضان یا بعد رمضان کچھ تخفیف کے ساتھ ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیا......امید ہے کہ بالکل حساب نہیں ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ ص ۹۰ ج ۱۱)

رمضان کی موت کی اس فضیلت کو حضرت کی اہلیہ نے پالیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو: ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ بروز شنبہ اس دار فانی سے اُٹھالیا، گویا نو سال حضرت کی معیت میں رہی، **اللھم اغفرھا و سکنھا فی الجنۃ۔** [۱]

---

[۱]......حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کی موت رمضان المبارک میں ہو وہ جنت میں داخل ہوگا، جس کی موت عرفہ کے دن ہوجائے وہ جنت میں داخل ہوگا، جس کی موت صدقہ کے موقعہ پر (یعنی صدقہ خیرات کے بعد ہو) وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(ابونعیم شرح الصدور ص ۳۱۴۔ شمائل کبری ص ۲۴۶، جلد دہم، مطبوعہ: زمزم پبلیشرز، کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ماہ رمضان میں مرنے والوں سے عذاب قبر اٹھالیا جاتا ہے۔ (شمائل کبری ص ۲۶۱، جلد دہم)

جس مرد نے کئی شادیاں کیں تو جنت میں کونسی بیوی ملے گی

حضرت مفتی صاحب نے تین نکاح فرمائے جیسا کہ آگے آرہا ہے، اب جنت میں جس مرد کی کئی بیویاں ہوں تو کونسی عورت اس کو ملے گی؟ اس کے متعلق حضرت مفتی صاحب نے ایک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر یہ نکالی کہ مجھے جنت میں یہ پہلی اہلیہ ملے گی، وہ خواب یہ ہے:

حضرت کا ایک خواب

صالحین کا ایک مختصر مجمع ہے، مجھ سے کہا گیا کہ: آپ کی نکاح خوانی ہوگی، بہت سے رشتہ دار جمع تھے، مجھے تخت یا گدے پر بٹھایا گیا، میں تنہا اس پر بیٹھا، مجھے کسی نے بتایا کہ آپ کے رہنے کی جگہ اس کے پیچھے ہے، اور اس مکان کی بہت تعریف کی کہ ایسا عالیشان ہے، ایسا خوبصورت ہے، میں یہ سب کچھ خاموشی سے سنتا رہا، میں چونکہ دولہا تھا، اس لئے بہت لحاظ سے بیٹھا تھا، اسی دوران ایک گوشہ پر میری نظر پڑی وہاں ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھیں اس پر ایک نظر گئی میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں بڑی ہیں، اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ میری پہلی اہلیہ ہیں، اس کی تعبیر میں نے یہ لی کہ جنت میں مجھے یہ (پہلی بیوی) ملے گی۔

ویسے حضرت مفتی محمود حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

جس مرد نے کئی عورتیں دنیا میں کی ہیں وہ سب اس کو ملیں گی۔ (فتاوی محمودیہ ص ۲۹۹ ج ۵)

صاحبزادی حلیمہ بی بی کا عقد نکاح مولانا سید قاضی الدین صاحب سے ہوا، موصوف دارالعلوم اشرفیہ کے اساتذہ میں سے تھے۔ ۵۱/سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۹ء میں انتقال ہوا، راندیر میں مدفون ہیں۔

حضرت کے اسفار حج وعمرہ......نماز جمعہ کے لئے اذن عام کی شرط

حق تعالی نے حضرت مفتی صاحب کو تین مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف فرمایا، پہلی مرتبہ: ۱۹۶۲ء میں بذریعہ بحری جہاز جانا ہوا، اس سفر میں آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید عبدالکریم صاحب اور ہمشیرہ ساتھ تھیں، بمبئی سے جہاز آٹھ دس دن میں جدہ پہنچا۔

حضرت کا یہ سفر بروز جمعہ شروع ہوا، حجاج جہاز میں بیٹھ گئے مگر جہاز ابھی بمبئی کے کسٹم (گودی) میں کھڑا ہے، اور جمعہ کا پیش مسئلہ آیا، بعض اہل علم نے جمعہ کی تیاری شروع کردی، وقت مقررہ پر حضرت کو اطلاع کی گئی، حضرت نے فرمایا: جہاز میں نماز جمعہ نہیں، کیونکہ اذن عام کی شرط مفقود ہے، چنانچہ تمام حضرات نے ظہر کی نماز پڑھی اور حضرت مفتی صاحب کے جواب سے متعجب ہوئے اور آپ کی فقہی بصیرت پر حیرت زدہ بھی ہوئے۔

نوٹ:......حضرت کے ''فتاوی رحیمیہ'' میں یہ فتوی شائع ہوا ہے کہ جہاز جب تک بمبئی کی گودی میں کھڑا ہو تو اذن عام نہ ہونے کی وجہ وہاں جمعہ صحیح نہیں۔ (ص ۵۹ ج ۳)

اس پر ایک اہل علم نے اشکال کیا وہ اشکال اور حضرت کا جواب (ج ۵ ص ۴۸) قابل دید ہے، اہل علم اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا سفرنامۂ یمن شائع ہوا، اس میں حضرت نے دبئ ائیر پورٹ پر نماز جمعہ پڑھنے کا تذکرہ فرمایا، چونکہ وہاں بھی ''اذن عام'' کی شرط مفقود ہے، اس لئے راقم نے حضرت کی خدمت میں درخواست کی کہ ''فتاوی رحیمیہ'' میں ایسی جگہ پر نماز جمعہ کے عدم صحت کی صراحت موجود ہے، آپ اسے ملاحظہ فرما کر مسئلہ کی وضاحت فرمادیں، چنانچہ حضرت نے دوسرے شمارہ میں ایک تفصیلی

فتوی بعنوان ''جیلوں، چھاؤنیوں اور ائیر پورٹ پر نماز جمعہ'' شائع فرمایا، اہل علم کے لئے اسے حاشیہ میں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں: مرغوب احمد

لے...... سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ جیل خانوں میں قیدی نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلے میں متضاد باتیں سامنے آئی ہیں، اس لئے مسئلے کی تفصیلی وضاحت مطلوب ہے۔ بینو و توجروا

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب...... جیل میں جمعہ کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں فقہاء متقدمین کی کتابوں میں کوئی صریح جزئیہ مذکور نہیں، اسی بنا پر اس مسئلے میں علماء عصر کے فتوے بھی مختلف رہے۔

اصل اشکال کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء حنفیہ نے جمعہ کے جواز کی شرائط میں ''اذن عام' کو بھی ذکر فرمایا ہے، اور چونکہ ''جیل'' میں داخلے کا اذن عام نہیں ہوتا، اس لئے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جمعہ جائز نہیں..... ہمارے زمانے میں یہ مسئلہ صرف جیل کا نہیں، بلکہ ان تمام فوجی چھاؤنیوں، صنعتی آبادیوں اور ائیر پورٹوں کا بھی ہے جہاں عام لوگوں کو داخلے کی اجازت نہیں ہوتی، اس لئے تحقیق ضروری ہے کہ ''اذن عام'' کی شرط کس درجے کی ہے؟ اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ ''اذن عام'' کی شرط اس وقت تھی جب پورے شہر میں جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی کا جمعہ فوت نہ ہو، لیکن جب ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوا اور عملاً متعدد جگہوں پر جمعہ ہونے لگا تو اب چونکہ اس بات کا اندیشہ نہیں رہا کہ ''اذن عام'' کی عدم موجودگی کی وجہ سے کسی کا جمعہ فوت ہو جائے گا، اس لئے اب یہ شرط باقی نہیں رہی۔ یہ حضرات دلیل میں علامہ شامی رحمہ اللہ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتے ہیں:

وكذا السلطان اذا اراد أن يصلى بحشمه فى داره ' فان فتح بابه واذن للناس اذنا عاما جاز صلاته شهدتها العامة أو لا ، وان لم يفتح ابواب الدار أوغلق الابواب واجلس البوابين ليمنع عن الدخول لم تجز ' لان اشتراط السلطان لتحرز تفويتها على الناس وذا لا يحصل الا بالاذن العام اه قلت : وينبغى ان يكون محل النزاع ما اذا كانت لا تقام الا فى محل واحد ، اما لو تعددت فلا ، لانه لا يتحقق التفويت كما افاده التعليل ، تأمل۔ (شامی ص۱۵۲ ج۲)

لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر ''اذن عام'' کی شرط کی وجہ سے صرف تفویت جمعہ کا خوف ہوتو

جس شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ ہوتا ہو وہاں اگر کوئی شخص اپنے ذاتی گھر میں دروازہ بند کر کے جمعہ کی جماعت کرلے تو وہ بھی جائز ہونا چاہئے.......اور یہ کہ جب سے تعدد جمعہ کا رواج ہوا ہے اس وقت سے ''اذن عام'' کی شرط کو کتب فقہ سے بالکل خارج ہو جانا چاہئے تھا..... یا اگر یہ شرط مذکور ہوتی تو ساتھ ہی یہ تصریح بھی ذکر کرنی چاہئے تھی کہ اب یہ شرط واجب العمل نہیں........حالانکہ فقہاء تعدد جمعہ کے رواج کے باوجود اس شرط کو ذکر کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ اشکال خاصا قوی ہے، لیکن کتب فقہ کی مراجعت کے بعد جو صورت حال نظر آتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱)......اذن عام کی شرط ظاہر الروایۃ میں موجود نہیں، چنانچہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وذکر فی النوادر شرطا آخر لم یذکرہ فی ظاهر الروایة ' وهو اداء الجمعة بطریق الاشتهار حتی ان امیرا لو جمع جیشه فی الحصن واغلق الابواب وصلی بهم الجمعة لا تجزلهم۔

(بدائع الصنائع ص۲۷۹ ج۱)

چنانچہ صاحب ہدایہ نے بھی ''اذن عام'' کی شرط ذکر نہیں فرمائی، اسی طرح متعدد فقہاء نے اس شرط کو ذکر نہیں کیا، جن میں شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ کے استاذ علامہ سُغدی رحمہ اللہ بھی داخل ہیں۔

(ملاحظہ ہو: النتف فی الفتاوی ص۹۰ ج۱)

(۲)......نوادر کی اس روایت کے مطابق فقہاء متأخرین نے یہ شرط اپنی کتابوں میں ذکر فرمائی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''اذن عام'' کے مفہوم میں فقہاء کرام کا کچھ اختلاف رہا ہے، بعض حضرات نے تو اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ شخص جس پر جمعہ فرض ہوا سے اس مقام پر آنے کی اجازت ضروری ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ برجندی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں:

ای ان یأذن للناس اذنا عاما لا یمنع احدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذی تصلی ' وهذا مراد من فسر الاذن العام بالاشتهار۔ (شامی ص۱۵۱ ج۲)

دوسری طرف بعض حضرات فقہاء کرام کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''اذن عام'' کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جس آبادی میں جمعہ پڑھا جا رہا ہے اس آبادی کے لوگوں کو وہاں آنے کی پوری اجازت ہو، خواہ باہر کے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو، چنانچہ علامہ بحر العلوم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وفی فتح القدیر: ان اغلق باب المدینة لم یجز ' وفیه تأمل ' فانه لاینافی الاذن العام لمن فی

البلد ، واما من فی خارج البلد فالظاهر انهم لا یجیئون لاقامة الجمعة ، بل ربما یجیئون للشر و الفساد۔(رسائل الارکان ص ۱۱۵)

نیز ''درمختار'' میں کہا گیا ہے کہ:

فلا یضر غلی باب القلعة لعدو أو لعادة قدیمة ، لان '' الاذن العام '' مقدر لاهله وغلقه لمنع العدو لا المصلی ، نعم لو لم یغلق لکان احسن کما فی مجمع الانهر۔(الدر المختار ص ۱۵۲ ج ۲)

''مجمع الانهر'' میں ہے:

وما یقع فی بعض القلاع من غلق ابوابه خوفا من الاعداء أو کانت له عادة قدیمة عند حضور الوقت فلا بأس به ، لان'' الاذن العام '' مقدر لاهله ، ولکن لو لم یکن لکان احسن کما فی شرح عیون المذاهب.....وفی البحر والمنح خلافه ، لکن ما قدرناه اولی ، لان الاذن العام یحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع ، ولا مدخل فی غلق باب القلعة وفتحه ، ولان غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غیره تدبر۔(ص ۲۴۶ ج ۱/بیروت)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات فقہاء کرام نے ''اذن عام'' کی شرط کو تفویت جمعہ کے خوف پر مبنی قرار دیا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ ''اذن عام'' کا پہلا عام مفہوم اس علت کے ساتھ معلول تھا جو تعدد جمعہ کی صورت میں باقی نہیں رہا......لیکن دوسرا مفہوم اب بھی باقی ہے، کیونکہ وہ اس علت پر مبنی نہیں تھا، بلکہ بقول صاحب بدائع ''اذا نودی للصلاة من یوم الجمعة ، الخ'' کے اشارہ پر مبنی تھا، چنانچہ علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قلت : اطلعت علی رسالة للعلامة ابن الشحنة ، وقد قال فیها بعدم صحة الجمعة فی قلعة القاهرة ، لانها تقفل وقت صلاة الجمعة ولیست مصرا علی حدتها ، واقول فی المنع نظر ظاهر لان وجه القول بعدم صحة صلاة الامام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة ، والعلة مفقودة فی هذه القضیة ، فان القلعة وان قفلت لم یختص الحاکم فیها بالجمعة ، لان عند باب القلعة عدة جوامع فی کل منها خطبة لا یفوت من منع من دخول القلعة الجمعة ، بل لو بقیت القلعة مفتوحة لا یدغب فی طلوعها للجمعة لوجودها فیما هو اسهل من التکلف بالصعود لها ، وفی کل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها۔

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۲۷۸ قدیمی کتب خانہ)

اگرچہ علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے اس کے تحت علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کی اس بات پر اعتراض فرمایا ہے، لیکن علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کا مقصد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعدد جمعہ کی صورت میں ''اذن عام'' کا وہ عام مفہوم لینے کی ضرورت نہیں جس کے تحت ہر وہ شخص جس پر جمعہ واجب ہو اس کو وہاں آنے کی اجازت ہو، بلکہ اگر کوئی ایسی آبادی موجود ہو جس میں گھروں کی یا رہنے والوں کی قابل لحاظ تعداد موجود ہو اور اس آبادی کے تمام لوگوں کو وہاں جمعہ کے لئے آنے کی اجازت ہو تو یہ بات ''اذن عام'' کے تحقق کے لئے کافی ہے، بشرطیکہ اس آبادی کے باہر کے لوگوں کو آنے سے ممانعت کرنے کی وجہ نماز سے روکنا نہ ہو، بلکہ کسی دفاعی یا انتظامی وجہ سے مجرد داخلے سے روکنا ہو۔ اگر علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ مفہوم لیا جائے تو اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جو علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے وارد فرمایا ہے،

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تعدد جمعہ کی صورت میں ''اذن عام'' کی شرط فقہاء حنفیہ کے نزدیک بالکلیہ ختم تو نہیں ہوئی، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس آبادی میں (نہ کہ کسی انفرادی گھر میں) جمعہ پڑھا جا رہا ہے اس آبادی کے لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت ہو، اگر آبادی سے باہر کے لوگوں کو دفاع یا انتظام کے پیش نظر اس آبادی میں داخلے سے روکا گیا ہو تو یہ ''اذن عام'' کے منافی نہیں، بشرطیکہ روکنے کا اصل محرک نماز سے روکنا نہ ہو، بلکہ کوئی دفاعی یا انتظامی ضرورت ہو، اور اس آبادی سے باہر کے لوگ اس پابندی کی بنا پر جمعہ سے محروم نہ ہوتے ہوں۔ اس پر صرف ایک اشکال باقی رہتا ہے، وہ یہ کہ فقہاء کرام نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ مسجونین کے لئے جمعہ کے دن اپنی علیحدہ ظہر کی جماعت کرنا مکروہ ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۵ ج ۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجونین کے لئے جمعہ جائز نہیں، ورنہ ان کو ظہر کی جماعت کی حاجت ہی نہ ہوتی، لیکن اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ علامہ شامی اور علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ کی عبارتوں کی روشنی میں یہ حکم اس دور کا ہے جب جمعہ ایک ہی جگہ سلطان کی قیادت میں ہوتا تھا، اور سلطان کی طرف سے دوسری جگہ اقامت جمعہ کی اجازت نہیں ہوتی تھی..... اس کے علاوہ قید خانے بھی مختلف نوعیّتوں کے ہوتے تھے، ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ قید خانہ ہو جو کسی ایک ہی گھر یا ایک ہی احاطے پر مشتمل ہو، اور اس پر کسی مستقل آبادی کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو۔ ایک اور اشکال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''بدائع'' میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ:

السلطان اذا صلی فی فهندرة والقوم مع امراء السلطان فی المسجد الجامع قال : ان فتح باب داره واذن للعامة بالدخول فی فهندرة جاز ' وتكون الصلاة فی موضعين ولو لم ياذن للعامة وصلی

مع جیشه لا تجوز صلاۃ السلطان وجوز صلاۃ العامة۔(بدائع الصنائع ص۲۶۹ج۱)

یہ مسئلہ تعدد جمعہ ہی کی صورت میں مفروض ہے، اس کے باوجود سلطان کے ''اذن عام'' نہ دینے کی صورت میں نماز جمعہ کو غیر منعقد قرار دیا گیا ہے، لیکن بظاہر اس صورت سے مراد یہ ہے کہ سلطان اپنے محل میں صرف اپنے لشکریوں اور سپاہیوں کے ساتھ نماز پڑھ لے، اور باقی لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت نہ ہو، چنانچہ مذکورہ عبارت میں " ان فتح باب داره " الخ کا لفظ اس پر دلالت کررہا ہے، لہذا یہاں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ سلطان کا محل اس کی انفرادی جگہ ہے، اور پیچھے گذر چکا ہے کہ انفرادی مقامات پر اس وقت تک جمعہ جائز نہیں ہوتا جب تک اسے عام لوگوں کے لئے کھول نہ دیا گیا ہو، لیکن اگر کوئی ایسی آبادی ہے جس میں معتد بہ لوگ رہتے ہیں تو اس کو اس جزئیہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

(۱)......اگر کسی شہر میں جمعہ کی اجازت حاکم کی طرف سے صرف ایک جگہ پڑھنے کی ہو تو جمعہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ ہر وہ شخص جس پر جمعہ فرض ہے اس کو وہاں آکر جمعہ پڑھنے کی عام اجازت ہو، ایسی عام اجازت کے بغیر جمعہ صحیح نہیں ہوگا۔

(۲)......اسی طرح اگر کسی کا کوئی انفرادی گھر، محل یا دوکان ہو تو اس میں بھی جمعہ پڑھنا اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک اس گھر، محل یا دوکان میں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیدی گئی ہو، خواہ شہر میں دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو۔

(۳)......اگر کوئی آبادی ایسی ہے جس میں معتد بہ لوگ رہتے ہیں اور وہ شہر کے اندر بھی ہے، لیکن دفاعی انتظامی یا حفاظتی وجوہ سے اس آبادی میں ہر شخص کو آنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ وہاں کا داخلہ ان وجوہ کی بنا پر کچھ خاص قواعد کا پابند ہے تو اس آبادی کے کسی حصے میں ایسی جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے جہاں اس آبادی کے افراد کو آکر جمعہ پڑھنے کی اجازت ہو، مثلاً: بڑی جیل، فوجی چھاؤنی، بڑی فیکٹریاں، ایسے بڑے ائیر پورٹ جو شہر کے اندر ہوں اور ان میں سینکڑوں لوگ ہر وقت موجود ہوں، لیکن ان میں داخلہ کی اجازت مخصوص قواعد کی پابند ہو تو ان تمام جگہوں پر جمعہ جائز ہوگا، بشرطیکہ وہ شہر میں واقع ہو اور بڑی فیکٹری، ائیر پورٹ یا ریلوے اسٹیشن کے تمام افراد کو نماز کی جگہ آکر نماز جمعہ پڑھنے کی کھلی اجازت ہو، واللہ سبحانہ اعلم۔

احقر محمد تقی عثمانی

۱۴۲۲/۵/۲۲ھ

سفر حج میں تلبیہ کی کثرت

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا کہ حاجی کی کیا شان ہونی چاہیئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بکھرے بالوں والا میلا کچیلا ہو، پھر دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ: حج کونسا افضل ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جس میں خوب (لبیک کے ساتھ) چلانا ہو، اور خوب (قربانی کا خون) بہانا ہو۔

اس حدیث کی تشریح میں حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں:

دوسرا مضمون لبیک کا آواز سے پڑھنا، یہ بھی کثرت سے روایات میں وارد ہوا ہے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ: اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ: تم اپنے ساتھیوں کو اس کا حکم کرو کہ لبیک پکار کر کہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خود حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ: آپ لبیک پکار کر کہیں کہ یہ حج کا شعار ہے۔ (کنز)

پہلی فصل کی حدیث نمبر: ۶ / میں گذر چکا ہے کہ: جب آدمی لبیک کہتا ہے تو اس کے ساتھ ہر پتھر اور درخت اور زمین بھی لبیک کہتی ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام لبیک کہتے تھے تو حق تعالی شانہ کی طرف سے لبیک یا موسی جواب میں ارشاد ہوتا تھا۔ (فضائل حج ص ۵۷، فصل: ۵، حدیث نمبر: ۳)

''ابن ماجہ'' کی ایک روایت میں ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: محرم (احرام باندھنے والا) اللہ کے لئے دن میں

قربانی کرتا ہے اور شام میں تلبیہ پڑھتا ہے حتی کہ آفتاب غروب ہوجائے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک واپس ہوتا ہے جیسا کہ آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا ہو۔(برکات اعمال ص۱۱۲)

افسوس آج حجاج کی کثرت فضائل تلبیہ سے محروم نظر آتی ہے، تلبیہ کا رواج کم ہوتا جارہا ہے، حالت احرام میں بھی واہی تباہی اور لایعنی کی عادت پیچھا نہیں چھوڑتی، حضرت مفتی صاحب جس وقت حج کے لئے تشریف لے گئے وہ آج سے: ۳۸؍سال پہلے کا زمانہ تھا، جہاز ہی میں لبیک کی کثرت سنائی دیتی تھی، حضرت خود فرماتے ہیں:''وہ منظر بھی یاد ہے کہ جہاز میں لبیک لبیک کی گونج تھی''۔

مکہ معظّمہ میں حضرت کی رہائش

مکہ مکرمہ میں حضرت کے معلم خوگیر کی ہمشیرہ کا مسفلہ میں ایک مکان تھا وہ کرایہ پر لے لیا

رونے کی کثرت

اسلاف کے واقعات سفر حج میں کثرت بکا کے متعدد کتابوں میں لکھے گئے ہیں، حضرت شیخ نے''فضائل حج''میں بھی کئی واقعات تحریر فرمائے ہیں، حضرت مفتی صاحب پر بھی اس سفر میں بڑا گریہ طاری ہوا، فرماتے ہیں:''پہلے سفر میں تو رونا ہی بہت آیا کہ اتنا بڑا دربار! میں کہاں اس قابل تھا''۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

اشہر حج میں آفاقی کا حج سے قبل نفل عمرہ کرنا اور حضرت کا عمل

اشہر حج میں آفاقی حج سے پہلے نفل عمرہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں مختلف فیہ ہے، دونوں طرف دلائل ہیں، حضرت مفتی صاحب جواز کے قائل ہیں، بلکہ آپ کا عمل

بھی یہی رہا ہے، اس مسئلہ کی تفصیل ''فتاوی رحیمیہ'' (ص ۳۹۸ ج ۶۔ اور ص ۲۷ ج ۲) میں ہے۔

مقامات متبرکہ کی زیارت

اس سفر میں حضرت نے تمام مقامات متبرکہ کی زیارت فرمائی، باوجودیکہ آپ کی عمر اس وقت: ۶۰ سال کی تھی جبل ثور پر بھی تشریف لے گئے، جس کی اونچائی ۷۵۹ میٹر ہے،

جبل ثور

یہ پہاڑ: ۷۵۹ میٹر اونچا ہے، اور حرم سے تقریبا: ۴ کلومیٹر دور ہے، اس کی چوٹی پر غار ثور ہے، جہاں نبی کریم ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہجرت کے وقت تین شب روپوش رہے تھے۔ اس کے قریب ثور بن عبد مناف نے اقامت اختیار کی تھی جس کے باعث پہاڑ کا نام ثور مشہور ہوگیا۔

غار ثور کی لمبائی (۶×۱۳) فٹ یعنی: ۴ میٹر سے کچھ زائد، جبکہ اس کا منھ (۹×۳) لمبا تھا، اور منھ کی چوڑائی صرف: ۹ انچ تھی، لوگوں کے بکثرت داخل ہونے اور نکلنے کے باعث اس وقت منھ تقریباً ایک میٹر کشادہ ہو چکا ہے۔ (تاریخ مکۃ المکرّمۃ ص ۳۶۲ ج ۱)

قرآن پاک کی آیت ﴿ ثانی اثنین اذ هما فی الغار ﴾ میں اس غار کا ذکر ہے۔

غار حرا

مکہ مکرمہ سے منی جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر ''جبل حراء'' واقع ہے، اسے ''جبل نور'' بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہیں سے انوار نبوت کا ظہور ہوا تھا، اس کی چوٹی پر ''غار حرا'' واقع ہے، جہاں نبوت سے پہلے نبی کریم ﷺ مدتوں عبادت کرتے رہے، اور اسی میں نزول وحی کا

آغاز ہوا، حرم سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ (تاریخ مکۃ المکرّمۃ ص ۳۶۴ ج ۱)

حضرت مفتی صاحب غار حرا میں کس طرح داخل ہوئے اس کی کیفیت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''کسی بزرگ نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ غار حرا میں اس طرح داخل ہونا ہوتا ہے کہ ایک پتھر سے اپنا سینہ مس ہوتا ہے، آنحضرت ﷺ بھی اسی طرح داخل ہوتے تھے، یہ پتھر مبارک آپ کے سینۂ اطہر سے مس ہوتا تھا، ہم لوگ گئے تو واقعۃً یہی بات تھی، ہمارا سینہ بھی اس مبارک پتھر سے مس ہوا، وہاں پہنچ کر اسی جگہ جہاں حضرت ﷺ رہا کرتے تھے نماز پڑھی، تسبیحات پڑھیں، تلاوت کی گھنٹہ بھر قیام رہا''۔

دوسرا سفر حج اور رہائش میں مجاہدہ

حضرت کا دوسرا سفر حج: ۱۹۶۹ء میں ہوا، یہ حج بدل تھا، اس سفر میں آپ تنہا تھے، یہ سفر بھی بحری جہاز سے ہوا، اس سفر میں حج تک رہائش میں تکلیف اٹھانی پڑی، وجہ یہ ہوئی کہ جہاز تاخیر سے پہنچا، قیام انڈیا ہاؤس میں پہلے سے طے تھا، وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ قیام گاہ پوری بھر چکی ہے، معلم کے آدمی ابراہیم بھروچی نے بتلایا کہ یہاں بالکل جگہ نہیں، اگر آپ کو ٹھیرنا ہو تو غسل خانہ میں جگہ خالی ہے، اور وہ کشادہ ہے تین آدمی اس میں سما سکتے ہیں، وہ حضرت سے متعارف نہ تھا، چنانچہ حضرت ایک اور آدمی کے ساتھ غسل خانہ میں رہنے کے لئے تیار ہو گئے، اور حج تک وہیں قیام فرمایا، حضرت کی سادگی و تواضع کا اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ہم میں سے کوئی ہوتا تو اسی وقت جدال تک نوبت آجاتی، مگر اہل اللہ کے سامنے ہر وقت استحضار خداوندی رہتا ہے، اور قرآن کریم کا یہ ارشاد وہ کیسے بھول سکتے ہیں: ﴿ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج ﴾۔

معلم سے حضرت کا مزاح

حج سے واپسی پر حضرت نے معلم سے بطور مزاح فرمایا کہ: بھائی! اب تک تو میں اسی لائق تھا کہ غسل خانہ میں ٹھہرایا جاؤں، مگر اب تو عرفات جا کر آیا ہوں (گناہوں سے) پاک ہو کر آیا ہوں، اس لئے اب تو کوئی اچھی جگہ کا انتظام کرو۔

اس بات سے معلم کو معلوم ہوا کہ اب تک حضرت کو غسل خانہ میں ٹھہرایا ہے، تو اس نے اپنے آدمی کو بلا کر خوب ڈانٹا کہ کمبخت تو ان کو پہچانتا ہے؟ یہ کون ہیں؟ تو نے انہیں غسل خانہ میں ٹھہرایا، اس کے بعد معلم نے ایک عمدہ عمارت میں کمرہ دیا۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ سے ملاقات

نئی قیام گاہ کے بالکل سامنے حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ قیام فرما تھے، چنانچہ اکثر ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، ویسے حضرت مولانا بنوری سے ملاقات کا یہ پہلا اتفاق نہیں تھا، جس زمانہ میں حضرت کا قیام ڈابھیل میں تھا اس زمانہ میں زیارت وملاقات کے لئے ڈابھیل تشریف لیجانے کا حضرت کا معمول تھا، جب حضرت بنوری کا پاکستان جانا طے ہو گیا اور ڈابھیل میں روانگی سے پہلے کا جو جمعہ تھا، اور حضرت غسل کی تیاری فرما رہے تھے تو حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا: حضرت! ہم تو آپ کو مبارکباد نہیں دیں گے، حضرت بنوری نے دریافت فرمایا: کیوں؟ تو حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا: اس لئے کہ ہم آپ کے پاکستان تشریف لے جانے سے خوش نہیں ہیں، حضرت بنوری نے فرمایا: کیوں؟ عرض کیا اس لئے کہ ہندوستان میں آپ کی ضرورت زیادہ ہے، پاکستان میں تو اچھے اچھے علماء موجود ہیں، اور بہت سے جا بھی رہے ہیں، اگر آپ بھی وہاں چلے گئے تو ہمارا کیا ہوگا؟ حضرت نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ (من جملہ ملفوظات حضرت مفتیٔ گجرات)

زمزم کے کنویں سے خود پانی کا بھرنا

حدیث میں آتا ہے کہ: حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر زمزم کا پانی خوب پیا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ: میرا دل چاہتا ہے کہ خود ڈول بھر کر پیوں، مگر پھر سب لوگ خود بھرنے لگیں گے اس لئے نہیں بھرتا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ: آپ ﷺ نے خود بھرا، ممکن ہے کہ کسی وقت خود بھرا ہو اور دوسرے وقت مجمع کی وجہ سے یہ عذر فرمایا ہو۔ (فضائل حج ص ۱۰۸ / فصل ۶ حدیث نمبر: ۹)

اسی سفر میں مفتی صاحب کو اس سنت کی ادئیگی کا موقع مل گیا، وجہ یہ ہوئی کہ کنویں کے محافظ و منتظم سے تعلقات ہو گئے تھے، اس لئے اس نے آپ کو یہ موقع دے دیا کہ آپ خود کنویں سے پانی نکالیں، چنانچہ حضرت نے خود اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر پانی نکالا اور نوش فرمایا۔

سفر عمرہ

۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں برطانیہ سے آپ حضرت مولانا اجمیری صاحب نور اللہ مرقدہ کی معیت میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے اخیری شعبان کو مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بارہ دن حرمین میں قیام فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب عمرہ کرتے وقت حجر اسود کے قریب کسی سوڈانی یا بدوی کے دھکے سے گر پڑے، حضرت مولانا اجمیری صاحب نے دوڑ کر حضرت مفتی صاحب کو سنبھالا۔

مدینہ طیبہ میں حضرت مفتی صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کے مہمان رہے، اور مدرسہ علوم شرعیہ میں قیام فرمایا۔

سفر برطانیہ

حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم نے پوری زندگی میں سفر حج کے علاوہ کہیں سفر نہیں فرمایا، فراغت کے بعد رنگون (برما) سے خدمت افتاء کے لئے اہل رنگون کا دعوت نامہ موصول ہوا، مگر آپنے معذرت فرمادی۔

سرزمین برطانیہ پر اللہ تعالی کا یہ خصوصی فضل رہا کہ ہند و پاک کے اکثر اکابر یہاں تشریف لائے، اگر ان اکابر کی فہرست تیار کی جائے تو کئی اوراق چاہئے۔ بحمد للہ اہل برطانیہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ گجرات کے دو آفتاب و ماہتاب حضرت اقدس مولانا محمد رضا اجمیری صاحب اور حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم باوجود اسفار کی عادت نہ ہونے کے یہاں تشریف لائے۔

۷/ شعبان ۱۳۹۸ھ مطابق: ۱۴/ جولائی ۱۹۷۸ء بروز جمعہ بمبئی سے روانہ ہو کر لندن پہنچے، اس سفر میں حضرت کے ساتھ مولانا سید ابرار احمد صاحب بھی تھے، لندن سے سیدھے ڈیوزبری تشریف لائے، انہی دنوں یہاں تبلیغی اجتماع تھا، اس میں بھی شرکت فرمائی، پھر مختلف شہروں میں پروگرام رہے، اکثر جگہ حضرت مولانا اجمیری اور حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب بیان فرماتے، اٹھارہ دن قیام رہا۔

۱۶/ جولائی بروز اتوار حضرت کی زیر صدارت رویت ہلال کے موضوع پر جلسہ بھی ہوا، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

اس سفر کے دوران برطانیہ جمعیۃ العلماء کے ذمہ دار حضرت مفتی عبدالباقی صاحب، علامہ خالد محمود وغیرہ نے رویت ہلال کے مسئلہ سے متعلق ایک اجلاس (میٹنگ) میں شرکت کی دعوت پیش کی، جسے احقر نے اپنے رفقاء کے مشورہ سے اور وہاں کے حالات

کے پیش نظر اور اس مقصد سے کہ خدا کرے کوئی اتفاق کی شکل پیدا ہو جائے، ان حضرات کی دعوت ہم نے قبول کر لی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۴۱۴ ج۹)

نوٹ:......اسی سفر کی مختصر روداد ''فتاوی رحیمیہ'' (ص۴۱۳ ج۹) میں موجود ہے۔

اہل برطانیہ کا تأثر

''تذکرۃ الرضا'' میں سفر برطانیہ کے حالات میں لکھا ہے:

اہل برطانیہ کے تأثرات ان دونوں حضرات (حضرت مفتی صاحب وحضرت مولانا اجمیری صاحب) کے بارے میں یہ تھے کہ سرزمین برطانیہ پر جیسے دو فرشتے انسانی شکل میں اتر آئے ہیں، ان دونوں حضرات کے اخلاق حسنہ عوام تو کیا خواص کے لئے بھی نمونہ اور باعث عبرت تھے، ان دونوں حضرات کے باہمی تعلقات اور سنتوں کی پابندی سے اہل برطانیہ بہت متأثر ہوئے، اور ایک عرصہ دراز تک ان کے اخلاق حسنہ کا سکہ لوگوں کے دلوں پر ثبت رہا اور باہمی محبت کا سبق ملا۔ (ص ۶۵)

برطانیہ سے یہ حضرات سفر عمرہ پر تشریف لے گئے، جس کی تفصیل سفر عمرہ میں گذر چکی ہے۔

قرآن کریم سے شغف

حضرت مفتی صاحب کو قرآن مجید سے عجیب وغریب عشق ہے، اور قرآن کریم ہے بھی ایسی ہی کتاب، خوش قسمت ہے وہ شخص جسے یہ دولت عظمی نصیب ہو جائے۔

تجوید کی اہمیت کے باعث حضرت کو ہمیشہ اس کی فکر رہتی کہ قرآن کریم کو لوگ صحیح طور پر پڑھنے والے بنیں، مدارس کے طلبہ خصوصاً جامعہ حسینیہ راندیر و دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے طلبہ آپ سے قرآن مجید دور سننے کی یا قرآن کی صحت کی درخواست کرتے تو بڑی بشاشت

سے اسے قبول فرماتے، اور ذوق وشوق سے ان کا قرآن مجید سنتے اور تصحیح فرماتے، رمضان المبارک میں دور سنانے والوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہو جاتا، یہ بات گذر چکی کہ آپ نے تعلیم بالغاں کیے لئے رات میں مدرسہ کا انتظام بھی فرمایا تھا۔

حضرت خوش الحان قاری بھی ہیں

حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالی نے آواز بھی نہایت دلکش عطا فرمائی تھی، قرآن کریم بڑے نفیس انداز ولہجہ میں خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ کم عمری ہی میں نوساری جامع مسجد کے منصب امامت پر فائز ہوئے، اکابر راندیر نے جب آپ کی تلاوت سنی تو آپ کو راندیر لے جانے میں کامیاب ہوگئے، وہاں بھی بڑی جامع مسجد کی امامت فرمائی، منصب امامت پر: ۱۴۰۶ھ تک رہے۔ راقم نے حضرت کی اقتداء میں کئی مرتبہ نماز پڑھی ہے، دور دور سے لوگ آپ کی اقتداء میں نماز کی سعادت حاصل کرنے آتے تھے۔

خوش الحانی اور اس کا طریقہ

حضرت کی خوش الحانی بھی قواعد قرأت کے مطابق ہوتی تھی، ایسا نہیں کہ بعض خوش الحان تجوید کے قواعد سے ناواقفیت کی بنا پر آواز میں ترنم اور کھینچنا بڑھانا وغیرہ کرتے ہیں یہ صحیح نہیں، حضرت مفتی صاحب خوش الحانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”اور ایک ادب یہ بھی ہے کہ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھے، نبی کریم ﷺ خوش آوازی سے پڑھنے کو بہت پسند فرماتے تھے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”زیّنوا القرآن باصواتکم“ یعنی قرآن مجید کو اپنی آواز سے مزین کرو۔

لیکن خوش الحانی قرأت کے قواعد کے مطابق ہونی چاہئے، جو لوگ تجوید کا لحاظ نہیں کرتے، اور لہجوں کی مشق کسی قاری سے کئے بغیر آواز گھٹا بڑھا کر پڑھتے ہیں، یہ صحیح نہیں

ہے، اللہ تعالی ہمیں قرآن کے قدر کی توفیق عطا فرمائے، اور امت میں اس کی تعلیم عام فرمائے، اور اس پر عمل کی توفیق بخشے، اور اس کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا فرماوے، آمین۔

مدرسہ رحیمیہ تجوید القرآن

فن تجوید سے اعلی واقفیت، خوش الحانی، اور قرآن کی عظمت اور امت میں اس کو عام کرنے کی فکر تو حضرت میں تھی ہی، جس کا کچھ ذکر گذر چکا۔

مزید براں مدینہ منورہ کے قیام میں رجال غیب میں سے ایک صاحب سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے جو وصیت فرمائی وہ بھی قرآن کریم کے متعلق تھی، اس کا واقعہ حضرت اقدس مفتی صاحب نے یوں بیان فرمایا:

مدینہ منورہ میں ایک بزرگ سے ملاقات اور ان کی نصیحت

قیام مدینہ منورہ کے زمانہ میں ایک دن میں جنت البقیع سے لوٹ رہا تھا، راستہ میں ایک شخص ملے، انہوں نے مجھے سلام کیا، اور کہا کہ آپ بچوں کے قرآن کی تعلیم کے سلسلہ میں محنت و کوشش کیجئے اور مکاتب قائم کیجئے! وہ تو اتنا کہہ کر رخصت ہوگئے، ان کے جانے کے بعد وہاں کے لوگوں نے مجھے گھیر لیا، اور پوچھا کہ آپ اس شخص کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں، ان لوگوں نے کہا کہ یہ رجال الغیب میں سے ہیں (جو اللہ کے مخصوص بندے ہیں اور امت کی اصلاح کا کام کرتے ہیں) جو برسوں میں کبھی نظر آجاتے ہیں، اور ہم لوگ ان کے دیدار کو ترستے ہیں۔

اس سفر حج سے واپس آیا تو راندیر کے ایک صاحب نے جو لندن میں مقیم تھے مجھے لکھا کہ آپ مکتب شروع کیجئے! رقم میں بھیجوں گا، چنانچہ میں نے ''مدرسہ رحیمیہ'' شروع کیا اور

اس ادارہ سے کافی بچوں نے فائدہ اٹھایا، بعد میں اور بھی مدارس کی سرپرستی میرے ذمہ رہی
یہ ''مدرسہ رحیمیہ'' حضرت نے اپنے دولت کدہ پر شروع فرمایا، جس میں قرآن مجید با تجوید کے ساتھ دینیات کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا، درجۂ حفظ بھی رکھا گیا، حضرت اس مدرسہ کے بانی و مہتمم رہے، اعزازی طور پر تھوڑا سا وقت تدریس و تعلیم کے لئے بھی رکھا تھا،

اس مدرسہ سے اہل راندیر نے خوب فائدہ اٹھایا، محلّہ کے بہت سے بچوں نے ناظرہ قرآن مجید پورا کیا ''مدرسہ رحیمیہ'' کا پہلا سالانہ امتحان اور انعامی جلسہ: ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹/اکتوبر ۱۹۷۱ء میں ہوا، معلوم ہوا کہ مدرسہ کا افتتاح: ۱۳۹۰/یا: ۱۳۹۱ھ میں ہوا۔

''مدرسہ رحیمیہ'' کے ماتحت بعد عشاء مدرسہ شبینہ بڑے حضرات کی تعلیم کے لئے بھی شروع فرمایا، چنانچہ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں عشاء کے بعد فیض حاصل کرنے والے سعادت مندوں نے بھی حاضرین کو قرآن مجید تجوید کے ساتھ سنایا اور ان کو بھی منجانب مدرسہ انعام تقسیم کیا گیا۔

''مدرسہ رحیمیہ'' کی ایک کلاس مغرب کے بعد مسجد میں بھی ہوتی تھی، اس میں بھی اردو اور تجوید کی تعلیم دی جاتی تھی۔

حضرت اقدس مفتی صاحب کے چند مبشرات

رویائے صادقہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وحی الٰہی میں سب سے پہلی چیز جس سے حضور ﷺ کو سابقہ پڑا وہ خواب تھے، پھر اسے جزء نبوت کہا گیا، حدیث میں ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''الرؤ یا الصالحة جزء من ستة و اربعین جزء من النبوة'' یعنی سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (متفق علیہ)

ایک دوسری حدیث میں ہے: '' الرؤ یا الصالحة من الله '' کہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ

کی طرف سے ہے (یہ بخاری ومسلم کی طویل حدیث کا ٹکڑا ہے) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اچھے خواب مبشرات خداوندی ہیں، پھر صلحاء واتقیاء کے خواب کی حیثیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد حضرت مفتی صاحب کے چند مبشرات لکھے جاتے ہیں جسے حضرت ہی کی زبان سے سن کر حضرت کے خادم خاص مولانا مفتی اکرام الحق صاحب نے قلمبند فرمایا:

حضرت نوح علیہ السلام کی زیارت اور مولانا ابراراحمد صاحب کی تعبیر

(۱)......سیدنا حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا، جسم مبارک اونچا تھا، ذرا آگے کی طرف جھکے ہوئے تھے۔

یہ خواب دیکھا تھا انہی دنوں میں مولوی ابراراحمد دھلیوی ڈابھیل سے راندیر میرے یہاں آئے تھے، ان کے سامنے میں نے اس خواب کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا: اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کی عمر طویل ہوگی۔

راقم عرض کرتا ہے کہ: امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ: ''اگر کوئی شخص نوح علیہ السلام کو خواب میں دیکھے تو عمر دراز پائے۔ (تعبیر الرؤیا اردو ص ۶۱)

آپ ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی زیارت

(۲)......میں نے :۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق :۱۷؍اپریل ۱۹۹۹ء کو خواب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ قیاماً تشریف فرما ہیں، اور حضرات شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما دائیں جانب تھوڑے فاصلہ پر خادمانہ باادب کھڑے ہیں، اور ٹھیک اسی طرح بائیں جانب بھی اتنے ہی فاصلہ سے دونوں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کھڑے

ہیں، تھوڑی دیر مجھے اس مبارک ونورانی منظر کو دیکھنے کا لطف حاصل ہوا پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا

خواب میں نماز پڑھانے کے چند واقعات

(۳)...... نیک لوگ جمع ہیں، مجھے امامت کے لئے کہا گیا اور محراب میں کھڑا کر دیا گیا، محراب میں مصلی بچھا ہوا تھا، اور مصلی کے اوپر تین تہہ کر کے لحاف بچھا ہوا تھا، اور اس پر کھڑے رہ کر نماز پڑھانے کو کہا گیا، میں نے بہت معذرت کی کہ اس لحاف پر کھڑے رہ کر نماز پڑھانا میرے لئے بہت مشکل ہے، کیونکہ میں کمزور ہوں، اس پر پاؤں جم نہیں سکیں گے، مگر لوگوں کا اصرار تھا کہ اسی پر کھڑے ہو کر پڑھانی پڑے گی، ان کے اصرار سے میں تنگ ہو گیا، فکر تھی کہ ایک رکعت بھی جم کر نہ پڑھا سکوں گا، اسی کشمکش میں تھا کہ اتفاق سے میں نے دائیں جانب دیکھا تو وہاں مولانا احمد اشرف صاحب راندیری موجود تھے، اس وقت ان کا انتقال ہو گیا تھا، انہوں نے گردن کے اشارہ سے کہا کہ اس لحاف کو پاؤں سے ہٹا دو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، مگر پھر بھی ایک تہہ باقی رہ گئی، اور اسی ایک تہہ پر نماز پڑھائی، مجھے یاد ہے کہ اس میں میں نے ﴿ اقم الصلوۃ لدلوک الشمس ، الخ ﴾ والا رکوع پڑھا تھا، لیکن نماز پوری کرنا یا نہ کرنا کچھ یاد نہیں ہے۔

(۴)...... یہ دیکھا کہ دوست احباب کا بہت بڑا مجمع ہے، مگر کوئی پہچان میں نہیں آ رہا ہے، میں نے اس پورے مجمع کو نماز پڑھائی۔

(۵)...... دیکھا کہ ایک مجمع کچھ بلندی پر ہے، نیچے ریتلی زمین ہے، کسی نے کہا کہ آپ کو نماز پڑھانی ہے، مصلی آ رہا ہے (اس طور پر کہ میں بحیثیت امام نشیبی ریتیلے حصہ میں رہوں اور مقتدی حضرات بلندی والے حصہ میں رہیں، پھر آنکھ کھل گئی، مصلی آیا یا نہیں؟ اور نماز پڑھائی یا نہیں اس کا علم نہیں ہوا۔

(۶)......ابھی قریب میں خواب دیکھا کہ سب لوگ جمع ہیں، میں تو کمزور ہوں ایک شخص نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ نماز پڑھائیں۔

اسی طرح خواب میں نماز پڑھانے کے بہت سے واقعات ہیں۔

خواب میں اپنے کو اُڑتا دیکھا

(۷)......میں نے دیکھا کہ بہت بڑا مجمع ہے، مختلف قسم کے لوگ جمع ہیں، وہیں کچھ دوری پر ایک کمرہ نظر آیا، میں نے دیکھا کہ اس کمرہ میں میری تمام ہمشیرائیں اس طور پر بیٹھی ہوئی ہیں کہ ان کی پشت میری طرف ہے، اس مجمع میں اور تو کسی کو نہیں پہچانا، البتہ یہ دیکھا کہ مولوی ابرار احمد دھلیوی (جواب تک داماد نہیں ہوئے تھے) ہاتھ میں عصا لئے اپنے چند خادم سمیت ایک قطار میں کھڑے ہیں، ایسا لگ رہا تھا کہ راستہ کھلنے کے منتظر ہیں، اور خود میرا حال یہ ہے کہ اس مجمع کے اوپر اڑ رہا ہوں، میں نے اسی حالت میں ہمشیرہ سے پوچھا خیریت سے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کا فضل ہے، اور پھر میں اڑتا ہوا کہیں دور نکل گیا، کہاں گیا یہ یاد نہیں ہے۔

خواب میں مجمع کا آپ سے مصافحہ کرنا

(۸)......میں نے دیکھا کہ ایک مجمع مجھے گھیرے ہوئے ہے اور مجھ سے مصافحہ کرنا چاہتے ہیں، اس سے میرا ذہن اس حدیث کی طرف منتقل ہوا جس میں ہے کہ انسان مرنے کے بعد جب اپنے دوست واحباب کے پاس جاتا ہے تو اس کے دوست احباب شناسا اس سے ملنے کے لئے جمع ہوجاتے ہیں، اور دنیا میں موجود اپنے رشتہ داروں اور شناساؤں کے حالات معلوم کرتے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ فلاں کی کیا خبر ہے؟ فلاں کی شادی ہوئی یا نہیں؟ وغیرہ، میں ان لوگوں کے ساتھ مصافحہ میں مشغول ہوگیا اتنے میں دوسری طرف

سے آواز آئی ”اے بھئی! ادھر بھی تو دیکھ“ میں نے کہا: پہلے ادھر فارغ ہولوں پھر ادھر بھی آتا ہوں۔

صلحائے کرام اور والد ماجد کی زیارت

(۹)......میں نے دیکھا کہ صلحاء کرام کا ایک مجمع ہے جو چاروں طرف پھیلا ہوا ہے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بہت پاکیزہ اور اونچے درجہ کے لوگ ہیں، تھوڑے فاصلہ پر ایک بلند جگہ ہے، میرا اندازہ یہ ہے کہ وہاں ایک بزرگ تشریف فرما ہیں اور پورا مجمع اسی طرف متوجہ ہے، سارے حاضرین دوزانو نظریں جھکائے ہوئے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ بالکل خاموش باادب بیٹھے ہوئے ہیں، اور سر سے پاؤں تک سفید عمدہ لباس میں ہیں، میں خود بھی اسی طرح خشوع وخضوع کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں جیسے اور لوگ بیٹھے ہیں، اچانک میری نظر پڑی کہ پہلی صف میں کسی نے اپنی گردن عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ جھکائی ہے، میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ میرے والد صاحب ہیں۔

صلحاء اور مولانا عبدالرحیم صادق کی زیارت

(۱۰)......صلحاء کا ایک بہت بڑا مجمع دیکھا جس میں موجود سارے لوگ عمدہ لباس میں ہیں، البتہ اس درجہ کا مجمع نہیں ہے جس درجہ کا پہلا (خواب: ۴/ والا) مجمع تھا، یہ مجمع دو حصوں میں بٹا ہوا تھا کچھ لوگ نیچے ہیں کچھ اوپر، میں نیچے تھا، وہیں سے اوپر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ اوپر ایک گوشہ میں مولانا عبدالرحیم صادق راندیری بیٹھے ہوئے ہیں۔

یہ خواب مولوی عبدالرحیم صادق کے انتقال کے بعد کا ہے، مولانا احمد نور صاحب ہم دونوں کو رحیمین کہا کرتے تھے، کیونکہ ہم دونوں اکثر ساتھ رہتے تھے۔

مولانا علی محمد تراجوی ومولانا مفتی مرغوب احمد صاحب کی زیارت

(۱۱)......آج: ۲؍صفر ۱۴۱۶ھ خواب دیکھا کہ ایک چھوٹی سی مسجد میں اجتماع ہے، حضرت مولانا محمد علی تراجوی نے بڑی محبت اور عظمت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے احقر سے معانقہ فرمایا کہ آپ تو ہمارے بڑے بزرگ ہیں، احقر نے عرض کیا کہ بزرگ تو آپ ہیں، اسی دوران میں حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری کو جلسے سے گزرتے ہوئے دیکھا، نہایت موزون قد وقامت، اور نہایت عمدہ لباس میں ملبوس پایا، ٹوپی کا رنگ عجیب وغریب تھا، معلوم ہوا کہ کسی ضرورت سے دوسری مسجد میں تشریف لے گئے، ملاقات نہیں ہوئی اور آنکھ کھل گئی، حق تعالی مرحومین کو اعلی درجات سے نوازے، اور ہم کو ان بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر خاتمہ بالایمان کی دولت سے نوازے، آمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ۔

حضور ﷺ کا ارشاد حضرت کے لئے، اور ایک بزرگ کی زیارت

(۱۲)......میرے نواسے عزیزم حافظ سید مرغوب احمد نے مجھے بیان کیا کہ: میں نے خواب دیکھا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضرت نے مجھے اپنے پاس اندر بلالیا اور بہت محبت کے ساتھ بٹھایا، پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ ''نانا جان کیسے ہیں؟'' میں نے عرض کیا: الحمد للہ! خیریت سے ہیں، اور آئندہ سال انشاء اللہ ان کو خدمت اقدس میں بھیجوں گا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان کو مت بھیجنا! میں خود ہی آئندہ سال وہاں آؤں گا'' اھ۔

اس واقعہ کے تقریباً ایک سال بعد میں نے خواب دیکھا کہ قبرستان (تبع تابعین کے مزار) کی طرف سے ایک بزرگ تشریف لا رہے ہیں، سر سے پاؤں تک سفید لباس میں ملبوس ہیں، کوئی اور بھی آپ کے ساتھ ہے، میں بھی ان کے پیچھے ہولیا، چلتے چلتے جب

ہجیرا (بڑی) مسجد کا دروازہ آیا تو آپ ٹھہر گئے، میں نے عرض کیا کہ حضرت! مسجد کا دروازہ یہی ہے، اس وقت رخسار مبارک پر نظر پڑی، اور میری آنکھ کھل گئی۔

جنت کے باغ کا نمونہ

(۱۳)......ایک باغ میں نے دیکھا جو نہایت خوب صورت عالیشان تھا، ایسا باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا اور عمدہ اور اعلیٰ قسم کے پھل فروٹ اس میں نظر آئے، وہ پھل کون کونسے تھے یہ تو یاد نہیں، صرف اتنا یاد ہے کہ ان پھلوں میں دو شریفے (انوس، سیتا پھل) بھی بہت اعلیٰ قسم کے لٹکے ہوئے تھے، (ویسے بھی انوس مجھے بہت پسند تھے، بچپن میں تو یہ حالت تھی کہ پہلے انوس کھاتا تھا، بعد میں فجر کی نماز پڑھنے جاتا تھا) اسی باغ میں' میں نے دو شخصوں کو باتیں کرتے بھی سنا، لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئے، میں نے بھی ان سے بات چیت کی، انہوں نے کچھ پھل توڑ کر مجھے دیئے، وہ پھل میں نے اپنے پیچھے قریب میں بیٹھی ہوئی خواتین (جن کو میں جانتا تھا، بعد میں یاد نہیں رہا کہ وہ کون تھیں) کو دیدیئے، انہوں نے کھا کر بہت تعریف کی کہ بہت لذیذ اور شیریں ہیں ی لیکن میں نے نہیں کھایا، اھ۔

اس کی تعبیر میں نے یہ لی کہ یہ جنت کے باغ کا ایک نمونہ تھا جو مجھے بتایا گیا۔

مسلمانان افریقہ کے متعلق ایک خواب اور نصیحت

(۱۴)......صحیح روایت میں قیامت کی ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔ (دیکھئے! مشکوٰۃ ص۴۷۲، باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال)

اور ظاہر ہے قرب قیامت سے پہلے فتنے اور آزمائشیں جو بیان کی گئی ہیں (اللھم احفظنا) خدا کی پناہ، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا بھی آزمائش اور مصیبت پر دال ہے۔

جنوبی افریقہ میں سیاسی حالات اور وہاں کے سیاہ فام باشندوں کے حقوق کے ضیاع کے باعث پورا ملک ہی فساد کا منبع بنا ہوا ہے، اور آج سے کچھ سال قبل تو انتخاب کے زمانہ میں بڑے تشویشناک حالات تھے، حضرت اقدس مفتی صاحب نے ایک خواب دیکھا، فرماتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ آفتاب مغرب کی طرف سے طلوع ہو رہا ہے، بہت بڑا مجمع ہے لوگ افراتفری میں گھوم رہے ہیں، علیک سلیک ہو رہی ہے، اس مجمع کے کچھ لوگ پہچان والے بھی تھے، مگر اب کوئی یاد نہیں، صرف اتنا یاد ہے کہ قاری عبدالرشید اجمیری میرے قریب کھڑے ہوئے کسی قاری سے بات چیت میں مصروف ہیں، ان کو دیکھ کر میرے ذہن میں آیا کہ یہ ملک جنوبی افریقہ ہے، کیونکہ اس وقت رشید احمد وہاں تھے۔

اس خواب کے بعد میں نے جنوبی افریقہ مولوی شبیر احمد سالوجی کو خط لکھا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ کے یہاں کوئی بہت بڑی مصیبت آنے والی ہے، اس لئے آپ قنوت نازلہ ختم خواجگاں اور یٰس شریف کا ختم شروع کردو، افریقہ میں مقیم اور بھی بہت سے احباب کو یہ خط لکھوایا، ان لوگوں کو بعد میں واقعہ کا احساس ہوا کہ مصیبت ہلکی ہوگئی۔ (اس زمانہ میں کالوں کا زور تھا)

خواب میں پاکستان جانا

(۱۵)......ایک رات خواب میں دیکھا کہ پاکستان گیا (بیداری میں کبھی پاکستان جانا نہیں ہوا) وہاں ایک بہت خوب صورت شاندار عمارت ہے، اس میں بڑے بڑے علماء جمع ہیں، میں بھی ہوں، بعد میں اطلاع ملی کہ وہ شب مولانا یوسف لدھیانوی کی شہادت کی تھی۔

اوصاف وکمالات

الحمدللہ حق تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہم کو بے شمار اوصاف وکمالات سے نوازا، پیدا فرمایا سید کے اعلیٰ گھرانہ میں ، پھر علوم ظاہری و باطنی میں کمال عطا فرمایا ،تقوی و طہارت ،خوف خدا، دور بینی ، بردباری ،شرافت ،تواضع ، وقار ،سنجیدگی ،احساس فرض ، بلند کرداری ،مہمان نوازی، تجربہ کاری ،سنت کی تابعداری ،خودداری ،اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر تصلب ،استقامت ،وغیرہ اعلیٰ اوصاف حسنہ سے متصف فرمایا، سچ کہا ہے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

یہاں چند اوصاف کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

دوسرے علماء سے رجوع کا مشورہ

حضرت مفتی صاحب کے فتاوی تو اکثر مفصل ومدلل ہوتے ہیں ،بعض مرتبہ حضرت نے جواب تحریر فرمایا اور اس کی کوئی دلیل بھی تحریر فرمادی ، پھر بھی اخیر میں سائل کو لکھا کہ دوسرے علماء سے بھی دریافت کرلیا جائے ،دو مثالیں ''فتاوی رحیمیہ'' سے نقل کرتا ہوں:

ساتویں حصہ کی نفل قربانی میں چھ ساتھی شریک ہوسکتے ہیں؟

سوال:...... چھ آدمیوں نے مل کر قربانی کے بڑے جانور میں اپنا اپنا واجب حصہ رکھا ،اور ساتویں حصہ میں سب نے شریک ہوکر آنحضرت ﷺ کے لئے نفل قربانی کی نیت کرلی تو یہ درست ہے یا نہیں؟ واجب قربانی پر تو برا اثر نہیں پڑتا؟ یاد رہے کہ ساتواں حصہ ایک شخص کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ ایک حصہ میں چھ شریک ہیں ،لہذا کتاب کے حوالہ سے جواب

دیا جائے۔

الجواب:......ان مات احد السبعة المشتركين فى البدنة وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا ' لقصد القربة من الكل ' ولو ذبحوها بلا اذن الورثة لم يجزهم۔ (درمختار مع الشامی ص۲۸۴ ج ۵)

روایت مذکورہ فقیہہ سے استحساناً جائز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب ساتواں حصہ دار فوت ہوگیا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوگیا، اور اس حصہ کے ورثاء مالک بن گئے، اورانہوں نے اس ساتویں حصہ کے مالک ہونے کی حیثیت سے قربانی کی اجازت دیدی تو سب کی قربانی درست ہوگئی۔ اسی طرح صورت مسئولہ میں چھ ساتھیوں نے ساتواں حصہ خرید کر حضور ﷺ کے لئے کردیا تو درست ہونا چاہئے، دوسرے علماء سے بھی دریافت کرلیا جائے۔ (ص ۹۰ ج ۲)

نوٹ:......حضرت مفتی صاحب کی جورائے اس مسئلہ میں ہے، وہی رائے حضرت مفتی محمود صاحب کی ہے۔ (فتاوی محمودیہ ص ۲۵۱ ج ۱۷)

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی اور حضرت مفتی عبدالستار صاحب کا فتوی بھی حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کے مطابق ہے۔

غالباً حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

(کفایت المفتی ص ۲۲۴ ج ۸)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے اس مسئلہ پر پورا رسالہ تحریر فرمایا ہے، موصوف کی تحقیق مذکورہ بالا تمام حضرات کے برعکس ہے، اہل علم اسے ملاحظہ فرمائیں۔

(احسن الفتاوی ص ۵۴۳ ج ۷)

مرحوم بچہ کے عقیقہ کا حکم

دوسرا مسئلہ مرحوم بچہ کے عقیقہ کے متعلق ہے، ایک سائل نے حضرت سے سوال کیا:

سوال:......مرحوم بچہ کے عقیقہ کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب:......مرحوم بچہ کے عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں۔ [۱]

حضرت کے اس فتوے پر ایک صاحب نے اشکال کیا، حضرت نے اس کا جواب تحریر فرمایا، اور اخیر میں فرمایا دیگر علماء سے بھی تحقیق کر کے عمل کیا جائے، پورا سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

سوال:......''فتاوی رحیمیہ'' ص ۹۴ ج ۲ / میں ہے:

الجواب......مرحوم بچہ کے عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں، فقط۔ اس سے جواز تو ثابت ہوتا ہے، جواز کی کیا دلیل ہے؟ ارقام فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب:......عقیقہ زندگی میں کیا جاتا ہے مرنے کے بعد عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں، اگر مردہ بچہ کے عقیقہ کو مستحب نہ سمجھا جائے محض شفاعت کی امید اور مغفرت کی لالچ سے کر دیا

---

[۱]......حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مُردوں کی طرف سے عقیقہ کی دلیل نہیں ملی، ہاں ہر ایک کی طرف سے بہ نیت قربانی اگر ایک بکری یا گائے کا ایک حصہ کر دے تو جائز ہے، اور جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو اس کی طرف سے اضحیہ قائم مقام عقیقہ ہو جاتا ہے۔ (امداد الاحکام ص ۲۳۴ ج ۴)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

انتقال کے بعد عقیقہ نہیں ہے، کیونکہ عقیقہ رد بلا کے لئے ہوتا ہے۔ (احسن الفتاوی ص ۵۳۶ ج ۷)

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

عقیقہ بچہ کی نعمت کے شکریہ کے لئے ہوتا ہے جس کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے، موت بعد عقیقہ نہیں ہوتا۔ (فتاوی دار العلوم زکریا ص ۴۸۲ ج ۵، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند)

جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسے کسی نے حج نہیں کیا اور بلا وصیت مر گیا اور وارث نے اس کی مغفرت کی امید پر اپنے خرچ سے حج بدل کیا تو امید ہے کہ حق تعالیٰ قبول فرمائے، اس صورت میں عقیقہ کا جانور مستقل ہو، احیاطاً قربانی کے جانور میں شرکت نہ کرے۔

وحاصله ان الغلام اذا لم يعق عنه فمات لم يشفع لوالديه ، ثم ان الترمذی اجاز بها الی يوم احدی و عشرين ، قلت : بل يجوز الی ان يموت لما رأيت فی بعض الروايات انّ النبی صلی الله عليه وسلم عقّ عن نفسه ، الخ (فیض الباری ص ۳۳۷ ج ۴)

دیگر علماء سے بھی تحقیق کر کے عمل کیا جائے۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۱۷۲ ج ۶)

حضرت مفتی صاحب کا معاصرین سے سوال پوچھنا

حضرت اقدس مفتی صاحب کی صفت تواضع ملاحظہ فرمائے کہ باوجود خود فقیہ اور عصر کے مسلّم مفتی ہونے کے کوئی اشکال پیدا ہوا تو اپنے سے عمر میں کم حضرات کی طرف رجوع فرمایا۔ بزرگوں کے یہاں معمول ختم خواجگان پر حضرت کو اشکال پیدا ہوا تو حضرت نے حضرت مفتی یحیی صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا، جس کا جواب حضرت مفتی محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ نے مرحمت فرمایا، وہ درج ذیل ہے:

ختم خواجگان کو اجتماعی طور پر دوامی معمول بنانا

سوال:.......بعض جگہ ختم خواجگان اجتماعی طور پر پڑھا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ہمیشہ پڑھنا بدعت و مکروہ نہ ہوگا؟

الجواب:.......اس سلسلہ میں احقر نے ایک سوال حضرت مفتی محمد یحیی صاحب (مظاہر علوم سہارنپور) سے کیا تھا، مفتی یحیی صاحب نے حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے اس کے متعلق دریافت کیا، حضرت نے اس کا جواب املاء فرمایا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوال

وجواب ہی نقل کردیا جائے، انشاءاللہ اس سے آپ کے سوال کا جواب بھی ہوجائے گا۔

سوال: ...... ہمارے بزرگوں کے یہاں ختم خواجگان کا معمول ہے، اور جو حضرات ان سے متعلق ہیں ان میں سے بعض اپنے مقام پر اس پر عمل پیرا ہیں، اسی طرح سورۂ یٰسین شریف کا اجتماعی ختم ہوکر اس کے بعد اجتماعی دعا ہوتی ہے، آپ کو تو اس کے جواز کے دلائل معلوم ہی ہوں گے، تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، وجہ اشکال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جو ''فتاوی رحیمیہ'' میں ص ۳۰۶ و ۳۰۷ ج ۱ میں بحوالہ ازالۃ الخفاء، الاعتصام، اور ''مجالس الابرار'' مذکور ہے۔[۱]

بعض حضرات نے ''فتاوی رحیمیہ'' کے مطالعہ کے بعد اشکال کیا کہ آپ کے ''فتاوی رحیمیہ'' میں یہ لکھا ہوا ہے، اور سہارنپور دہلی وغیرہ مقامات پر ہمارے بزرگوں کے یہاں ختم خواجگان اور ختم سورۂ یٰسین شریف کا معمول ہے، کیا یہ عمل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

[۱] ...... نماز صبح کے بعد کچھ لوگ جمع ہوکر خاص طریقہ سے سومرتبہ ''اللہ اکبر'' سومرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' سومرتبہ ''سبحان اللہ'' پڑھتے تھے، اس کی خبر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ملی، آپ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: امت محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر افسوس تمہاری ہلاکت کی گھڑی قریب آگئی ہے، ابھی تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) موجود ہیں، تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے، ان کے برتن سلامت ہیں، اور تم ابھی سے بدعتوں میں مشغول ہوگئے؟ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم ایسے دین پر ہو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے (نعوذ باللہ) زیادہ راست اور صحیح ہے، یا تو تم گمراہی کے دروازہ پر پہنچ گئے جو عنقریب کھلنے والا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھا کرتی تھی اور ان میں سے ایک شخص کہتا کہ اتنی مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہو اور اتنی بار ''سبحان اللہ'' کہو اور اتنی بار ''الحمد للہ'' کہو اور لوگ کہتے جاتے تھے، جب آپ نے سن لیا تو آپ کھڑے ہوگئے اور فرمایا: میں عبداللہ بن مسعود ہوں، قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک یا تو تم نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہوگئے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) سے علم میں بڑھ گئے، پھر ان کو مسجد سے نکال دیا۔

عنہ کے واقعہ کے خلاف نہیں ہے؟ اور یہ التزام مالا یلزم نہیں ہے؟ دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟ اگر یہ علاجاً یا دفع آفات کے لئے تجویز کیا گیا ہے تو علاج یا آفات وقتی چیز ہے، جس طرح قنوت نازلہ ہنگامی حالات میں پڑھا جاتا ہے اس پر مداومت نہیں ہوتی، اسی طرح یہاں بھی ہونا چاہئے، فقط والسلام۔

الجواب:...... حامدا و مصلیا مسلما: دو چیزیں ہیں: ایک تو مداومت اور ایک اصرار، دونوں کا حکم الگ الگ ہے، امر مندوب پر مداومت قبیح نہیں ہے، فقہاء نے امر مندوب پر اصرار کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اصرار یہ ہے کہ کسی عمل کو ہمیشہ کیا جائے، اور نہ کرنے والے کو گنہگار سمجھا جائے، اس کی تحقیر و تذلیل کی جائے تو یہ مکروہ ہے، اگر امر مندوب پر مداومت ہو اصرار نہ ہو تو مندوب مندوب ہی رہتا ہے، مثلاً کوئی شخص وضو کے بعد تحیۃ الوضوء پڑھتا ہے، اور اس کو ضروری نہیں سمجھتا، اور نہ پڑھنے والوں کو گنہگار نہیں سمجھتا، اور ان کو ملامت نہیں کرتا، تو اس میں کوئی کراہت نہیں، اب جو اعمال علاجاً کئے جائیں یا کسی سبب کی وجہ سے کئے جائیں تو جب جب علاج کی ضرورت ہوگی یا وہ سبب پایا جائے گا اس عمل کو کیا جائے گا۔

قنوت نازلہ اول تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک روزانہ نماز فجر میں پڑھا جاتا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ابتلائے عام کے وقت اجازت دی ہے، اس کا سبب ابتلائے عام ہے، لہذا جب تک ابتلائے عام رہے گا اس کو پڑھا جائے گا، اور جب یہ سبب ختم ہو جائے گا نہیں پڑھا جائے گا۔

ختم خواجگاں حصول برکت کے لئے پڑھا جاتا ہے، مشائخ کا مجرب عمل ہے کہ اس کی برکت سے دعا قبول ہوتی ہے، اور کون سا وقت ایسا ہے کہ برکت کی خواہش نہیں ہوگی، لہذا

جب اس کا مقصد حصول برکت ہے تو جب جب حصول برکت کی خواہش ہوگی اس کو پڑھا جائے گا، اور ہر وقت برکت کی خواہش ہوتی ہے، اس لئے مداومت کرتے ہیں، مگر اصرار نہیں کرتے ہیں۔ ۱؎ فقط، املاہ الشیخ: محمود حسن

(فتاوی رحیمیہ ص ۲۷۶ ج ۱۰)

غلطی سے رجوع

علماء حق کی عادات حسنہ میں سے یہ عادت رہی ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ یا تحریر میں غلطی ہو جائے تو تحقیق وشرح صدر کے بعد اس سے رجوع کر لیتے ہیں، ہمارے اسلاف کے فتاوی وتصنیفات میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، حضرت مفتی صاحب کو کم ایسی نوبت آئی کہ رجوع کرنا پڑا سوائے ایک مرتبہ کے جس کا نمونہ درج ذیل ہے۔

قبرستان میں نماز جنازہ

سوال:...... ہمارے یہاں قبرستان میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، قبرستان میں ایک مزار پر عمارت بنی ہوئی ہے، اس عمارت کے باہر اس کی دیوار کے ساتھ جنازہ رکھ کر لوگ اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ وہ عمارت قبلہ رو ہوتی ہے، قدیم سے یہ سلسلہ جاری ہے، اس دوران بہت سے علماء بھی آئے، لیکن کسی نے مزار کے سامنے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا کہ وہاں نماز نہیں ہوتی، مگر ایک مولوی صاحب ایک جنازہ میں آئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ

۱؎...... حضرت رحمہ اللہ کے فتاوی ''فتاوی محمودیہ'' میں راقم کو یہ فتوی سرسری تتبع سے نہ مل سکا، البتہ ختم خواجگان کے متعلق ایک اور سوال کے جواب میں حضرت رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
جس مقصد کے لئے ختم خواجگان کیا جائے اس کے حاصل ہونے پر اس کو ترک کر دیا جائے، نیز اس پر جبر نہ کیا جائے کہ لوگ اس کو تعبدی اور دائمی امر سمجھنے لگیں۔ (بتغییر، ص ۷۶ ج ۳، جامعہ فاروقیہ، کراچی)

یہاں نماز جنازہ صحیح نہیں ہوتی، نیز ان کا کہنا ہے کہ آج تک جو بھی نماز جنازہ پڑھی گئی وہ نہیں ہوئی، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب: ...... قبرستان میں کھلی جگہ جس کے سامنے بھی قبر نہ ہوں وہ جگہ نماز جنازہ کے لئے مقرر کر لینا بہتر ہے، ایسی جگہ میسر نہ ہوسکے تو قبر کے سامنے بھی جنازہ کی نماز بلا تردد درست ہے، قبر کے سامنے رکوع سجدہ والی نماز اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں غیر اللہ کی عبادت کا شائبہ ہے، لیکن جب نماز جنازہ میت کے سامنے ہونے کے باوجود مشروع ہے تو پھر قبر کے سامنے ہونے میں کیا حرج ہے۔

''بخاری ومسلم'' کی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کا ایک ایسی قبر پر گذر ہوا جس میں بوقت شب مردہ دفن کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کب دفن کیا گیا ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ: آج ہی رات میں، آپ نے فرمایا: تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم نے اسے اندھیری رات میں دفن کیا تھا، اس وقت آپ کو جگانا ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوا، پھر آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے، ہم نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھی، چنانچہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی،

عن ابن عباس : انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ بقبر دفن ليلاً ، فقال : متى دفن هذا ؟ قالوا : البارحة ، قال : افلا اٰذنتمونى ؟ قالوا : دفناه فى ظلمة الليل فكرِهنا ان نوقظك ، فقام فصففنا خلفه فصلى عليه ، متفق عليه۔ (مشکوۃ ص ۱۴۵)

اسی لئے فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ:

کوئی میت بلا نماز دفن کر دی گئی ہو تو لاش خراب ہونے سے پہلے پہلے اس کی قبر پر نماز

جنازہ درست ہے، وان دفن بلا صلاۃ صلی علی قبرہ ' وان لم یغسل ما لم یتفسخ۔

(نورالایضاح ص۱۳۰/۱۳۱)

لہذا صورت مسئولہ میں نماز نہ ہونے کا حکم صحیح نہیں، نیز ''امداد الفتاوی'' ص ۴۷۷ و۴۷۸ مطبوعہ پاکستان ملاحظہ فرمائیں۔

احقر کا یہ فتوی ''فتاوی رحیمیہ'' گجراتی ص۱۴۵ و۱۵۰ ج ۵ میں شائع ہو چکا ہے، اس کا ترجمہ کر کے ''فتاوی رحیمیہ'' اردو ص۱۸۶ ج ۸ میں شامل کیا گیا، میرے ایک عزیز مکرم دام مجدہ، جزاہم اللہ و بارک اللہ فی علمہ و عملہ نے توجہ دلائی کہ ''امداد الفتاوی'' ص۳۷۷ ج ۱ مطبوعہ دیوبند کا مطالعہ کر لیا جائے، احقر نے ''امداد الفتاوی'' کا فتوی بغور سنا، اب احقر اپنے مندرجہ بالا فتوی سے رجوع کرتا ہے، اور ''امداد الفتاوی'' کے حوالہ سے حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا جو فتوی نیچے نقل کیا جا رہا ہے، اسے قابل عمل سمجھا جائے، ''امداد الفتاوی'' میں ہے:

تحقیق کراہت صلوۃ جنازہ در مقبرہ

میں نے ایک زمانہ میں اس کے جواز کا فتوی دیا تھا، چنانچہ تتمہ جلد اول ''فتاوی امدادیہ'' ص۴۹ پر وہ فتوی درج ہے، اور اس جواز کی تقویت میں اس سے استدلال کیا گیا تھا کہ قبر خود نعش سے زیادہ نہیں، اور نعش کے سامنے جائز ہے تو قبر کے سامنے بدرجۂ اولی جائز ہے، لیکن ایک عزیز نے شرح جامع میں یہ حدیث دکھلائی: '' نهى ان يصلى على الجنائز بين القبور'' (طس عن انس)۔

اور اس کی وجہ یہی بیان کی ہے '' فانها صلوة شرعية والصلوة فى المقبرة مكروهة تنزيها '' اور یہ بھی کہا ہے: '' اسناده حسن '' یہ اس باب میں صریح روایت ہے، اور درایت

محضہ پر روایت مقدم ہے، لہذا اس فتوی سابقہ سے رجوع کرتا ہوں، گو نماز ادا ہو جائے گی، مگر کراہت کا حکم کیا جائے گا جیسا کہ عزیزی کا قول او پر نقل کیا گیا ہے۔

پس یہی فرق قبر اور نعش میں ہو سکتا ہے کہ قبر کی پرستش معتاد ہے نعش کی معتاد نہیں، پس درایت کا شبہ بھی ساقط ہو گیا اور کراہت کا حکم محفوظ رہا، واللہ اعلم۔

(امداد الفتاوی ص ۷۳۳ ج ۱ رمع جدید حاشیہ: مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم)

حضرت کا پوری دس جلدوں میں واحد رجوع نامہ

راقم کی نظر میں مکمل ''فتاوی رحیمیہ'' میں یہ واحد مسئلہ ہے جہاں حضرت کو رجوع کرنا پڑا، حضرت کا یہ رجوع نامہ جب راقم نے پڑھا تو حضرت کی خدمت میں اس مسئلہ پر مزید تشفی کے لئے ایک عریضہ لکھا، راقم کا وہ خط اور حضرت کا جواب من وعن نقل کرتا ہوں:

قبرستان میں نماز جنازہ کے متعلق مزید وضاحت

راقم کا خط اور حضرت کا جواب

باسمہ تعالی

وقار سادات فخر گجرات حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب متع اللہ المسلمین بطول حیاتکم الطیبة بالصحة والسلامة والعافیة،

السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاته

خدا کرے مزاج سامی بخیر ہو، حضرت والا کا ہدیہ سنیہ ''فتاوی رحیمیہ'' جلد ہشتم موصول ہوا، جزاکم اللہ تعالی جزاء جزیلة فی الدنیا والاخرة عنا وعن جمیع الامة، آمین،
دوران مطالعہ (ص ۱۸٦ ج ۸) میں قبرستان میں نماز جنازہ کے متعلق ابتداءً جواز پھر عدم

جواز کی طرف رجوع اور تائید میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتوی نظر سے گذرا، اس مسئلہ میں مزید تحقیق وتشفی کے لئے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے۔

قبرستان میں نماز جنازہ کے جواز پر آنجناب کے دو فتاوی ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۳۶۲ ج ۱ اور ص: ۱۰۱ ج ۳ / پر بھی شائع ہو چکے ہیں، جن میں بچند شرائط جواز لکھا گیا ہے۔

آنجناب کے فتاوی کے علاوہ بھی چند جگہوں پر جواز ہی مرقوم ہے، مثلاً ''احسن الفتاوی'' ص ۲۱۵ ج ۴۔ ''عمدۃ الفقہ'' ۵۲۹ ج ۲ (قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا بلا کراہت جائز ہے اگر چہ قبریں سامنے ہوں، الخ) علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی قبرستان میں نماز جنازہ کے متعلق فرمایا ہے:

ولا بأس بالصلوة فيها اذا كان فيها موضع اعد للصلوة وليس فيه قبر ولا نجاسة الخ، (شامی ص ۴۲ ج ۲، قبیل مطلب تکرہ الصلوۃ فی الکنیسۃ، ط: مکتبۃ دار الباز)

بنابریں حضرت سے درخواست ہے کہ مزید تحقیق فرما کر مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

الجواب: ......حامدا ومصليا مسلما: عزیزم مولوی (مرغوب) صاحب سلمہ اللہ وبارک اللہ فی علمکم وعملکم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

آپ کا خط موصول ہوا، شوق اور توجہ سے آپ نے ''فتاوی رحیمیہ'' جلد ہشتم کا مطالعہ کیا، اس قدر دانی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں، جزاکم اللہ۔

آپ نے قبرستان میں نماز جنازہ کے متعلق جو اشکال پیش کیا ہے، اس کے متعلق عرض ہے کہ میرے رجوع کا تعلق صرف اس صورت کے ساتھ سمجھا جائے، جبکہ قبریں سامنے یا ارد گرد ہوں، اور صلوۃ بین القبور کی صورت ہوتی ہو، جیسا کہ حدیث کے الفاظ: ''نهى ان

یصلی بین القبور ’’ بھی اس پر دال ہیں، اور جب ما بین القبور نماز جنازہ ادا نہ کی جارہی ہو قبرستان میں الگ کسی خاص جگہ میں نماز جنازہ ادا کی جارہی ہو جیسا کہ بعض جگہ قبرستان میں مخصوص جگہ بنالی جاتی ہے تو ایسی جگہ نماز جنازہ بلا تکلف جائز ہے ’’فتاوی رحیمیہ‘‘ جلد اول ص ۳۶۲ ضرور ملاحظہ کرلیں، یہ جواب بہت مناسب اور جامع ہے، موقع کی مناسبت سے وہ جواب یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں ملاحظہ ہو:

جواب:......اگر قبرستان میں خالی جگہ ہو، اور سامنے قبریں نہ آتی ہوں، اور اگر آتی ہوں تو اتنی دور ہوں کہ نمازی کی نگاہ ان پر نہ پڑتی ہو، یا درمیان میں کوئی حائل ہو تو نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے، حدیث کی معتبر کتاب ’’جامع صغیر‘‘ میں ہے: ’’ نھی ان یصلی علی الجنائز بین القبور ‘‘۔

ترجمہ:......قبروں کے درمیان نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے۔ (ص ۱۸۱ ج ۲)

اور فقہ کی معتبر کتاب ’’البدائع الصنائع‘‘ میں ہے: ’’ قال ابو حنیفة ولا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور ‘‘۔ (ص ۳۱۵ ج ۲)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قبروں کے درمیان نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (البحر الرائق ص ۱۹۸ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

جب بین القبور نماز جنازہ کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے تو یہی قابل عمل ہے، اس کے خلاف قابل عمل نہ ہوگا، لہذا ’’عمدۃ الفقہ‘‘ اور ’’احسن الفتاوی‘‘ کا جواب جو مبنی بر قیاس معلوم ہوتا ہے قابل عمل نہیں ہوسکتا کما قال الشیخ المحقق التھانوی ’’یہ اس باب میں صریح روایت ہے اور درایت محضہ پر روایت مقدم ہے‘‘۔ (امداد الفتاوی ص ۳۳۷ ج ۱)

آپ کے توجہ دلانے سے مسئلہ کی تنقیح بھی ہوگئی ،اوراحقر کے فتاوی میں تطبیق بھی ہوگئی، جزاکم اللہ تعالی۔

نوٹ:.......راقم کا یہ خط اور حضرت کا جواب ''فتاوی رحیمیہ'' ص۱۰۴ ج ۹ / پر طبع ہو چکا ہے۔مرغوب

وسعت مطالعہ

حضرت والا دامت برکاتہم کو بچپن ہی سے مطالعہ کا ذوق تھا، یہی وجہ ہے کہ کم عمری میں نوساری کی جامع مسجد کی امامت پر لوگوں نے مامور فرمایا، یہ بات مشہور تھی کہ یہ نوجوان حافظ صاحب مسائل خوب جانتے ہیں،لوگ آپ سے مسائل بھی پوچھتے رہتے تھے''بہشتی زیور''اور''غایۃ الاوطار'' کا آپ نے زمانہ طالب علم کے ابتدائی دور میں مطالعہ فرمالیا تھا، بعد میں آپ کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ''فتاوی رحیمیہ'' کے دیکھنے سے ہوسکتا ہے کہ سوالات کے جوابات کے وقت کس عمدگی سے آپ کبھی قرآن کریم کی آیت،کبھی معتبر تفاسیر کے اقتباسات، کہیں احادیث نبویہ، کہیں محدثین کی تشریحات،کبھی دلائل عقلیہ، صحابہ واسلاف کے واقعات مضمون کے مناسب استشہاد وامثال ایسی دل نشین انداز سے تحریرفرماتے ہیں کہ قاری ایک سرورو فرحت محسوس کرتا ہے،اوراکتاہٹ اس کے قریب بھی نہیں آتی، بلکہ ایک مرتبہ مطالعہ شروع کرتے ہیں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

تمثیلا صرف ایک تحریر نقل کی جاتی ہے جیسے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اوران کے وارثین علماء ربانی پر ہرزمانہ میں اہل ہوی اوردشمنوں کی طرف سے کیسی کیسی الزام تراشیاں کی گئیں،حضرت رقمطراز ہیں:

''اہل حق کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش،اوران کے متعلق لوگوں کے دلوں میں نفرت

پیدا کرنے کی ناجائز حرکت کوئی نئی چیز نہیں ہے، ہمیشہ سے اہل باطل اور نفس پرستوں کا طریقہ رہا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کو گمراہ کہا گیا اور سنگسار کرنے کو کہا، حضرت ھود علیہ السلام کو احمق اور جھوٹا کہا گیا، حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے رفقاء کو منحوس ٹھہرایا گیا، حضرت لوط علیہ السلام کو جلاوطن کرنے کی دھمکی دی گئی، حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا گیا کہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ ورنہ تمہیں اور تمہارے رفقاء کو شہر بدر کر دیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نذر آتش کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شعبدہ باز اور دیوانہ بتایا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا بتا کر واجب القتل قرار دیا گیا، اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت تراشی گئی، اور ان کے حواریوں کو منحوس کہہ کر سنگساری کی دھمکی دی گئی، حضرت زکریا علیہ السلام کو دیوانہ اور جھوٹا کہا گیا اور بے حد تکلیف پہنچائی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے جتنی ایذائیں پہنچائیں گئیں اتنی کسی نبی کو نہیں پہنچائی گئیں۔

علماء ربانی چونکہ انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث ہیں، لہٰذا ضروری تھا کہ ان کو بھی ان باقیات صالحات میں سے کچھ حصہ ملتا، آپ (ﷺ) کا فرمان ہے کہ: سب سے زیادہ سخت ابتلاء انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے کہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، پھر درجہ بدرجہ جو افضل ہوتے ہیں وہ زیادہ آزمائے جاتے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، پہلے تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کو روافض نے اہل بیت کا دشمن بتلا کر کافر ٹھہرایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خوارج نے کافر ٹھہرایا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر نفس پرستوں نے قرآن مجید کی غلط تفسیر کرنے کا بہتان تراشا، حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ بت پرستوں کی سی باتیں کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مکار اور منافق کہا گیا، حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ کو منکر تقدیر کہا گیا، حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کو گمراہ، امت

کا دشمن اور امت کا شیطان کہا گیا (معاذ اللہ)، اور ان کے قتل کو ستر جہاد سے افضل بتلایا گیا۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۲۲۵ ج ۱ رسلسلہ اشاعت علوم حیدر آباد دکن)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نفس پرستوں کے ظلم کی وجہ سے طویل عرصہ (۲۵ ربرس) تک جماعت اور نماز جمعہ کے لئے گھر سے باہر نہ جاسکے، انتہاء یہ کہ ان کو سختی سے زدوکوب کیا گیا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو ''اضر من ابلیس'' (شیطان سے زیادہ نقصان دہ) کا خطاب دیا گیا، اور ایسی تہمت لگائی گئی کہ لوگ لعنت کرتے، اور گالیاں دیتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر حق بات کہنے کی پاداش میں قید خانہ میں روزانہ اس قدر کوڑے برسائے جاتے کہ بے ہوش ہوجاتے تھے، ساتھ ساتھ لوگ طمانچے مارتے اور منہ پر تھوکتے تھے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر مصر سے نکال دیا گیا تھا۔ حضرت محمد بلخی رحمہ اللہ کے گلے میں رسّی ڈال کر شہر سے نکال دیا گیا۔ حضرت امام نسائی رحمہ اللہ بدعتیوں کے ہاتھوں خانۂ خدا میں شہید ہوئے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے اقوال اور احوال کو خلاف شرع بتلایا گیا۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی کتابوں کو جلا ڈالنا فرض اور آپ پر لعنت برسانا کار ثواب بتلایا گیا۔ حضرت امام ابوبکر نابلوسی رحمہ اللہ کی کھال کھینچی گئی۔

حضرت جنید بغدادی، حضرت تاج الدین سبکی، حضرت امام بخاری، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شبلی رحمہم اللہ پر کفر کے فتوے لگائے گئے، اور ان کے ساتھ بیٹھنے کو گناہ ٹھہرایا گیا حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کے متعلق کہا گیا کہ ''کفرہ اشد من کفر

الیھود ''(ان کا کفر یہود ونصاریٰ کے کفر سے زیادہ سنگین ہے) اہل سنت کے امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کو صریح الفاظ میں کافر اور ملحد کہا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نفس پرستوں کے ظلم سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

تصدیق نامہ لکھنے میں احتیاط اور ایک واقعہ

دینی ادارے و مساجد کے چندے کے سلسلہ میں سفراء اکثر اکابر کے تصدیق نامے ساتھ لاتے ہیں، یہ تصدیق نامہ ایک شہادت ہے، اس میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا ایک واقعہ میرا چشم دید ہے نقل کرتا ہوں۔

کشمیر سے ایک صاحب آئے حضرت والا نے خیر وعافیت پوچھی مہمان نوازی فرمائی، پھر دریافت فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ مہمان نے کہا کہ: میرا مدرسہ ہے، اور میں چندہ کے لئے سنگاپور وغیرہ مقامات پر جاتا ہوں، تو لوگ آپ کا تصدیق نامہ طلب کرتے ہیں، اس لئے حاضر ہوا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ: بھئی! دیکھو یہ شہادت ہے، اور میں نے تمہارا نہ مدرسہ دیکھا ہے نہ تمہیں اور تمہارے مدرسہ کو جانتا ہوں، اس لئے معذور ہوں، وہ صاحب کچھ زیادہ ہی اصرار کرنے لگے، حضرت نے سختی سے منع فرما دیا۔

پھر اس کا حل بتلایا کہ میں علماء گجرات کے چند نام بتلاتا ہوں ان میں کسی ایک دو کو آپ دعوت دیں اور وہ مدرسہ دیکھ کر اپنے تأثرات لکھ دیں میں ان پر تائیدی کلمات لکھ کر دستخط کر دوں گا، وہ صاحب اس بات پر راضی نہ ہوئے اور رخصت ہو گئے۔

مہمان نوازی

حضرت کی مہمان نوازی ضرب المثل تھی، آپ کی شہرت کی وجہ سے دور دور سے لوگ حاضر ہوتے، حضرت ہر ایک کی مہمان نوازی فرماتے، راقم نے متعدد مرتبہ حضرت کے

دسترخوان پرحضرت کی معیت میں کھانے کی سعادت حاصل کی ہے۔

مہمان نوازی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب آپ کے والد محترم مولانا سید عبدالکریم صاحب کا انتقال ہوا، ایک طرف جنازہ اور نماز وتدفین کی مصروفیت اور مہمانوں کا ہجوم، حضرت نے میرے والد صاحب مدظلہم سے فرمایا: بھائی نماز کے بعد کھانا کھا کر جانا

....

اب حضرت اقدس کے خادم خاص ومعتمد حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب مدظلہم کے جمع فرمودہ چند اوصاف کومن وعن نقل کرتا ہوں، موصوف رقمطراز ہیں:

رد بدعات

حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نہ صرف تحریر اور فتوی کے لحاظ سے، بلکہ عملی طور پر رد بدعات میں پیش پیش رہے ہیں، اور رسوم ورواج اور بدعات ختم کرنے میں کافی زحمت اٹھائی، اور بڑی استقامت اور ثابت قدمی سے کام لیا، آپ سنت کے ازحد شیدائی اور متبع ہیں، اور آپ اپنے قول وعمل سے اتباع سنت کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اور آپ کو اس کی بڑی فکر رہتی ہے، اکثر آپ فرماتے ہیں کہ آجکل عموماً شادی، غمی، موت میت وغیرہ مواقع میں رسم ورواج کی پابندی کی جاتی ہے، اور اتباع سنت کا خیال نہیں کیا جاتا ''فتاویٰ رحیمیہ'' میں کئی فتاوی اس مضمون پر مشتمل چھپے ہوئے ہیں، اور ایک مستقل رسالہ ''اسلام میں سنت کی عظمت اور بدعت کی قباحت'' اردو اور گجراتی اور انگریزی میں ہزاروں کی تعداد میں چھپ چکا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۳۳۷ ج ۱۰)

اپنے بزرگوں سے عقیدت

اکابر علماء دیوبند جن کو اللہ تبارک وتعالی نے منہاج نبوت پر جماؤ، اتباع سنت، احیاء

علوم اور اشاعت دین اور قرآن وحدیث سے لگاؤ اور علوم قرآن وحدیث میں کامل دستگاہ اور اس کی خدمت کا جو حصہ عطا فرمایا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، ان اوصاف حمیدہ کی بنیاد پر اکابر علماء دیوبند محدثین ومفسرین اور اولیاء کاملین کے زمرہ میں شامل ہیں، حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی ودامت برکاتہم کو ان بزرگوں سے بے حد عقیدت ہے، اہل بدعت کی طرف سے جب ان بزرگوں کو بدنام کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور گجرات میں بھی عوام الناس کو ان کی طرف سے بدظن کرنے کی ناکام کوششیں ہوئیں تو حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی غیور طبیعت نے اسے برداشت نہ فرمایا، اور اس موضوع پر آپ نے بہت کچھ لکھا، علماء دیوبند کی علمی خدمات کو اجاگر فرمایا، ان کی علمی وعملی جلالت شان کو آشکارا فرمایا، چنانچہ اس سلسلہ کا ایک فتوی ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۱۰ تا ۱۳ ج ا ر پر چھپا ہوا ہے، جس کا عنوان ہے:

''علماء دیوبند اور تبلیغی جماعت کے متعلق رضاخانیوں کا غلط پروپگنڈا''۔

ایک اور تفصیلی جواب ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۱۵ تا ۵۳ ج ۶ ر پر چھپا ہوا ہے، جس کا عنوان ہے: ''مولوی احمد رضا خان صاحب کا اکابر علماء دیوبند پر کذب وافتراء اور اس کا مفصل جواب''۔

یہ تفصیلی جواب قابل مطالعہ ہے، بہت سے تاریخی دستاویز اس میں درج ہیں، یہ تفصیلی جواب تو بعد میں مرتب ہوا ہے، اس سے کئی سال قبل مضامین کی صورت میں گجراتی میں ان مضامین کو شائع فرمایا تھا، اور لوگوں کو حقیقت حال سے واقف کیا کہ اہل بدعت کی کفر سازی کا سلسلہ کہاں تک پہنچتا ہے، اور خود آپ بھی اس کی زد میں تو نہیں آ گئے؟ پھر آخری سالوں میں ایک اور رسالہ مرتب فرمایا جس کا نام ہے ''بزرگان دین کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ'' یہ رسالہ گجراتی زبان میں ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا گیا، تاکہ لوگوں کو

اصل حقیقت کا علم ہو اور ” من عادی لی ولیا فقد اٰذنته بالحرب“ (أو کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) کا مصداق نہ بنیں، اور اپنی دنیا وعقبیٰ کو برباد نہ کریں۔

دین کا غم، فتنوں کا انسداد اور چند اہم علمی خدمات

حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی و دامت برکاتہم کی ایک خصوصیت اور ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ جب بھی امت کی شرعی رہنمائی کی ضرورت پیش آئی اور سورت' بھروچ' بلساڑ وغیرہ میں جو بھی فتنہ اٹھا، فتنوں کا زمانہ ہے نئے نئے فتنے اٹھتے ہیں ایک ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا سر اٹھالیتا ہے، انہی حالات کو دیکھ کر حضرت مفتی صاحب مدظلہم اکثر فرماتے ہیں ؎

تن ہمہ داغ داغ شد　　پنبہ کجا کجا نہم

بہر کیف جو بھی فتنہ اٹھتا ہے اور امت کو اس سے متأثر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تو حضرت مفتی صاحب بے حد متفکر اور بے چین ہو جاتے ہیں، اس بے چینی اور اضطرابی کیفیت کو الفاظ کا جامہ پہنانا مشکل ہے، اس اضطراب کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو دین کا درد اور امت کا غم ہو، اور آج بھی بستر علالت پکڑنے اور صاحب فراش ہونے کے باوجود چوبیس گھنٹے دین کی فکر رہتی ہے، خود بھی متفکر رہتے ہیں، اور جو علماء کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں ان کو بھی متوجہ فرماتے رہتے ہیں۔

جس زمانہ میں اہل بدعت نے فتنہ انگیزی شروع کی، اور عوام کو گمراہ کرنا شروع کیا تو بڑے استقلال کے ساتھ اس فتنہ کی سرکوبی کی، اور بہت سے مسائل کے تشفی بخش جوابات تحریر فرمائے جو” فتاوی رحیمیہ“ کی مختلف جلدوں میں ” رد بدعات“ کے تحت چھپے ہوئے ہیں۔

غیر مقلدوں نے سر اٹھایا اور فتنہ پھیلانا شروع کیا، بیس رکعت تراویح کا مسئلہ اٹھا کر

لوگوں کو رمضان المبارک کی خاص عبادت ''تراویح'' سے محروم کرنے کی کوشش کی تو اس مسئلہ پر کئی ایک فتاوی تحریر فرمائے، اور گجراتی زبان میں ان تمام فتاوی کا مجموعہ رسالہ کی صورت میں ہزاروں کی تعداد میں شائع فرمایا، پھر اردو میں ان تمام کا ترجمہ کیا گیا اور ''فتاوی رحیمیہ'' میں تفصیلی جواب ص۲۸۲ تا ۳۴۳ ج ۱/ پر طبع ہو چکا ہے، اور ابھی ایک دیڑھ سال قبل ایک اور رسالہ اردو میں بنام ''بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے'' شائع فرمایا۔

مسئلہ تقلید اور اس کی شرعی حیثیت پر تفصیل سے کلام فرمایا ''ماہنامہ حیات'' کی کئی قسطوں میں یہ جواب گجراتی میں شائع ہوتا رہا ہے، اور اس کے بعد اسے مرتب کر کے گجراتی میں رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا جس کا نام ''تقلید شرعی'' ہے، گجراتی زبان میں اس موضوع پر اتنا بسیط رسالہ غالباً یہ پہلا ہے، اس کے بعد اس میں اضافہ کے ساتھ اردو میں بھی یہ پورا مضمون رسالہ کی صورت میں بنام ''تقلید شرعی کی ضرورت'' شائع کیا جو تقریباً ۱۶۰/ صفحات پر مشتمل ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے اسے بہت ہی پسند فرمایا اور عربی میں اس کے ترجمہ کی خواہش ظاہر فرمائی، الحمد للہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی یہ خواہش اللہ پاک نے پوری فرمائی، اور اس رسالہ کا عربی ترجمہ ''التقليد الشرعي ضرورته و اهميته'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، جس پر خود حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے قیمتی اور بے حد مفید مقدمہ تحریر فرمایا، اس طرح اس پر مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہم کی قیمتی تقدیم بھی ہے، ترجمہ کی خدمت حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی کے مدرسہ ''جامعۃ الرشاد'' کے ایک استاذ مولانا محمد معصوم ظفر نے کی ہے، جزاھم اللہ خیرا الجزاء۔

اردو والا پورا رسالہ ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۱۲۹ تا ۲۴۷ ج ۴/ پر چھپا ہوا ہے، جس کا عنوان یہ ہے: ''تقلید شرعی یعنی ائمہ کی تقلید'' ''تقلید کی ضرورت اور تقلید ائمہ اربعہ کے وجوب پر امت کا اجماع''۔

اس کے بعد اس موضوع پر ایک اور رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ہے ''تقلید شرعی اور علماء امت'' یہ رسالہ ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۶۲ تا ۱۰۸ ج ۱۰/ پر چھپا ہوا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ جو مسلم محدث جلیل اور استاذ العلماء ہیں، ان کے متعلق یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ ان کا تعلق بھی ہماری جماعت سے ہے، اور وہ بھی دائرۂ تقلید سے باہر ہیں، اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتابوں کے حوالوں سے ایک جواب مرتب فرمایا، اور تقلید کی اہمیت وضرورت پر حضرت شاہ صاحب کی تحریر اور اپنے متعلق جو تحریر فرمایا ہے ان تمام باتوں کو مرتب کر کے ایک رسالہ شائع فرمایا، جس کا نام ہے ''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور تقلید ائمہ'' نیز ایک اور جواب بھی مرتب فرمایا جو ''فتاوی رحیمیہ'' میں ص ۴۸ تا ۵۸ ج ۸/ پر چھپا ہوا ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ اٹھایا گیا تو اس کا بھی ایک تشفی بخش جواب مرتب فرمایا جو ''فتاویٰ رحیمیہ'' ص ۳۳۵ تا ۳۹۶ ج ۵/ پر چھپا ہوا ہے، جس کا عنوان ہے: ''ایک مجلس کی تین طلاقیں قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ وتابعین کی روشنی میں''۔

مجلس تحفظ اسلام

بہت ہی خفیہ انداز میں بڑی خاموشی کے ساتھ جماعت اسلامی کے افراد نے سورت اور اطراف میں لوگوں کی ذہن سازی شروع کی، ان کو اپنا مسموم لٹریچر پہنچایا، اور کچھ متمول حضرات کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی، قریب تھا کہ سورت میں جماعت اسلامی کی

آفس کھول دی جاتی، حضرت مفتی صاحب مدظلہم اور راندیر کے دیگر علماء کو یہ خبر پہنچی تو حضرت مفتی صاحب اور علماء میں مشورہ ہوا اور اس فتنے کے انسداد کی تدبیریں سوچی گئیں، جن لوگوں کو ہدف بنایا گیا تھا، ان حضرات کو حضرت مفتی صاحب اور راندیر کے دیگر اکابر مثلاً: حضرت مولانا رضا اجمیری صاحب اور حضرت مولانا احمد اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد اشرف صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالغنی کاوی، حضرت مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا وغیرہ حضرات نے سمجھایا، اور ان کو اس جماعت کے غلط عقائد اور ان کی ضلالت و گمراہی سے واقف فرمایا، حضرت مفتی صاحب اور ان بزرگوں کی کوشش اور فکر کے نتیجہ میں جماعت کا قلع قمع ہوا اور ان کی کوشش ناکام ہوئی، اور اس وقت بزرگوں کے مشورہ سے ''مجلس تحفظ اسلام'' قائم کی گئی، اور باتفاق رائے حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کو اس کا صدر منتخب کیا گیا، اور اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور رسالے تصنیف فرمائے۔

(۱)......تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم۔ (یہ پورا رسالہ ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۱۶ تا ۴۷ ج ۴ میں ہے) اس کا گجراتی اور انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا اور ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا اور الحمدللہ اس سے کافی فائدہ ہوا۔

(۲)......حضرات صحابہ معیار حق ہیں۔ (یہ رسالہ بھی ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۹۷ تا ۹۴ ج ۴/ پر چھپا ہوا ہے)۔

(۳)......تفسیر بالرائی کا شرعی حکم۔ (یہ رسالہ بھی ''فتاوی رحیمیہ'' ۱۱۹ تا ۱۲۸ ج ۴/ میں ہے)

(۴)......مودودیت کے گمراہ کن لٹریچر۔

اس موضوع پر دیگر علماء کرام مثلاً: مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب مدظلہم وغیرہ کے

رسالے بھی شائع ہوئے، اور اس وقت جو علماء کرام تھے ان تمام کے دستخط کے ساتھ اس جماعت کے متعلق گجراتی زبان میں ایک متفقہ فیصلہ بھی شائع ہوا، اور اس کے ساتھ ساتھ حضرات علماء کرام نے اپنی تقاریر و بیانات میں بھی اس کی ضلالت و گمراہی کو آشکارا فرمایا، جن میں حضرت مولانا احمد اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب، حضرت مولانا سید ابرار احمد، حضرت مولانا رفیق احمد بروڈوی صاحب قابل ذکر ہیں۔

''مجلس تحفظ اسلام'' کے تحت کوسمبا اور بروڈہ میں تاریخی اجلاس بھی ہوئے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت مفتی صاحب مدظلہم اور ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کی برکت سے سورت، بھروچ اور بلساڑ میں جماعت اسلامی اپنی آفس نہ کھول سکی، اور بفضلہٖ تعالیٰ لوگ اس کی ضلالت اور گمراہی سے محفوظ رہے، اس موضوع پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے ایک دو رسالے ماضی قریب میں شائع ہوئے ہیں: ''عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم'' نمبر: ۱/ اور نمبر: ۲/ ''اپنے عقائد کی حفاظت کیجئے''۔

امیر شریعت

گجرات میں جمعیۃ علماء ہند کے ماتحت امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا، امیر شریعت کا مسئلہ زیر غور تھا، سب کی نظر انتخاب حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی پر پڑی، مگر حضرت مفتی صاحب اپنی پیرانہ سالی اور دیگر مصروفیات کا عذر پیش فرماتے رہے، حضرت مولانا عبد الصمد وانکانیری مرحوم اور دیگر حضرات نے بڑے اصرار کے ساتھ آپ کو رضامند کرلیا اور باتفاق رائے آپ گجرات کے امیر شریعت بنائے گئے۔

ان کے علاوہ جب بھی امت کو کسی مسئلہ میں شرعی رہنمائی کی ضرورت پیش آئی تو حضرت مفتی صاحب کو اللہ پاک نے اس کے لئے منتخب فرمایا، اور تحریر کے میدان میں اللہ

نے آپ سے خدمت لی۔

ایک وقت گجرات میں ایک ’’باپو‘‘ کا بڑا چرچا ہوا، اور جوق در جوق لوگ اس کے پاس پہنچ رہے تھے، لوگوں کی عجیب حالت تھی، گویا ایک سیلاب تھا جس میں لوگ بہے جا رہے تھے، پھر ہوتے ہوتے یہ حالت ہوگئی کہ ان کے دورے ہونے لگے، اور جہاں وہ جاتے بڑے بڑے میدان میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ پانی کی بوتل لیکر حاضر ہوتے، اور وہ اپنے مقام سے پڑھ کر پھونک مارتے اور لوگ اپنے اپنے مقام پر بوتل کھول لیتے اور پھر بند کر لیتے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں شفاء ہے، جائز عملیات تعویذ جھاڑ پھونک سے علاج کیا جا سکتا ہے، مگر جب لوگوں کے عقائد خراب ہونے لگیں، اور توحید میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ ہونے لگے، اور لوگوں کی نظر اللہ کی ذات عالی سے ہٹ کر اسی پر آنے لگے، تو اس وقت ان چیزوں کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، لوگوں نے اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم سے سوالات بھی پوچھے، تو حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے بلاخوف لومۃ لائم گجراتی زبان میں ایک رسالہ شائع فرمایا، جس کا نام ’’باپو پرستی‘‘ تھا، اور لوگوں کی شرعی رہنمائی فرمائی، اس کے بعد اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہوا اور یہ پورا جواب فتاوی رحیمیہ ’’۲ تا ۱۲ ج ۴ ‘‘ پر چھپا ہوا ہے، جس کا عنوان ہے ’’ولی ہونے کا معیار کیا ہے؟ جو شخص پابند شریعت نہ ہو وہ ولی ہوسکتا ہے؟ اگر ایسے شخص سے خرق عادت کوئی چیز ظاہر ہو تو اسے کرامت کہیں گے؟

اولاد کی تعلیم وتربیت

بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی بڑی توجہ رہتی ہے، اور اس کی بے حد فکر فرماتے ہیں، اس سلسلہ میں لوگوں کو متوجہ فرماتے رہتے ہیں، لوگوں کے

دلوں میں دینی تعلیم کی اہمیت کم ہوتی جا رہی ہے، دنیوی تعلیم اور بڑی بڑی ڈگریوں کی اہمیت ہے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے بہت کچھ لکھا اور لوگوں کو متوجہ فرمایا، چنانچہ اس موضوع پر ایک بہترین جواب ''فتاوی رحیمیہ'' ۱۱۱ تا ۱۱۹ ج ۴؍ پر چھپا ہوا ہے، جس کا عنوان ہے: ''اولاد کو دینی علم سے جاہل رکھنے کی ذمہ داری والدین پر ہے''۔

ایک اور مفید جواب تحریر فرمایا وہ بھی ''فتاوی رحیمیہ'' ۴۶ تا ۵۶ ج ۹؍ پر چھپا ہوا ہے، اس کا عنوان ہے: ''دینی تعلیم پر دنیوی تعلیم کو ترجیح دینے کی مذمت''۔

ایک اور جواب تحریر فرمایا جو رسالہ کی صورت میں شائع ہوا، اور یہ رسالہ ''فتاوی رحیمیہ'' ۴۱ تا ۵۹ ج ۱۰؍ پر چھپا ہوا ہے، جس کا عنوان ہے: ''بچوں کی تعلیم وتربیت کی اہمیت اور اس کا طریقہ''۔

ایک موقعہ پر بچوں کی تعلیم وتربیت کی ضرورت اور اہمیت بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: فی زماننا شاندار شاندار مساجد بنانے کے بجائے بچوں کی دینی تعلیم پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے، اگر بچے دین سے ناواقف اور جاہل رہے تو ان کا ایمان خطرہ میں ہے، اور اس کی پوری ذمہ داری ہم پر ہوگی، قرآن وحدیث میں بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے اور ان کو دین سے واقف کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۲۱۹ ج ۹)

سورت میں طاعون پھیلا اور غیروں کے عقیدہ مرض کی تعدی کا اثر کچھ کچھ مسلمانوں میں بھی ہوا، اور اس سلسلہ میں شرعی رہنمائی کی ضرورت پیش آئی تو اس اہم موضوع پر بھی جم کر لکھا، جس سے اسلامی نظریہ ابھر کر سامنے آیا اور عقائد کی اصلاح ہوئی، یہ مفید وعلمی جواب بھی ''فتاوی رحیمیہ'' ۳۳ تا ۴۷ ج ۸؍ پر چھپا ہوا ہے، جس کا عنوان ہے: ''طاعون سے متعلق اسلامی تعلیمات''۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد فسادات کا سلسلہ شروع ہوا، سورت میں بھی خطرناک فساد ہوا، مسلمانوں میں عجیب کیفیت تھی، اس نازک موقعہ پر مسلمانوں کو ہمت دلائی اور رجوع الی اللہ، استغفار کی طرف متوجہ فرمایا، اور ایک مفید فتوی تحریر فرمایا جو'' فتاوی رحیمیہ'' ۷۶ تا ۸۹ ج ۸ر پر چھپا ہوا ہے جس کا عنوان ہے: '' وبال الٰہی کے اسباب اور ان کا علاج'' یہ جواب گجراتی رسالہ کی صورت میں بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا، اور حال میں حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب دیوان دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سلیمان بوڈیات دامت برکاتہم کی زیرنگرانی انگریزی میں بھی شائع ہوا ہے، جزاھم اللہ۔

اس زمانہ میں حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب اور مفتی عباس بسم اللہ مدظلہما روزانہ شام کو مدرسہ کے بعد قریہ قریہ تشریف لیجاتے، اور مسلمانوں کو رجوع الی اللہ وغیرہ کی ترغیب دیتے، بیان فرماتے، جس سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ ہوا، جزاھم اللہ۔

قرآن وحدیث میں صلہ رحمی کی بے حد تاکید اور قطع رحمی پر سخت وعیدیں آئی ہیں، بہت سے سعادت مند بندے ان تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر صلہ رحمی کی برکات سے مالا مال ہو رہے ہیں، مگر بہت سے لوگ معمولی معمولی بات پر تعلقات توڑ بیٹھتے ہیں، اور برسوں قطع رحمی کے شکار رہتے ہیں، جس کا اثر اسلامی معاشرہ پر پڑنا لازمی ہے، حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی لطیف اور نازک طبیعت نے معاشرہ کی اس بیماری کا احساس فرمایا، اور اس موضوع پر بہت ہی مفید تفصیلی جواب مرتب فرمایا، اور رسالہ کی صورت میں اسے شائع فرمایا جس کا نام ہے: '' صلہ رحمی کی عظمت'' گجراتی میں بھی اس کا ترجمہ شائع ہوا، اور الحمد للہ اس سے لوگوں کو فائدہ ہوا، رسالہ پڑھ کر برسوں کی کشیدگی ختم ہوئی، اور جو ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے تیار نہ تھے الحمد للہ وہ آپس میں گلے ملے، اور شیر وشکر بن کر زندگی گذار رہے ہیں، اور

صلہ رحمی کی برکات سے متمتع ہور ہے ہیں، یہ پورا رسالہ ''فتاوی رحیمیہ'' می ص۳۳۲ تا ۳۹۰ ج۹/ پر چھپا ہوا ہے، جس کا عنوان ہے: ''قرآن وحدیث کی روشنی میں رشتہ داروں سے صلہ رحمی کی برکت وفضیلت اور قطع رحمی کی مذمت اور وعید شدید''۔

اور اس رسالہ کے آخر میں ایک بہت اہم بات کی طرف امت کو متوجہ فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ وارثوں کو حق پورا پورا ادا کیا جائے، بہنوں کو میراث سے محروم نہ کیا جائے، اس پر اہل ایمان کو متوجہ ہونے کی سخت ضرورت ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب بھی امت کی شرعی رہنمائی کی ضرورت ہوئی اور امت میں عقیدہ یا عمل کے اعتبار سے کمزوری پیدا ہوئی تو حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اس شرعی ضرورت کو محسوس فرمایا، اور الحمد للہ امت کی رہنمائی فرمائی، اللہ پاک پوری امت کی طرف سے حضرت مفتی صاحب مدظلہم کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں، اور ایک ایک حرف قبول فرمائیں، اور امت کی ہدایت کا ذریعہ اور امت کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، اور ان تمام علمی خدمات کو آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں، اور اپنی رضاء کامل عطا فرمائیں، اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ: میرے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالی وقت موعود پر حسن خاتمہ نصیب فرمائیں، اور اللہ تعالی مجھ سے راضی ہوجائیں، یہ وہ دعائیں ہیں جن کا ہر مومن محتاج اور خواہش مند ہے، اللہ تعالی اپنے فضل اور حضور ﷺ کے صدقہ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم و مدظلہم العالی کو بھی اور ہم میں سے ہر ایک کو حسن خاتمہ اور اپنی رضاء عطا فرمائیں، اللھم آمین ' بحرمة النبی صلی الله علیه وآله و صحبه و سلم تسلیماً کثیرا کثیرا۔

اپنے ناقص علم کے مطابق چند خدمات بطور نمونہ ذکر کردی ہیں، ورنہ اللہ تعالی نے آپ

سے کیا کیا خدمات لیں اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے یہ تمام علمی، اصلاحی کام اپنے دولت کدہ پر رہتے ہوئے انجام دیئے ہیں ''دارالافتاء رحیمیہ'' یہ حضرت ہی کے آشیانہ میں ہے ''مکتبہ رحیمیہ'' یہ بھی حضرت کے گھر ہی میں ہے، برسوں سے فتاوی کا جو عظیم کام کر رہے ہیں یہ عظیم الشان خدمت بھی گھر پر رہ کر ہی فرمائی ہے، رسالوں کا شائع کرنا، فتاوٰی کی اشاعت، سوالات کے جوابات، علماء کرام کی تشریف آوری اوران سے اہم اہم مشورے، مہمانوں کی آمد اور ان کی مہمان نوازی، یہ سب عظیم الشان امور حضرت مدظلہم کے دولت کدہ پر ہی انجام پاتے ہیں، گویا آپ کی ذات ''ایک انجمن'' ہے آپ کی تنہا شخصیت (ایک عظیم ادارہ) ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ منجانب اللہ انتخاب ہے، ورنہ گھر پر رہ کر اتنے عظیم الشان کام انجام دینا معمولی بات نہیں ہے۔﴿ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ﴾

علماء کبار کی تشریف آوری

اللہ تعالی نے حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کو مرجعیت ،محبوبیت کی شان عطا فرمائی ہے، ماضی قریب اور زمانۂ حال میں ہندوستان کی جو عظیم شخصیتیں اور علماء کبار گذرے ہیں ان میں سے کسی کی بھی سورت یا اطراف سورت تشریف آوری ہوئی ہو، تو وہ حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کی ملاقات کے لئے ضرور تشریف لائے، بلکہ ان کے پروگرام میں یہ بھی داخل ہوتا ہے (عموما)۔

چنانچہ حضرت اقدس حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً سورت اور ڈابھیل تشریف لاتے تو حضرت مفتی صاحب کے دولت کدہ پر ضرور تشریف لاتے، اور جس وقت حضرت تشریف لاتے اور دونوں بزرگوں (جو اپنے اپنے اعتبار سے، مفتی اعظم

ہیں) کی ملاقات ہوتی، اور دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے، منظر قابل دید ہوتا، اور حاضرین وخدام کو عملی طور پر تواضع اور بزرگوں کے احترام کا منظر آنکھوں سے دیکھنا نصیب ہوتا، ایک مرتبہ حضرت مفتی محمود صاحب تشریف لائے اور حضرت کی کار حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے دولت کدہ کے دروازہ پر رکی تو حضرت مفتی صاحب استقبال کے لئے باہر تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے حضرت سے مصافحہ فرمایا، اس کے بعد حضرت مفتی محمود صاحب کا ہاتھ تھام کر چلنے لگے تو حضرت مفتی محمود صاحب نے فرمایا: ''حضرت! جس طرح یہاں ہاتھ پکڑا ہے، اسی طرح میدان حشر میں بھی ہاتھ پکڑ کر لے چلنا'' اللہ اکبر کیا اخلاص ہے، اور کس قدر ایک دوسرے کا احترام، اللہ پاک ہمیں بھی اس پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے، اور میدان حشر کی سختیوں کو اپنے حبیب پاک ﷺ اور ان بزرگوں کی طفیل آسان فرمائیں، آمین۔

مسیح الامت حضرت اقدس حضرت مولانا مسیح اللہ رحمہ اللہ کا گجرات کا سفر ہوا اور سورت اور راندیر تشریف لائے تو حضرت بھی حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے دولت کدہ پر تشریف لائے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مرحوم خاص طور پر راندیر تشریف لائے، اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مکان پر قیام فرمایا۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری حافظ برادرس کے یہاں سورت اکثر تشریف لاتے تو اہتمام سے حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی ملاقات کے لئے راندیر تشریف لاتے۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی جب بھی سورت تشریف لاتے تو کسی بھی طرح وقت نکال کر راندیر تشریف لاتے، اور بڑی محبت اور احترام سے

حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی ملاقات فرماتے۔

حضرت مولانا عمران خاں صاحب بھوپالی اکثر جناب عبدالحفیظ منیار صاحب حافظ برادرس کے یہاں تشریف لاتے تو مرحوم بھی راندیر ضرور تشریف لاتے۔

تین چار سال قبل احمد آباد میں ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا عظیم الشان اجلاس ہوا، خطبۂ استقبالیہ کے لئے اور مجلس استقبالیہ کی صدارت کے لئے مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں کی نظر انتخاب حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم پر پڑی، اولاً مفتی احمد صاحب آمادہ نہ تھے، حضرت مفتی احمد صاحب اس ذمہ داری کو قبول فرمالیں اس کے لئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ صدر مسلم پرسنل لا بورڈ کا گرامی نامہ حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے نام آیا تو حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدظلہم کی ترغیب اور ہمت افزائی پر حضرت مفتی احمد صاحب نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی، اور اجلاس میں خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا، اور اس ذمہ داری کو اپنی خداداد صلاحیتوں اور بزرگوں کی توجہات اور دعاؤں سے بڑے عمدہ انداز سے پورا فرمایا، جس پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ دار حضرات بہت ہی خوش ہوئے۔ اجلاس سے واپسی پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہم اپنے رفقاء کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کو مبارک بادی پیش کرنے اور شکریہ ادا کرنے اور ملاقات کے لئے راندیر حضرت کے دولت کدہ پر تشریف لائے۔

محی السنہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب مدظلہم العالی مولانا یعقوب اشرف صاحب کی دعوت پر دارالعلوم اشرفیہ میں تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی ملاقات کے لئے حضرت کے مکان پر تشریف لائے، جب اٹھ کر واپس تشریف

لیجانے لگےتو چارپائی کے پاس ٹھیر گئے، خود بھی کھڑے تھے اور جملہ خدام وحاضرین بھی کھڑے تھے تو حضرت کو ایک دعا یاد آئی اور ارشاد فرمایا: میں ایک دعا پڑھتا ہوں آپ سب حضرات آمین کہیں، پھر یہ دعا سات مرتبہ پڑھی: ''اسأل اللہ العظیم رب العرش العظیم اَن یشفیک ''اور ارشاد فرمایا کہ: حدیث میں اس دعا کہ متعلق حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: سات مرتبہ اس دعا کے پڑھنے سے انشاءاللہ مریض کو شفا ہوگی، ہاں اگر اس کی موت کا وقت آ گیا ہو تو دوسری بات ہے، اور فرمایا کہ: یہ ہماری مجرب دعا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے لاعلاج مریضوں کو شفاء عطا فرمائی ہے۔

نوٹ:...... یہ دعا ''مشکوٰۃ شریف''ص ۱۳۵''باب عیادت المریض ''میں ہے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہم بھی سفر سورت کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضری کا اہتمام فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا طلحہ صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی، حضرت مولانا سلمان صاحب ، حضرت مولانا سالم صاحب ،حضرت مولانا انظر شاہ صاحب،حضرت مولانا قمر الزمان صاحب،حضرت مولانا ابراہیم دیولوی صاحب،حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب وغیرہ علماء کرام مختلف علاقوں سے تشریف لاتے رہتے ہیں، نیز علماء گجرات اور مختلف مدارس کے مدرسین حضرات اور طلبہٗ عزیز وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی عمر مبارک میں برکت عطا فرمائیں اور آپ کے ظل عاطفت کو ہم سب پر عافیت، صحت کے ساتھ قائم دائم رکھیں، اور حضرت کے فیوض وبرکات کو جاری وساری رکھیں۔ آمین بحرمة النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ و سلم

انتہی: تحریر مولانا مفتی اکرام الحق صاحب دامت برکاتہم

غیر مقلد مولوی عبدالجلیل سامرودی کے ایک پمفلٹ کا تعاقب اور کورٹ میں حضرت کی تقریر

علاقۂ سورت کے ایک غالی غیر مقلد مولوی عبدالجلیل نے فقہ حنفی کی چند عبارتوں کا نا مناسب، بلکہ گندے اور بازاری الفاظ میں ترجمہ کر کے ایک پمفلٹ شائع کیا، اور لوگوں کو فقہ حنفی سے متنفر کرنا چاہا، اس سلسلہ میں حضرت والا کی کامیاب کوشش اور پمفلٹ کے منہ توڑ تعاقب سے یہ فتنہ دب گیا، حضرت والا نے اس موقع پر کورٹ میں خود حاضر ہو کر تقریراً بھی تمام باتوں کو بالتفصیل بیان فرمایا، اس واقعہ کی مختصر روداد حضرت والا نے ''فتاوی رحیمیہ'' ص۲۴۴ ج ۴ ر میں تحریر فرمائی ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''مولوی عبدالجلیل سامرودی غالی درجہ کے غیر مقلد تھے، اور انہوں نے اپنی فتنہ انگیز طبیعت کی وجہ سے حد سے زیادہ فتنہ پھیلایا، اور لا مذہبیت (یعنی غیر مقلدیت) کی اشاعت میں اور مذہب حنفی کو بدنام کرنے اور کتب فقہ سے عوام الناس کو بدظن کرنے کی جان توڑ کوشش کی، ان کا بمقام ڈابھیل متکلم اسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے ساتھ مناظرہ بھی ہوا، جس کے دیکھنے والے آج بھی بکثرت بقید حیات ہیں، خود احقر بھی اس مناظرہ میں شریک تھا، سامرودی صاحب بڑے دعوے کرتے تھے، اور بڑے طمطراق کے ساتھ بیل گاڑی میں کتابیں بھر کر ڈابھیل پہنچے تھے، مگر اس مناظرہ میں مجمع عام میں ایک لفظ نہ کہہ سکے، اور بالکل لا جواب ہو کر وہاں سے نکلے۔

مگر اس کے بعد بھی اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہ آئے، اور ایک پمفلٹ شائع کیا گیا جو ان کی طرف منسوب تھا، اور آخر میں ان کا نام درج تھا، لوگوں کو کتب فقہ سے بدظن کرنے اور ان کتابوں کو فحش لٹریچر ثابت کرنے کی غرض سے غسل اور روزے وغیرہ کے

مسائل کے متعلق چند عربی عبارتوں کا: مثلاً:

(۱)......ولو وطی میتة أو بهيمةً وهو التفخيذ أو قبل أو لمس ان انزل قضى و الّا فلا۔(شرح الوقایہ ص۳۱۲ ج۱/ما لم يبطل به الصوم)

(۲)...... او انزل بنظرٍ أو فكرٍ و ادام النظر والفكر۔

(نور الایضاح ص۱۶۸/باب ما يفسد الصوم)

(۳)...... اذا ادخل ذكره فى بهيمةٍ أو ميتةٍ من غير انزالٍ أو مس فرج بهيمةٍ أو قبّلها فانزل أو اقطر فى احليله ماءً أو دهناً وان وصل الى المثانة على المذهب واما فى قبلها فمفسد اجماعا ' لانه كالحقنة۔(درمختار مع الشامی ص۱۳۷ تا ۱۳۸ ج۲)

(۴)...... و انزال المنى بوطی ميتةٍ او بهيمةٍ ووجود ماءٍ رقيقٍ بعد النوم اذا لم يكن ذكره منتشراً قبل النوم۔(نور الایضاح ص۲۶/فصل فيما يو جب الاغتسال)

نہایت گندے اور بازاری الفاظ میں ترجمہ کیا گیا تھا، اور بزعم خود یہ باور کرایا گیا تھا کہ یہ کتابیں مذہب حق کی نہیں ہوسکتیں کہ ان میں ایسی گندی اور فحش باتیں درج ہیں، حکومت نے فحش الفاظ اور گندے مضامین شائع کرنے کی بنا پر دفعہ نمبر: ۲۹۲/کے بموجب جس کے نام سے یہ طبع ہوا تھا اس کو اور جس پریس میں چھپا تھا اس کے مالک کو گرفتار کرلیا اور اس پر سرکاری مقدمہ دائر کردیا گیا، اس سلسلہ میں ایل/آئی/بی/شعبہ کے سب انسپکٹر جناب جی/ایم/گربانی نے احقر کا تعاون حاصل کرنا چاہا، احقر نے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کیا، اور پمفلٹ میں جن عبارتوں کا ترجمہ پیش کیا گیا تھا ان کی حقیقت کو ثابت کیا کہ بیشک یہ الفاظ ہماری کتب فقہ میں درج ہیں، مگر ان کا جو ترجمہ کیا گیا ہے یہ صحیح نہیں ہے، ان کا دوسرا صحیح ترجمہ ہوسکتا ہے، اور احقر نے ایک مثال سے اس کو واضح کیا کہ کوئی شخص اپنی ماں

کو ''ماں'' کہنے کے بجائے ''باپ کی جورو'' کہے تو حقیقت کے اعتبار سے یہ غلط نہیں، مگر یہ کہنا بے ادبی سمجھا جاتا ہے اور ہر ایک اس کو برا کہتا ہے، یہی حال ان عبارتوں کا ہے ان کا صحیح اور مہذب ترجمہ ہوسکتا ہے، مگر چونکہ پمفلٹ لکھنے والے کا مقصد ہی مذہب حنفی کی تخفیف ہے، اور لوگوں کو کتب فقہ سے بدظن کرنا ہے، اس لئے انہوں نے ان عبارتوں کا ایسا فحش اور گندے الفاظ میں ترجمہ کیا ہے، احقر نے تمام مسائل کا جواب تحریراً بھی دیا جو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا اور کورٹ میں حاضر ہوکر (جہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے، غیر مقلدین بھی بڑی تعداد میں تھے) تقریراً بھی بیان دیا جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا، جس میں بنیادی طور پر یہ ثابت کیا کہ فقہاء نے یہ مسائل کیوں بیان کئے ہیں، اور اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے پر کیوں مجبور ہوئے، جس کی کچھ تفصیل 'فتاوی رحیمیہ'' اردو جلد: ۲/ ۲۰ تا ۲۹/ پر درج ہے، الحمد للہ مجسٹریٹ کو اطمینان ہوا، (حالانکہ ابھی صرف ایک مسئلہ پر کلام کیا تھا) اور ان عبارتوں کی حقیقت اور ضرورت اس پر واضح ہوگئی، اس کے بعد جب سامرودی صاحب سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو ان کے وکیل نے مشورہ دیا کہ اب چھٹکارے کی صرف ایک صورت ہے کہ تم یہ بیان دیدو کہ یہ پمفلٹ نہ میں نے لکھا ہے (اگر لکھا نہیں تھا تو شروع ہی سے انکار کردینا تھا) نہ اس کو چھپوایا ہے نہ تقسیم کیا ہے، چنانچہ وکیل کے مشورہ پر یہ بیان دیدیا کہ میں نے نہ اس کو لکھا ہے، نہ چھپوایا ہے، نہ تقسیم کیا ہے، اسی طرح پریس کے مالک نے بیان دیا کہ: میرے پریس میں نہیں چھپا ہے، ان کے اس بیان پر سیکنڈ کورٹ کے فرسٹ کلاس مجسٹریٹ جناب سی/ڈی/گوشاڑیا نے یہ فیصلہ کیا کہ اس پمفلٹ کا لکھنے والا ''سامرودی'' ہے اور یہ پمفلٹ ''اناویل بندھو پرنٹنگ پریس'' میں چھپا ہے یہ صحیح طور پر ثابت نہ ہوسکا، سامرودی صاحب کو اور پریس کے مالک کو بری

الذمہ قرار دے کر رہا کر دیا گیا، اور اس پمفلٹ کو خلاف قانون ہونے کی وجہ سے ضبط کرلیا گیا، اس مقدمہ کی تفصیل ماہنامہ ''پیغام'' کاوی ضلع بھروچ ۱۹۵۸ء کے فائلوں میں دیکھی جاسکتی ہے''۔

فتاوی رحیمیہ

حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کے فتاوی جو گجراتی ماہنامہ ''پیغام'' میں :۱۲/سال تک مسلسل گجراتی میں شائع ہوتے رہے تھے، قدرداں اہل ذوق احباب کی فرمائش پر ان کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا، چنانچہ دوجلدوں میں یہ فتاوی ''فتاوی رحیمیہ'' کے نام سے شائع ہوئے اور بے شمار تشنگان علوم اور بندگان باتوفیق نے ان سے فیض حاصل کیا، گجراتی فتاوی کی ترتیب و تدوین میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے والد مرحوم مولانا سید عبد الکریم صاحب اور جناب مرحوم منشی عیسی بھائی نے بڑی محنت اور اخلاص ذوق وشوق سے کام کیا، اللہ پاک ان حضرات کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، ان کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، آمین۔ اب خدا کے فضل وکرم سے گجراتی فتاوی کی پانچ جلد مکمل ہو چکی ہیں فللہ الحمد، اس کی ایک مجموعی فہرست بھی الگ سے ابھی ابھی شائع ہوئی ہے۔

مخلص علم دوست حضرات کا اصرار تھا کہ ان کو اردو میں بھی شائع کیا جائے، بہت سے فتاوی اردو میں موجود تھے، اور بہت سے فتاوی کا گجراتی سے ترجمہ کیا گیا، ترجمہ کا مسئلہ نہایت اہم اور پیچیدہ تھا، حضرت مفتی صاحب عدیم الفرصت تھے، اس کام کے لئے وقت نکالنا مشکل تھا، لیکن عزیز محترم مولوی حافظ قاری نور محمد پٹیل صاحب ہتھورنی، حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم العالی، مولوی ولی احمد ستپونی مستحق تحسین وشکریہ ہیں کہ

انہوں نے گجراتی فتاوی کی دو ضخیم جلدوں کو اردو کا جامہ پہنایا، بعد میں سید الملت حضرت مولانا الحاج سید محمد میاں صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی نے اس ترجمہ کو ملاحظہ فرمایا اور اردو میں محاورہ کے اعتبار سے جو خامی تھی اس کی اصلاح کی، اللہ تعالی ان تمام حضرات کو اپنے شایان شان دارین میں جزاء خیر عطا فرمائے، آمین۔

فتاوی کی کتابت وتصحیح، طباعت وغیرہ دشوار گذار مراحل تھے، سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ سابق ناظم اعلی جمعیۃ العلماء ہند ورکن مجلس شوری دار العلوم دیوبند نے یہ تمام ذمہ داریاں قبول فرمائیں، اور محنت شاقہ اور بڑے ذوق شوق سے اس اہم کام کو تکمیل تک پہنچایا اور اللہ تعالی کے فضل وکرم اور غیبی مدد سے ''فتاوی رحیمیہ'' اردو کی جلد اول اور جلد دوم طبع ہو کر منظر عام پر آ گئیں۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ بے حد مستحق شکریہ ہیں، حضرت مرحوم ہی کی ہمت اور ذوق وشوق سے اردو فتاوی کی طباعت کا کام ہو سکا، اللہ تعالی حضرت مولانا مرحوم کو دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے، مغفرت فرما کر اعلی مقام عطا فرمائے، آمین، بحرمة النبی صلی الله علیه وسلم۔

اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے کہ ''فتاوی رحیمیہ'' کو علمی حلقوں میں بہت ہی پسندگی کی نظر سے دیکھا گیا اور بے انتہا مقبول ہوا۔ ﴿ذلک فضل الله یوتیه من یشاء﴾۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

''فتاوی رحیمیہ'' کی ایک عجیب خصوصیت

راقم الحروف کے علم کے مطابق ہند وپاک کے فتاوی میں یہ خصوصیت صرف اور صرف ''فتاوی رحیمیہ'' کے حصہ میں آئی کہ وہ انگریزی گجراتی اور اردو تینوں زبانوں میں چھپا، کسی

اور فتاوی کے متعلق یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ تین زبان میں شائع ہوا ہو، واللہ تعالی اعلم، پاکستان میں مستقل اس کی اشاعت ہوئی، اردو بھی اور انگریزی بھی انشاء اللہ عنقریب عربی ترجمہ بھی مکمل ہو جائے گا۔

''فتاوی رحیمیہ'' انگریزی

الحمد للہ ''فتاوی رحیمیہ'' کا تین جلدوں میں انگریزی میں ترجمہ ہوا، ترجمہ کی خدمت جناب پروفیسر مرتاض حسین قریشی ایس ربی رگارڈا کالج نوساری نے دی، اس ترجمہ کو خوب قبولیت حاصل ہوئی، جنوبی افریقہ، ماریشس، برطانیہ، کینیڈا اور امریکہ تک یہ جلدیں پہنچی۔ امریکہ میں ''فتاوی رحیمیہ'' انگریزی کا کارنامہ کرنل امیر الدین حیدر آبادی'' (آپ ایک زبردست مبلغ تھے) کی زبانی سنئے فرماتے ہیں:

''امریکہ میں قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے بعد جس کتاب نے وہاں کے مذہبی حلقوں میں انقلاب عظیم پیدا کیا وہ ''فتاوی رحیمیہ'' کا انگریزی ترجمہ ہے''۔

''فتاوی رحیمیہ'' کی خصوصیات پر اکابر امت کے تأثرات

حضرت اقدس مفتی صاحب کے فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی رحیمیہ'' کے نام سے اردو میں دس جلدوں میں طبع ہوا، حضرت کی حیات ہی میں اسے وہ قبولیت نصیب ہوئی کہ جو کم فتاوی کے حصہ میں آئی۔

فتاوی کے نام سے آدمی سمجھتا ہے کہ اس میں کچھ مسائل ہوں گے جس کا جواب صاحب فتاوی نے ''جائز ہے، ناجائز ہے'' کے الفاظ سے دیا ہوگا، مگر ''فتاوی رحیمیہ'' یقیناً علوم و معارف کا خزانہ ہے، اس میں کتاب اللہ کی آیات، مفسرین کے تفسیری فوائد، احادیث رسول اللہ ﷺ اور محدثین کے محدثانہ علوم، آثار صحابہ، اقوال تابعین و تبع

تابعین، اسلاف کے ملفوظات، رسول اللہ ﷺ کی سیرت، صحابہ اور اولیائے امت کے حالات، فقہ کے اصول وقواعد جزئیات، اہل سنت والجماعت کے صحیح عقائد، فرق باطلہ کی تردید پر مفصل وجامع مواد، اور حضرت کی شان فقاہت پر دال مدلل ومکمل مسائل کے حل موجود ہیں۔

یہ طفل مکتب اپنے کو قطعاً اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ ''فتاوی رحیمیہ'' کا تعارف کرائے، البتہ اکابر کے چند اقتباسات نقل کرنا ضروری سمجھتا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱):......مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

''فقہ وفتاوی'' پر ہمارے ملک میں برابر کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں، اور ایسا ہونا قدرتی امر ہے، اس لئے کہ فتاوی ومسائل فقہی مسلمانوں کی روزمرہ کی ضرورت ہیں، اور نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور ان میں فوری طور پر دینی رہنمائی کی ضرورت ہے، لیکن اس کے لئے فقہ میں ملکۂ راسخہ جزئیات پر وسیع اور گہری نظر اور اصول فقہ میں استاذانہ قابلیت کی ضرورت ہے، پھر اسی کے ساتھ تقوی اور احتیاط، خشیت الٰہی، احساس ذمہ داری اور مسلک سلف سے بڑی حد تک وابستگی ضروری ہے، جن لوگوں کو اس راہ کی مشکلات کا علم اور فقہ حنفی سے کامل مناسبت ہے وہ ''فتاوی رحیمیہ'' کے علمی وعملی قدروقیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں، اور اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ مؤلف فاضل کو اللہ تعالی نے ان صلاحیتوں سے بہرور فرمایا ہے، جو اس دور میں اس نازک فریضہ کو انجام دینے کے لئے شرط اول ہے۔

(۲):......حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ (صاحب عمدۃ الفقہ)

''فتاوی رحیمیہ'' کے مطالعہ سے بڑی تسکین اور انشراح حاصل ہوتا ہے۔

(۳):......حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری رحمہ اللہ

دل کی بات یہ ہے کہ ''فتاوی رحیمیہ'' اپنے طرز اسلوب میں منفرد ہے، اور تمام قدیم وجدید فتاوی کے ذخیروں میں ممتاز ہے، اہل علم کے لئے مفید اور فتوی نویسی کی مشق کرنے والوں کے لئے رہنما مفتی ہے۔

(۴):......حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ

بہت محنت اور کاوش سے جوابات دیئے گئے ہیں، خصوصاً جوابات میں نقول معتبرہ کو پیش کیا گیا ہے، بعض مختصر جوابات پر بھی نظر ڈالی جو اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہیں، جس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ مجموعی حیثیت سے ''فتاوی رحیمیہ'' عوام ہی کے لئے نہیں، بلکہ اہل علم کے لئے بھی بغیر محنت کے مفید ہے..... نیز بعض مخالفین مذہب کے اعتراضات کے جوابات بھی باحسن وجوہ مدلل دیئے گئے ہیں، مسائل فقہیہ کو منقح کیا گیا ہے، نیز موقع محل پر احادیث صحیحہ کو بھی دلائل میں پیش کیا گیا ہے، الحاصل ''فتاوی رحیمیہ'' ہر اعتبار سے قابل اعتبار ہے۔

(۵):......حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

فتاوی کا کوئی اور مجموعہ میرے علم میں نہیں ہے جس میں ہر مسئلہ اور ہر فتوی کو اس کے حق کے مطابق مدلل کیا گیا ہو۔ اللہ تعالی کی توفیق سے اس میں بہت سی مفید چیزیں جمع ہوگئی ہیں، آپ سے یہ تعارف بالکل نہیں تھا، واقعہ یہ ہے کہ میں اس سے کافی مستفید ہوا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور ان ہاتھوں تک پہنچائے جو اس سے فائدہ اٹھائیں۔

(٦):......حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمہ اللہ

ماشاءاللہ آپ نے بہت شرح وبسط اور تحقیق سے جوابات لکھے ہیں۔

(۷):......حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب رحمہ اللہ

ماشاءاللہ خوب خوب درافشانیاں فرمائی ہیں، سب کے لئے یہ نہایت قیمتی تحفہ ہے۔

(۸):......حضرت مولانا عمران خاں صاحب ندوی رحمہ اللہ

بڑی کام کی چیز آپ نے شائع فرمادی، یہ مجموعہ مستفتی کے کام کا تو ہے ہی، لیکن مفتی بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں، کتاب کھولتے ہی تراویح بیس رکعات کے اثبات میں جو کچھ ارقام فرمایا گیا ہے زیرِ نظر آیا، ڈاک لکھنی چھوڑ کر اس کو پورا پڑھا، ماشاء اللہ و جزاک اللہ، حق ادا کر دیا۔ ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

(۹):......حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب رحمہ اللہ

حضرت کے فتاوی بہت مدلل اور بڑے محققانہ اور مسلک حق کے صحیح ترجمان ہوتے ہیں، عوام و خواص سب کے لئے یکساں اور بے حد نافع ہوتے ہیں، حضرت کی ذات گرامی مغتنمات روزگار سے ہے۔

حضرت کے فتاویٰ بہت مکمل و مدلل ہوتے ہیں، اور بہت سے جدید حالات اور نو پید مسائل پر مشتمل ہیں، سیر حاصل اور مدلل بحث ہونے کی وجہ سے ہم سب خادموں کے لئے بھی بے حد مفید ہے۔

(۱۰):......حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

''فتاوی رحیمیہ'' انمول ہیروں کا ہار ہے، گلہائے رنگا رنگ کا نہایت حسین گلدستہ ہے، اس میں عام مسلمانوں ہی کے لئے سامان تسلّی نہیں ہے، بلکہ دریائے علم و فن کے شناوروں کے لئے بھی غیر معمولی غذا ہے، ہر فتوی علم و تحقیق کی داد طلب کرتا ہے، اور قاری دعائیں دینے پر مجبور ہیں ''فتاوی رحیمیہ'' کا ہر فتوی تسلّی بخش اور پیاس بجھانے والا ہے۔

(۱۱):......حضرت مولانا انظر شاہ صاحب دامت برکاتہم

آپ کا یہ (فتاوی) اپنی شان خاص میں نادر اور انفرادیت کا مالک نظر آیا، بخدا عوام تو

درکنار اہل علم اس عطر کشید سوغات سے فائدہ اٹھائیں گے، اوران کے علم وفن، بصیرت و آگہی میں اس سے اضافہ ہوگا، کوئی صفحہ ایسا نہیں جس پر ایسی چیزیں نظر نہ آئی ہوں جنہیں آج سے پہلے نہ سنا تھا نہ دیکھا تھا، خداتعالی پوری امت کی جانب سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ عجیب متاع بے بہا آپ نے امت کے ہاتھوں میں پہنچائی۔

(۱۲):......حضرت مولانا محمد آدم صاحب طالعپوری (پالنپوری) رحمہ اللہ

''فتاوی رحیمیہ'' پڑھنے والا پڑھے گا، جتنا آگے بڑھتا چلا جائے گا ہر مسئلہ واضح اور سلجھا ہوا مستند حوالوں کو حسب موقع وضرورت مدلل بآیات واحادیث واقوال ائمہ یک جا پائے گا اورسوال کا ہر پہلو واضح وروشن، پھر دل نشین پیرایۂ بیان جس سے اس پر ایک کیف سا طاری ہوگا اور ازخود رفتہ بے ساختہ بول اٹھے گا ''سبحان اللہ خدا نے کیا علم دیا ہے''۔

(۱۳):......حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب گلاؤٹھی

فتاوی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، بہت بڑا کام کیا ہے۔

(۱۴):......حضرت مولانا عبدالسلام صاحب لکھنوی

فتاوی کا مطالعہ کیا، ماشاء اللہ بہت خوب ہے۔

(۱۵):......حضرت مولانا نصیر احمد صاحب

زبدۃ الفقہاء اسوۃ الصلحاء فقیہ النفس حضرت مولانا قاری حافظ مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری دامت برکاتہم کی شخصیت گرامی قدر ہے......جوفن افتاء میں ایک امتیازی شان کے مالک ہیں، جن کے مفصل و مدلل جوابات سے نہ صرف عام مستفتی کو انشراح قلب حاصل ہوتا ہے، بلکہ دیگر مفتیان کرام کو بھی حوالجات کتب وتحقیقات انیقہ کی مشکل میں زبردست کارآمد ذخیرہ دستیاب ہوجاتا ہے۔

(۱۶):......حضرت مولانا شریف حسن صاحب رحمہ اللہ

بندہ نے جلد دوم کا مطالعہ کیا، جس قدر اس کی تعریف سنتا تھا اس سے زیادہ مفید اور علوم کا ذخیرہ اس میں پایا، آپ کی وسعت علم اور نظر عمیق اور فقاہت فی الدین کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اور ساتھ ساتھ آپ میں احتیاط فی الدین اورا کابر سلف کا اتباع بھی ہے، اور جدید مسائل میں بھی آپ نے کافی تحقیق وتدقیق فرما کر سائلین کو مطمئن فرمایا ہے، اور ہر جگہ حوالہ کتب معتبرہ کا مع عبارتوں کے دے کر عوام اور علماء اور مفتیان سب کے لئے کارآمد ذخیرہ بنادیا ہے، میری نظر میں تو ان خوبیوں کا جامع فتاوی اردوزبان میں نہیں گذرا، ہر جگہ تحقیق سے کام لیا گیا ہے، صرف لکیر کے فقیر نہیں ہیں۔

(۱۷):......حضرت مولانا مفتی ظہیر الدین صاحب

جیسے حضرت مفتی صاحب سید السادات ہیں، ان کو خداوند قدوس نے سید العلماء ریحانۃ الفقہاء بنایا، ان کے فتاوی بھی ''سید الفتاوی'' ہیں۔

(۱۸):......حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب پالنپوری

''فتاوی رحیمیہ'' کو دو چار جگہ سے دیکھا، الحمد للہ بہت ہی پر کیف پایا، اور عجیب جاذبیت محسوس ہوئی، طرز بیان بھی بہت عمدہ سادہ اور سہل الافادہ پایا۔

(۱۹):......حضرت مولانا احمد عبد المجیب قاسمی

تحریر میں جامعیت اور مسائل میں شرح وبسط کے ساتھ اس طرح محقق ومدلل بحث سامنے آتی ہے کہ بسا اوقات فتوی ایک مفید رسالہ کی شکل اختیار کر جاتا ہے، آپ کے اس مجموعہ میں آپ کی فقیہانہ بصیرت دیانت واحتیاط نظر کی وسعت اور فکر کی گہرائی کے بے شمار نمونے نظر آتے ہیں، تمام فتاوی میں حوالجات کا اہتمام بڑے التزام کے ساتھ کیا گیا ہے،

بعض طویل فتاوی میں فقہ کی خشکی کے بجائے کتاب وسنت کے سبق آموز اور عبرت انگیز ترغیب وترہیب، تذکیر وموعظت اور شعر وسخن کی حلاوت بھی ہے، اس طرح فقہ وافتاء کے ساتھ دعوت وارشاد کے فریضہ کی تکمیل بھی ہوتی ہے، اور بلا شبہ اس خصوصیت میں اس مجموعہ کو خاص اہمیت حاصل ہے، زبان بھی سادہ اور اسلوب تحریر بھی سہل وآسان ہے۔

فرق باطلہ کے استیصال اور رد بدعات پر پوری قوت وجرأت اور متانت وسنجیدگی کے ساتھ لکھتے ہیں، اختلافی مسائل میں مخالفین کے دلائل کے نہایت معقول جوابات کے علاوہ اہل حق علماء کے عقلی ونقلی دلائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

(۲۰):......حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب سیالکوٹی (پاکستان)

صرف موجودہ یا اردو ذخیرۂ فتاویٰ ہی نہیں، بلکہ تاریخ فتاوی میں ''فتاوی رحیمیہ'' دلائل و براہین، تفصیل واعجاز کے اعتبار سے منفرد امتیازی عظمت وشان کا حامل ہے، ہر مسئلہ کے جواب میں متون واصول سے اصل عبارت ذکر فرما دینا ایسے جیسے کہ فقہاء نے یہ عبارت اسی سوال کے لئے ہی لکھی ہو، اور پھر اسے اس طرح درج فرمانا کہ مستفتی حیران رہ جائے، یہ فتاوی کی ایک امتیازی خصوصیت ہے، اور پھر بعض نہیں جن اہم مسائل پر بھی تفصیل سے قلم اٹھایا ہے وہ اس دور کی تاریخی دستاویز بن گئے ہیں، مثلاً: تراویح، طلاق ثلاثہ، غیر مقلدیت کے اعتراضات، ضرورت فقہ وصحابۂ کرام والتزام بالسنۃ بدعات کے رد اور دیگر ایسے عنوانات جن پر ایسی بلیغ وجامع مسکت ومؤثر ومدلل تحریر دیکھنے میں نہیں آئی، ان مسائل پر ایسے کلام کے بعد یہ فتاوی ''مجموعۃ الفتاوی'' کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۲۱):......حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی

راقم ان فتاوی کو خدا کی صفت رحمت کا خاص مظہر اور عہد حاضر کا بہت ہی قیمتی علمی فقہی

سرمایہ سمجھتا ہے، بلکہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ اب تک فتاوی کے نام سے جو مجموعے اردو میں سامنے آئے ہیں ان میں یہ مجموعی طور سے اہل علم کے لئے خاص طور پر سب سے زیادہ نافع ہے اور آسودگی کا سامان رکھتا ہے، والعلم عند الله ولا ازکی علی الله احدا۔

راقم کا یہ بھی احساس ہے کہ اس مجموعہ میں جو عالی مضامین اور انیق تحقیقات ودیعت ہوگئی ہیں ان کے بیان کے لئے لفظ ''فتاوی'' ناکافی بلکہ حجاب بن گیا ہے، کیونکہ تعبیر سے اصل حقیقت کا پورا اظہار نہیں ہو پاتا۔

(۲۲):......حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب

قاری جب مطالعہ شروع کرتا ہے تو بس پڑھتے ہی رہنے کو جی چاہتا ہے، علاوہ ازیں آپ کی اصابت رائے کا سطر سطر سے اندازہ ہوتا ہے۔

(۲۳):......حضرت مولانا احمد اللہ صاحب

مفتی صاحب مدظلہم نے ہر مسئلہ کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ منقح و مدلل فرما کر مع حوالجات پوری تفصیل سے حل فرما کر اہل گجرات کے لئے علم فقہ کا ایک بہترین ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو بحمد اللہ ''فتاوی رحیمیہ'' کے نام سے شائع ہو کر بڑی مقبولیت حاصل کر چکا ہے، ''فتاوی رحیمیہ'' نے اہل علم حضرات کو بھی مسائل حاضرہ میں فتاوی کی ضخیم کتابوں کی ورق گردانی اور نوادر کتب کے مطالعہ سے مستغنی کر دیا ہے'' فتاوی رحیمیہ'' اپنی بہت سی خصوصیات میں صرف فتاوی ہی نہیں، بلکہ فقہ احناف کی ایک جامع کتاب ہے، نیز فتاوی نویسی کی مشق کرنے والوں کے لئے معین المفتین بھی ہے، ساتھ ساتھ فرق ضالہ کے مقابل حجۃ اللہ البالغہ بھی ہے'' فتاوی رحیمیہ'' کی سب سے بڑی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اختلافی مسائل میں مخالفین کے دلائل زائغہ کے نہایت معقول

جوابات کے ساتھ ساتھ اہل حق کے تمام دلائل عقلیہ ونقلیہ کو غایت بسط وتفصیل کے ساتھ ایک جگہ پر جمع کر دیا ہے، جس سے مفتی صاحب مدظلہم العالی کی وسعت نظر اور علمی قابلیت کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔

(۲۴):......حضرت مولانا نظام الدین صاحب

ماشاء اللہ انداز تحریر بہت اچھا ہے، اور زبان سادہ وسلیس ہے، سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آنے والے جدید مسائل کو شامل کرلیا گیا ہے، اور ان کا بہت ہی تشفی بخش جواب تحریر کیا ہے۔

(۲۵):......حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

''فتاوی رحیمیہ'' اپنے مضامین کے اعتبار سے صرف فتوی کی کتاب نہیں ہے، بلکہ اسلامی معلومات کا معتبر ومستند دائرۃ المعارف اور مطالعہ میں رکھنے کی کتاب ہے، بعض بعض مسائل پر اس طرح شرح وبسط سے کلام کیا گیا ہے کہ اس کی حیثیت مستقل رسالہ کی ہوگئی ہے۔ ہر فتوی سے صاحب فتاوی کی تبحر علمی اور بصیرت فقہی کا ظہور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ''فتاوی رحیمیہ'' اس دور میں مستند فتاوی شمار ہونے لگا ہے، ہر لکھے پڑھے گھرانے میں رکھنے کے قابل ہے۔

(۲۶):......حضرت مولانا مفتی محمد یاسین صاحب مبارکپوری

''فتاوی رحیمیہ'' میں ایسی چیزیں مرقوم ہیں جن کی تلاش تھی، آنجناب کی یہ کتاب بڑا سہارا ہے، سوالات کے جوابات مکمل بسط کے ساتھ مرقوم ہیں جس سے بڑی سہولت ہوتی ہے۔

(۲۷):......حضرت مولانا عامر عثمانی: (ایڈیٹر تجلی دیوبند)

فتاوی کو ہم نے اپنی امید سے زیادہ وقیع ہدایت افروز اور محققانہ پایا، اس خوبی میں تو شاید منفرد ہی ہوں کہ محترم مفتی صاحب نے فتوی کے طرز قدیم اور تفہیم کے طرز جدید کو آمیز کردیا ہے، اس طرز سے دوہرا فائدہ ہوا، فتوی کی قانونی حیثیت بھی ثابت وقائم رہی اور عام سے عام آدمی کے لئے سمجھنے کا موقع بھی فراہم ہوگیا......تشریح وتفہیم میں ان کا لب ولہجہ متین اور باوقار ہے، سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ ان کے فکری زاویے مستقیم ہیں، نگاہ میں گہرائی اور استدلال میں گیرائی ہے، جہاں تک اہل بدعت اور غیر مقلدین کے فرمودات پر نقد ونظر کا تعلق ہے موصوف کے اسلوب نگارش میں تھوڑا سا تغیر ضرور آ گیا ہے، مگر ایسا نہیں کہ اس کی مذمت کی جائے موقع محل سے ''شدت'' بھی ایک حسن ہی ہے بشرطیکہ غصہ اور جوش علم وتحقیق کے زاویوں کو ٹیڑھا نہ کریں، ہم سمجھتے ہیں مفتی صاحب اس شرط پر پورے اترے ہیں، اور کہیں بھی ان کے جذبے کی شدت نے استدلال کے چہرے پر خراش نہیں ڈالی ہے۔

(۲۸):......سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ

''سید محترم مولانا حافظ قاری مفتی عبدالرحیم صاحب قادری (لاجپوری) مدظلہم العالی کے یہ فتاوی جو اس جلد میں پیش کئے جارہے ہیں، ان کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کا موقع احقر کو میسر آیا، اور احقر نے محسوس کیا کہ یہ فتاوی دوسرے شائع شدہ فتاوی سے چند باتوں میں خاص طور پر ممتاز ہیں:

(الف)......حضرت مفتی صاحب نے اختصار سے کام نہیں لیا، بلکہ سوال کے ہر ایک پہلو پر نظر ڈال کر تشفی بخش جواب دیا ہے۔

(ب)......جواب کی تائید کے لئے صرف کتاب کا حوالہ نہیں دیا بلکہ اصل عبارت پیش کی

ہے، اور صفحہ اور جلد کا بھی حوالہ دیا ہے، جس کی بنا پر یہ مجموعہ (فتاوی) ان حضرات کے لئے بھی رہنما بن گیا ہے جن کو فتاوی نویسی کی خدمت انجام دینی پڑتی ہے۔

(ج)......ایسا بھی ہوا ہے کہ متعدد کتابوں کی عبارتیں مع حوالہ نقل کر دی ہیں، یعنی صرف مستفتی کے لئے نہیں، بلکہ مفتی کے لئے بھی ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

(۴)......اکثر جوابات میں اس شرح وبسط سے کام لیا ہے کہ جواب ایک رسالہ بن گیا ہے، اور اس بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ''فتاوی رحیمیہ'' محض فتاوی نہیں، بلکہ مجموعہ رسائل ہے، اگر احقر کی تصدیق کوئی وزن رکھتی ہے تو احقر ان تمام فتاوی کی تصدیق کرتا ہے، بعض جوابات کچھ طویل ہیں بعض نے مضمون یا رسالہ کی صورت اختیار کر لی ہے، مگر جو کچھ لکھا گیا ہے پوری تحقیق سے لکھا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے مولانا کا ذہن فقہ احناف کے سانچے میں ڈھل گیا ہے، آپ کا قلم جو جواب لکھتا ہے وہ فقہ کے مطابق نہایت صحیح ہوتا ہے۔

(۲۹):......اس سلسلہ کو حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے تأثرات پر ختم کیا جاتا ہے

(الف)......''فتاویٰ رحیمیہ'' کے لئے یہ ناکارہ دل سے دعاء کرتا ہے، اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ تمتع اور انتفاع نصیب کرے، اور جناب کے لئے وطابع وناشر اور اس میں کسی نوع کی بھی سعی کرنے والے کے لئے صدقۂ جاریہ بناوے، اور آپ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث

بقلم: عبدالرحیم متالا

۲۸/رجب المرجب ۱۳۹۰ھ

(ب)...... برادر عزیز مرحوم مولوی حافظ سید عبدالاحد نے برمنگھم سے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کا گرامی نامہ مدینہ طیبہ سے موصول ہوا ہے، آپ کو بھی سلام لکھا ہے، اور اس میں تحریر فرمایا ہے کہ: مفتی صاحب کے لئے دعا کرتا ہوں، پھر تحریر فرمایا ہے: یہ بھی لکھ دیں کہ آپ کے ''فتاوی رحیمیہ'' سے یہاں (مدینہ طیبہ میں) لوگوں کو بہت فائدہ ہو رہا ہے، میں بھی وقتاً فوقتاً سنتا رہتا ہوں۔

مختلف اخباروں میں فتاوی کی اشاعت

گجراتی زبان میں ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہنامہ رسائل مختلف مقامات سے شائع ہوتے رہے ہیں، ان رسائل (جرائد) میں خاص طور پر ایک کالم ''فتاوی'' کا ہوتا ہے تاکہ ناظرین قیمتی مسائل سے بھی روشناس ہوتے رہیں، حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے پاس جو سوالات آتے آپ بڑی تحقیق سے مدلل جواب تحریر فرماتے، ان میں ضروری اور قابل اشاعت فتاوی مختلف اخبار و رسائل میں شائع ہوتے رہے، جن سے ملک و بیرون ملک میں سینکڑوں نہیں ہزاروں تشنگان علوم نے استفادہ کیا اور ان فتاوی کی روشنی میں اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کی، بدعات و رسومات ختم ہو کر سنتیں زندہ ہوئیں، الحمد للہ علی ذلک، جن رسائل و اخبار میں فتاویٰ شائع ہوئے ان کے نام:

(۱)...... ''آزاد'' ہفت روزہ۔ مقام اشاعت سورت۔ مدیر اور مالک جناب مرحوم منشی عبد الجبار صاحب، اون والے۔ مدت اشاعت، تقریباً: ڈیڑھ سال ۱۹۳۵ء۔

(۲)...... ''جماعت'' پندرہ روزہ۔ مقام اشاعت سورت۔ مدیر اور مالک جناب عبدالقادر میر صاحب۔ مدت اشاعت تقریباً: ڈیڑھ سال ۱۹۵۰ء۔

(۳)......''پیغام'' ماہنامہ۔ مقام اشاعت: کاوی ضلع بھروچ۔ مدیر اور مالک جناب منشی عیسی بھائی مرحوم۔ مدت اشاعت بارہ سال: ۱۹۵۳ء/تا: ۱۹۶۶ء۔

(۴)......''مجاہد'' ماہنامہ بعدہ پندرہ روزہ۔ مقام اشاعت سورت۔ مدیر مولوی ابراہیم پٹیل صاحب، بعدہ حافظ داود پٹیل صاحب مرحوم۔ مدت اشاعت بارہ سال ۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۷ء۔

(۵)......''حیات'' ماہنامہ۔ مقام اشاعت سورت۔ مدیر اور مالک مولوی سید عبدالحق قادری (متوفی: ۱۴۱۸ھ، برادر خورد حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدظلہم)

مذکورہ ماہنامہ ''حیات'' میں تقریباً: ۱۹۷۷ء سے تا حال فتاوی کی اشاعت جاری ہے، الحمدللہ۔ اللہ تعالی اس مبارک سلسلہ کو تا دیر جاری رکھے، آمین۔

حضرت کی شان فقاہت اور سائل کو تشفی

اس عنوان پر مجھ جیسے کا کچھ لکھنا ایسا ہے جیسے آفتاب کو روشنی دکھلانا ''فتاوی رحیمیہ'' کی دس جلدیں حضرت کی فقہی بصیرت اور شان فقاہت پر شاہد ہیں، جیسے حضرت والا کی تحریر سے مستفتی کو تسلی ہوتی ہے اور سائل مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ کی شخصیت کا معترف ہو ویسے ہی زبانی سوال کرنے والا بھی آپ کے فقیہانہ جواب سے مطمئن ہو جاتا ہے، بطور نمونہ ایک واقعہ لکھتا ہوں۔

یہ بات تو ثابت ہے کہ امت کے اعمال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں ''فتاویٰ رحیمیہ'' (۳۳/۸) میں بھی اس قسم کا ایک سوال وجواب اس طرح ہے:

اعمال امت کی پیشی دربار نبوی ﷺ میں

سوال:......تبلیغی حضرات بیان کرتے ہیں کہ: آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش کئے

جاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:.......جی ہاں آپ ﷺ کے حضور میں آپ کے امتیوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں بایں طور کہ فلاں امتی نے یہ کیا اور فلاں نے یہ، امت کے نیک اعمال پر آپ مسرت کا اظہار فرماتے ہیں، اور معاصی سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے۔

وقال علیه السلام : تعرض الاعمال یوم الاثنین و یوم الخمیس علی الله تعالیٰ، وتعرض علی الانبیاء و علی الاباء والامهات یوم الجمعة ' فیفرحون بحسناتهم ویزدادون وجوههم بیضاء و نزهة ، فاتقوا الله ولا توذوا موتاکم۔

(نوادر الاصول ص ۲۱۳۔شرح الصدور ص ۱۷۸)

راقم نے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت سے اس حدیث پر سوال کیا کہ: امت تو قیامت تک برے اعمال کرتی رہے گی، اور آپ ﷺ کو امت کے برے اعمال سے تکلیف واذیت پہنچتی ہے تو آپ ﷺ زندگی بھر دین کی تبلیغ کی خاطر اذیت برداشت فرماتے رہے، اور وفات کے بعد بھی اذیت، تو آپ کے لئے راحت کا سوال ہی نہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ: ایک مثال سنو، ایک آدمی بڑے عالیشان عمدہ مکان میں ہر طرح کے اسباب راحت ومعیشت کے ساتھ بیٹھا ہے، اس کے لئے کیا کہیں گے راحت میں ہے یا تکلیف میں؟ میں نے کہا: راحت میں، اب اس کے مکان کے سامنے ایک آدمی کسی سخت بیماری سے یا اور کسی وجہ سے پریشان ہے، تکلیف میں کراہ رہا ہے، اس مصیبت زدہ کی تکلیف دیکھ کر اس راحت والے شخص کو تکلیف ہوگی یا نہیں؟ میں نے کہا: ہوگی، فرمایا: آپ ﷺ کی تکلیف کی بھی یہی صورت ہے، خود حضرت ﷺ جنت کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں راحت سے ہیں، مگر امت کے برے اعمال

سے آپ کو تکلیف واذیت پہنچتی ہے، جیسے اس صاحب مکان کو جو راحت میں ہے مگر ایک مصیبت زدہ کو دیکھ کر تکلیف محسوس کرتا ہے۔

مسکت جواب

حضرت والا کے اسی عمدہ جواب پر حضرت کا ایک اور مسکت جواب یاد آ گیا، اس کو بھی نقل کردوں ۔ لاجپور کی جامع مسجد بوسیدہ ہوچکی تھی، ضرورت تھی کہ اس کی مرمت کی جائے، چنانچہ کچھ حضرات نے مشورہ کرکے مرمت کی نیت سے چندہ شروع کیا، میری یہ رائے شروع ہی سے نہیں تھی کہ اب شہید کرکے جامع مسجد کو نئے سرے سے تعمیر کی جائے، اس پر دوفریق ہوگئے، ایک فریق کا کہنا تھا کہ مسجد کی مرمت کافی ہے، دوسرے فریق کا اصرار تھا کہ نئی تعمیر کرنی چاہئے، بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کی رائے پر فیصلہ ہوگا، چنانچہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر پوری بات عرض کی گئی، حضرت نے بڑے غور وتدبر کے بعد یہ فیصلہ فرمایا کہ مرمت کی جائے اور دائیں بائیں دونوں طرف توسیع کردی جائے، (مگر افسوس صد افسوس حضرت والا کی رائے کے خلاف مسجد شہید کردی گئی، اس کی لمبی داستان ہے انا للہ وانا الیہ راجعون اس سے زیادہ لکھنے کی ہمت نہیں)۔

اسی دوران چند مرتبہ حضرت کی خدمت میں کچھ حضرات جاتے رہے، ایک مرتبہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا: میں نے حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری کی خواب میں زیارت کی آپ بڑے خوش نظر آئے (یاد رہے کہ لاجپور جامع مسجد کے بانی حضرت مفتی مرغوب احمد صاحب تھے) اس پر ایک صاحب نے جلدی میں بول دیا: حضرت معلوم ہوتا ہے کہ مفتی مرغوب احمد صاحب بھی مسجد شہید کرنے

سے خوش ہیں، کیونکہ حضرت نے بھی پرانی مسجد کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کیا تھا، اور ہم بھی حضرت کے عمل کی طرح شہید کر کے نئے سرے سے تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت نے فی الفور فرمایا: حضرت مفتی مرغوب احمد صاحب میری رائے سے خوش ہیں اس لئے خواب میں زیارت میں نے کی، اگر تمہاری رائے سے خوش ہوتے تو تمہیں زیارت ہوتی۔

فتوی نویسی کی ابتداء

پہلے گذر چکا ہے کہ بچپن ہی سے حضرت فقہ کی کتابوں کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے، اس لئے مسائل سے واقفیت رکھتے تھے، اور لوگ آپ سے مسائل پوچھتے رہتے تھے، طالب علمی کے زمانہ میں آپ کے مشفق استاذ حضرت مولانا محمد حسین صاحب راندیری رحمہ اللہ آپ کی صلاحیت و ذہانت سے واقف بلکہ متأثر تھے، اس لئے حضرت استاذ آپ کو جو سوالات آتے مرحمت فرماتے، آپ پوری تحقیق سے ان کے جوابات لکھ کر حضرت کو دیدیتے، حضرت استاذ اسے ملاحظہ فرما کر خوش ہوتے اور خوب دعائیں دیتے۔

فراغت کے بعد حضرت استاذ نے آپ کا جامعہ حسینیہ راندیر میں بحیثیت مدرس تجوید و مفتی تقرر فرمایا (مگر زیادہ عرصہ یہ مشغلہ نہ رہا)، اس طرح حضرت کے فتاوی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

فتاوی کے متعلق حضرت کا عجیب خواب

حضرت والا مدظلہم فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ رمضان میں فجر کی نماز کے بعد سویا ہوا تھا، خواب میں دیکھا کہ منشی بیکار نے اپنے ایک شاگرد کو میرے پاس اردو میں ایک استفتاء دے کر بھیجا، اس نے مجھ سے

آ کر کہا کہ مجھے منشی بیکار صاحب نے بھیجا ہے اور یہ پیغام دیا ہے کہ یہ استفتاء مولوی عبدالرحیم صادق کے پاس بمبئی سے آیا ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس کا جواب آپ لکھ دیں، میں نے وہ استفتاء پڑھا اور وہیں کھڑے کھڑے اس کا جواب لکھ کر اس کو دے دیا، یہ خواب دیکھا ہی تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے دروازہ کھولا تو ایک شخص کھڑا تھا اور اس نے پورا وہی پیغام دہرایا جو میں خواب میں دیکھ چکا تھا، اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس میں جو استفتاء رکھا وہ بعینہ وہی تھا جو میں خواب میں دیکھ چکا تھا، اور میں نے اس کا جواب وہی لکھا جو خواب میں لکھا تھا، جو بعد میں فتاوی رحیمیہ میں چھپ بھی گیا، اب یاد نہیں ہے کہ وہ سوال کیا تھا''۔

فتاویٰ نویسی اور اصابت رائے

اس عنوان کے تحت مناسب ہے کہ مرحوم منشی عیسی بھائی کاوی (ایڈیٹر ماہنامہ ''پیغام'' گجراتی) کا وہ مضمون جو'' فتاوی رحیمیہ'' میں ''مختصر تعارف صاحب فتاوی'' کے عنوان سے چھپا ہے اس کو نقل کردیا جائے جو جامع اور دلچسپ ہے ۔اللہ تعالی مرحوم منشی صاحب کو بہترین بدلہ عطا فرمائے کہ موصوف نے حضرت کا بہترین تعارف کردیا، جس سے ناظرین کو حضرت کے کچھ نہ کچھ حالات کا علم ہوگیا، ساتھ ہی'' فتاوی رحیمیہ'' اردو کی طباعت انہیں فتاوی سے ہوئی جو مرحوم نے اپنے پیغام میں شائع فرمائے، انشاءاللہ حضرت کے یہ فتاوی مرحوم کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں اور رفع درجات کا ذریعہ بھی ہیں، مرحوم منشی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایسا بارہا ہوا کہ آپ کے کسی فتوی سے بعض علماء نے اختلاف کیا ،لیکن جب وہ ہندوستان کے علمی مرکزوں یا مرکزی حضرات کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت مولانا

مفتی عبدالرحیم صاحب کے فتوی کی تصدیق کی گئی، صرف دو مثالیں یہاں پیش کی جارہی ہیں جو تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔

(ا)......۱۳۵۱ھ میں راندیر کے ایک مشہور حاجی صاحب کی وفات ہوئی، حاجی صاحب کی دوسری بیوی تھی، پہلی بیوی وفات پا چکی تھی، ان کی اولاد موجود تھی، حاجی صاحب نے کچھ علماء کے مشورہ سے وصیت نامہ مرتب کیا، وصیت نامہ میں حاجی صاحب نے تحریر فرمایا:

''مرحوم بیوی کے ترکہ میں میرا جو حصہ ہے وہ مجھے لینا نہیں ہے''

حاجی صاحب کی وفات کے بعد سوال پیدا ہوا کہ حاجی صاحب کے ترکہ میں ان کا وہ حصہ بھی شامل کیا جائے جو پہلی بیوی کے ترکہ میں سے شرعی فرائض کے بموجب ان کو ملتا ہے یا نہیں؟ دوسری بیوی کا مطالبہ یہ تھا کہ اس حصہ میں سے بھی ان کو ثمن یعنی آٹھواں حصہ ملنا چاہیئے۔ دوسرا فریق وصیت نامہ کی بنا پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، وہ کہتا تھا کہ حاجی صاحب اپنا حق ختم کر چکے ہیں، کیونکہ وہ تحریر فرما چکے ہیں کہ ''مجھے لینا نہیں ہے''۔

یہ مسئلہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ''اس تحریر سے کہ مجھے لینا نہیں ہے'' ان کا حق ختم نہیں ہوا، بلکہ حاجی صاحب اپنے حق کے حقدار ہیں، اور اس حصہ میں سے دوسری بیوی ثمن کی حقدار ہے، البتہ اگر یوں لکھا جاتا کہ: میں نے اپنا حق فلاں فلاں کو دیا ہے، اس وقت بیشک حق نہ رہتا اور جس کو دیا ہوتا وہ حقدار ہوتا۔

حضرت مفتی صاحب کی اس رائے سے بعض جلیل القدر علماء نے اختلاف کیا تو یہ معاملہ حضرت علامہ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مفتیٔ اعظم ہند کی خدمت میں پیش کیا گیا جو اس وقت نیو سینٹرل جیل ملتان میں اسیر تھے، حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا:

''بیشک حاجی صاحب کا حق رد نہیں ہوا، وہ اس کے بدستور مالک ہیں، اور اس میں سے دوسری بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا''۔

حضرت مفتیٔ اعظم ہند کی طرف سے حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب کی رائے کی تصدیق ہوئی تو اختلاف کرنے والے عالم صاحب کا اعتماد مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب پر اتنا بڑھ گیا کہ وہ کوئی فتوی آپ کو دکھائے بغیر روانہ نہیں کرتے تھے۔

دوسرا فتوی

(۲)......۱۹۳۶ء میں راندیر کی کنارہ مسجد کی تعمیر جدید کے وقت بیت الخلاء کے پائپ کے بارے میں متولی حاجی بنو صاحب نے حضرت مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا، آپ نے جگہ دیکھ کر اجازت دے دی، ذیل کے جواب سے سوال معلوم ہو جائے گا۔

الجواب......اس کنویں کی جگہ جس میں بیت الخلاء کے پائپ داخل کرنا ہے، وہ مسجد اور صحن مسجد سے خارج ہے، یہاں مسجد تعمیر ہونے تک عارضی طور پر فرض با جماعت ادا کئے جاتے ہیں، اور گاہے گاہے سنتیں بھی پڑھی جاتی ہیں، لہذا یہ جگہ شرعی مسجد میں داخل نہیں ہے، بنابریں اس بیکار کنویں میں ضرورۃً بیت الخلاء کا پائپ رکھا جائے تو جائز ہے، اس سے مسجد کی بے حرمتی نہیں ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دستخط: سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ راندیر

شوال: ۱۳۵۴ھ

اس فتوے کے بعد متولی صاحب نے پائپ ڈالا، بعد میں کچھ صاحبان نے اختلاف کیا، ایک مقامی مفتی صاحب کو بلا کر جگہ دکھائی اور عدم جواز کا فتوی حاصل کرلیا، پھر اس فتوی کو اخبار ''ہمدرد'' میں شائع کیا، جب یہ عدم جواز کا فتوی ''ہمدرد'' میں شائع ہوا تو ہر

جانب سے متولی صاحب پر لعنت و ملامت کی بارش ہونے لگی، متولی صاحب خوف زدہ حضرت مفتی صاحب کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے جواز کا فتوی دیا، اور ''ہمدرد'' میں عدم جواز اور حرمت کا فتوی شائع ہوا ہے، اب کیا کیا جائے؟ کیا اس کو توڑ دیں؟ اس پر کافی صرفہ ہوا ہے، حضرت مفتی صاحب نے تسلی دی کہ آپ نہ گھبرائیں، آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ غلط نہیں، اس کے بارے میں نقشہ تیار کر کے دہلی وغیرہ سے جواب حاصل کیا جائے گا، چنانچہ نقشہ تیار کر کے دہلی بھیجا وہاں سے حسب ذیل جواب آیا۔

الجواب:...... یہ صحیح نہیں ہے کہ احاطۂ مسجد میں جو جگہ واقع ہو وہ مسجد کا حکم رکھتی ہے، اور یہ بھی صحیح نہیں کہ جس جگہ پر عارضی طور سے ضرورت کی بنا پر نماز ادا کی جائے وہ مسجد بن جاتی ہے، صورت واقعہ میں اگر کنویں میں نجاست کا راستہ کرنے سے اور کوئی خرابی یا نقصان نہیں تو ان وجوہ سے کہ یہ جگہ احاطۂ مسجد میں ہے یا اس پر عارضی طور سے جماعت ہوئی ہے مانع جواز نہیں۔ فقط:

کفایت اللہ کان اللہ لہ (دہلی)

اس سلسلہ میں مفتی مہدی حسن صاحب سے بھی رجوع کیا گیا، سوال و جواب بالفاظہا مندرجۂ ذیل ہیں:

سوال:......کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجۂ ذیل صورت میں کہ ہمارے یہاں احاطۂ مسجد میں صحن مسجد کی ایک جانب حوض کے متصل زمین کا ایک مختصر قطعہ متعلقہ مسجد واقع ہے، اس جگہ پہلے غسل خانہ اور کنواں تھا، چند سال ہو گئے یہاں سے غسل خانہ دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا، اور کنواں پاٹ دیا گیا، اور زمین ہموار کر کے فرش کو پختہ بنا لیا گیا ہے، اس پختہ فرش پر لوگ بیٹھتے ہیں، اور بلا کھٹکے دنیا کی باتیں کرتے ہیں حتی کہ بیڑی

سگرٹ بھی پیتے ہیں، اور بعض دفعہ لوگ سنتیں اور نوافل بھی پڑھ لیا کرتے ہیں، اور جب مسجد شہید کردی گئی تھی تقریباً ڈیڑھ ماہ صحن مسجد میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے پنج گانہ نماز با جماعت اس جگہ ادا کی گئی تھی، میں نے مسجد کی بھلائی اور کفایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کنویں کو نفس مسجد سے خارج سمجھ کر جدید بیت الخلاء سے جو احاطہ مسجد میں ایک طرف واقع ہے، جوتہ اتارنے کی جگہ سے مذکورہ معطل کنویں تک بول و براز جانے کے لئے سطح زمین سے دو قد آدم گہرائی میں پائپ ڈال دیا ہے، اور پائپ سے سطح زمین تک کا (حصہ) مٹی سے بھرا ہوا ہے، اس لئے بدبو آنے کا بھی احتمال نہیں ہے، بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ چونکہ یہ کنواں احاطۂ مسجد میں ہے لہذا داخل مسجد ہے اور اس کا فرش بحکم صحن مسجد ہے، خصوصاً جب کہ یہاں سنتیں اور نوافل پڑھی جاتی ہیں، اور ایک عرصہ تک فرض نماز با جماعت ادا کی گئی ہے۔ امید ہے کے نقشۂ مسجد ملاحظہ فرما کر حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں گے۔ یہ بھی خیال رہے کہ مذکورہ کنواں بہت گہرا ہے اور ندی بھی قریب ہے، پانی چڑھنے اترنے سے غلاظت کھنچ جایا کرے گی، اس لئے بھر جانے کا اندیشہ نہیں ہے، اگر اس کو بند کردیا جائے اور دوسرا کنواں کھدوایا جائے تو حکومت اجازت نہیں دیتی یعنی: ۲۰ رفٹ سے زیادہ گہرا کنواں کھودنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس لئے بار بار بھر جانے کا امکان ہے، اور دریں صورت مصلیوں کو تکلیف ہوگی، اور مسجد پر بار پڑتا رہے گا اور مسجد ذی حیثیت بھی نہیں ہے، لیکن اگر یہ پائپ مسجد کی بے حرمتی کا باعث ہو تو اس کے مقابلہ میں ہر قسم کی زحمت گوارا کی جاسکتی ہے۔

بینوا توجروا۔ متولی مسجد کنارہ، راندیر ضلع سورت

الجواب...... ایک صحن مسجد ہوتا ہے اور ایک فناء مسجد، فنائے مسجد وہ خالی جگہ ہوتی ہے جس میں ضروریات مسجد پوری کی جاتی ہیں، عرفاً احاطہ مسجد میں جتنی جگہ ہوتی ہے اس میں مسجد،

صحن مسجد، فنائے مسجد وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے، اس میں غسل خانہ، پیشاب خانہ، بیت الخلاء ،وضوکرنے کی جگہ، حوض، جوتے اتارنے رکھنے کی جگہ، پانی کے مٹکے وغیرہ رکھنے کی جگہ ،مسجد کے ساز وسامان رکھنے کی جگہ وغیرذالک سب احاطۂ مسجد میں ہوتا ہے، لیکن سب پر مسجد کے شرعی احکام جاری نہیں ہوتے ہیں، حد مسجد شرعی سے جتنی زمین اور جگہ خارج ہوتی ہے وہ مسجد نہیں، بلکہ مسجد کے انتظامات اور ضروریات کے واسطے ہوتی ہے، ہاں جب اہل محلّہ (بانی اصلی مالک) افتادہ زمین کو مسجد کی توسیع کے لئے مسجد میں ملادیں تو وہ بھی مسجد ہو جائے گی۔

سوال میں جس جگہ سے پائپ ڈال کر کنوئیں تک پہنچایا گیا ہے، وہ بحسب نقشۂ منسلکۂ سوال حد مسجد شرعی سے خارج اور فنائے مسجد میں داخل ہے، صحن مسجد سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے، صحن مسجد جو فقہاء کے نزدیک مسجد ہے وہ وہی صحن ہے جو کھلی ہوئی جگہ ہوتی ہے، جس کو گرمی کی مسجد یا خارجی مسجد کہا جاتا ہے، جہاں جوتے اتارتے ہیں، جہاں کنواں بنا ہے جہاں غسل خانہ یا بیت الخلاء بنا ہے یہ سب صحن مسجد سے خارج جگہ ہے۔

لہذا صورت مسئولہ میں اس پائپ کو اس کنویں تک پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس سے مسجد کی بے حرمتی نہیں ہے، اس میں مسجد کو ناپاک کرنا نہیں ہے، اس میں مسجد میں نجاست جاری کرنا نہیں ہے کہ یہ سب جگہ بحسب نقشہ مسجد سے خارج ہے، اسی لئے وہاں بیٹھتے اٹھتے، باتیں کرتے، بیڑی وغیرہ پیتے ہیں، اور اس سے پہلے غسل خانہ بھی تھا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، کسی جگہ پر نوافل وغیرہ پڑھنے سے وہ جگہ مسجد نہیں ہوتی، اسی طرح کسی عذر کی بناء پر کسی خارج مسجد جگہ میں جماعت سے نماز پڑھنے سے وہ جگہ مسجد نہیں ہوتی، جب یہ نیت ہے کہ عذر جاتے رہنے پر اس جگہ کو چھوڑ دیں گے، مذکور سوال میں یہ موجود ہے

کہ مسجد بنانے کے لئے شہید کر دینے کی وجہ سے نماز پڑھنے کی مسجد اور صحن مسجد میں جگہ نہیں تھی، اس مجبوری کی وجہ سے چند دن اس جگہ پر جماعت سے نماز پڑھی گئی، اور جب مسجد بن گئی تو اس جگہ کو چھوڑ دیا گیا، ایسی صورت میں اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اور وہ جگہ مسجد نہیں۔

وقيد باذن البانی ' لان متو لی المسجد اذا جعل المنزل الموقوف علی المسجد مسجدا وصلی فيه سنين ثم ترک الصلوة فيه واعيد منزلا مستغلا جاز ' لان المتولی وان جعله مسجدا لا يصير مسجدا كذا فی الخانية۔(بحر: ص ۲۴۸ ج ۵)

لكن لوقال صلوا فيه جماعة صلاة أو صلوتين يوما أو شهرا لا يكون مسجدا كما صرح به فی الذخيرة وقدمناه عن الخانية فی الرحبة۔(بحر: ص ۲۴۹ ج ۵)

جعل شيئی أی جعل البانی شيئا من الطريق مسجدا لضيقه ولم يضر باالمارين جاز (درمختار) ثم ظاهرمانقلناه ان تقييد الشارح اولا بالبانی ' وثانيا بالامام غير قيد ، الخ۔(ردالمحتار ص ۳۹۵ ج ۳)

کتبہ: السید مہدی حسن غفرلہ

مفتی راندیر سورت

۱۹ر فروری ۱۹۳۶ء

میں نے خود بھی علاوہ نقشہ کے اس جگہ کو دیکھا ہے کہ مذکورہ کنواں اور پائپ وغیرہ فناء مسجد میں ہے جو حد مسجد سے خارج ہے، صحن مسجد میں داخل نہیں ہے تا کہ نا جائز ہو، واللہ تعالی اعلم۔ بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ......اس جگہ کو بندہ نے دیکھا ہے، یہ جگہ حد مسجد سے خارج ہے، اس کو حد مسجد

میں داخل قرار دینا زبردستی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ سید عبدالرحیم غفرلہ لاجپوری

امام بڑی مسجد، راندیر

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
اشرف علی عفی عنہ	ظفر احمد عفی عنہ	عبدالکریم عفی عنہ	اسماعیل بسم اللہ	بندہ احمد نور
خانقاہ امدادیہ	خانقاہ امدادیہ	خانقاہ امدادیہ	جامعہ اسلامیہ	جامعہ حسینیہ
تھانہ بھون	تھانہ بھون	تھانہ بھون	ڈابھیل	راندیر

الجواب صحیح: شبیر احمد عثمانی

ایک دلچسپ بحث ''تعلیم الاسلام'' اور ''تعلیم المسلمین'' کی عبارات پر اشکال

جناب مولوی جعفر صاحب سورتی کو حضرت مولانا مفتیٔ اعظم محمد کفایت اللہ صاحب کی مشہور تالیف ''تعلیم الاسلام'' سے اتفاق نہیں تھا، اس لئے انہوں نے ''تعلیم الاسلام'' کے مقابلے میں ''تعلیم المسلمین'' کے چار حصے لکھے تھے، اور عقائد و مسائل میں جگہ جگہ خلاف کیا تھا، اس لئے حضرت مولانا محمد حسین صاحب (بانی جامعہ حسینیہ) نے ''تعلیم المسلمین'' پر تنقید کا کام اپنے ہونہار شاگرد صاحب فتاوی حضرت مفتی لاجپوری صاحب کے سپرد کیا تھا، حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے ''تعلیم المسلمین'' کی غلطیوں کی اصلاح مع حوالجات ونقول عبارات کتب فقہیہ معتبرہ مرتب فرما کر مسودہ استاذ محترم کی خدمت میں پیش فرما دیا، ان (اصلاح شدہ) مسائل میں ''تعلیم المسلمین'' حصہ چہارم میں یہ مسئلہ تھا:

جواب:...... قصر والی نمازوں میں مسافر قصداً اگر چار رکعت پڑھے تو اگر دوسری رکعت پر

قعدہ کرلیا ہے تو آخر میں سجدہ سہو کر لینے سے نماز ادا ہو جائیگی۔ (تعلیم المسلمین ص ۶۵ ج ۴)

حضرت مفتی لاجپوری صاحب کی تنقید

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف تعلیم المسلمین کے نزدیک مسافر بجائے دو کے قصداً چار رکعتیں پڑھے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے تو نماز ہو جائے گی، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، قصدا کی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں، نماز واجب الاعادہ ہوگی، لیکن اس مسئلہ میں ''تعلیم الاسلام'' کی عبارت بھی واضح نہیں پائی ''تعلیم الاسلام'' کی عبارت یہ ہے:

سوال:......اگر مسافر چار رکعتوں والی نماز پوری پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

جواب:......اگر دوسری رکعت پر قعدہ کرلیا ہے تو آخر میں سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی، لیکن قصدا ایسا کرنے سے گنہگار ہوگا، اور بھولے سے ہوگیا تو گناہ بھی نہیں۔

(تعلیم الاسلام ص ۴۴ حصہ ۴)

''تعلیم الاسلام'' میں بھی قصداً کی صورت میں اعادہ کی تصریح نہیں ہے، بلکہ قصدا کی صورت میں بھی سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جانے کا شبہ ہوتا ہے، اس بناء پر محترم مفتی لاجپوری صاحب نے حضرت مفتیٔ اعظم کی خدمت میں دونوں جوابات کے متعلق اپنا اشکال پیش کیا، اور لکھا کہ: لا یکفی سجود السهو ' لانه لتكميل السهو لا لرفع نقص العمد۔ سید عبدالرحیم

حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کا جواب

جواب:......''تعلیم الاسلام'' کی عبارت میں سجدۂ سہو کر لینے کے باوجود عمد کی صورت میں گنہگار رہونے کا حکم موجود ہے، جس کا مطلب یہی ہے کہ نماز واجب الاعادہ ہے، لان الاثم يتعلق لفعله الاختیاری ' وهو عدم قبوله رخصة الله تعالى أو الزيادة على فريضة الله

تعالی ، اگر چہ وجوب اعادہ کی تصریح سے وہ عبارت بھی قاصر ہے تاہم جتنی عبارت ہے وہ غلط نہیں ہے، البتہ ''تعلیم المسلمین'' کی عبارت مخدوش ہے۔

''تعلیم المسلمین'' پر ایک اور اشکال اور حضرت مفتی اعظم کا جواب

سوال:...... پہلی جماعت ہوگئی تو دوسری جماعت ہوسکتی ہے؟

جواب:...... ہاں اگر محلّہ کی مسجد ہے اور اس کے امام معین نے اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی ہو تو اب دوسری جماعت محراب سے داہنی یا بائیں جانب ہٹ کر بغیر اذان اور اقامت کے جماعت سے نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے، اور پہلی جماعت بغیر اذان کے ہوئی ہے، یا معین امام کے سوا دوسرے نے جماعت کی تو اب دوسری جماعت اذان و اقامت کے ساتھ جائز ہے، اور یہ پہلی جماعت شمار ہوگی۔ (تعلیم المسلمین ۴۲/۴)

کیا یہ جواب صحیح ہے؟ مجھ کو خصوصیت کے ساتھ ''بالاتفاق جائز ہے'' اس پر اعتراض ہے، امید کہ حضرت والا اپنی تحقیق سے مشرف فرمائیں گے۔

سید عبد الرحیم لاجپوری

جواب:...... بالاتفاق جائز ہے، یہ درست نہیں ہے، غالباً مؤلف تعلیم المسلمین نے فقہاء کی ان عبارتوں سے یہ سمجھا ہے جن میں تبدیل ہیئت کے بعد ''جاز اجماعاً'' یا ''تجوز اجماعا'' لکھ دیا ہے، مگر وہ غالباً حضرت امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے اتفاق کے متعلق ہے ''اتفاق بین الائمة الاربعة'' اس سے مراد نہیں ہے، اور نہ ''اتفاق ائمتنا الثلاثة'' مقصود ہے، مزید تحقیق کے لئے یہاں جیل میں کتابیں موجود نہیں ہیں۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ

سنٹرل جیل، ملتان

ایک اہم استفتاء کی تصدیق

حضرت مفتی صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حسب ذیل فتوی شائع کرانا ہے، لہذا تصدیق یا اصلاح سے مشرف فرما کر جلد روانہ فرمائیں۔

سوال: ......کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ: حافظ بلا اجرت تراویح پڑھانے والا نہیں ملتا، اور اجرت دینا لینا جائز نہیں، تو پھر ہم تراویح میں قرآن مجید کیوں کر سنیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ...... بلاشبہ طاعت پر اجرت لینا اور دینا جائز نہیں، فقہاء متاخرین نے اس حکم سے جن امور کو مستثنی فرمایا ہے، ان میں تراویح میں قرآن سنانے پر اجرت لینے کا مسئلہ شامل نہیں ہے، لہذا تراویح میں اجرت پر قرآن سنانا ناجائز ہے، اس پرفتن زمانہ میں جبکہ لوگوں کو دینی تعلیم سے ایک قسم کی نفرت سی پیدا ہو رہی ہے، حفاظ کی تعداد گھٹتی نظر آتی ہے، اور جو ہیں وہ بھی برائے نام حافظ ہیں، کیونکہ تراویح میں سنانا چھوڑ رکھا ہے کہ سنانے میں نہ روپیہ ملتا ہے، نہ عزت دیکھتے ہیں، اگر روپیہ ملتا ہے تو مطعون ہونا پڑتا ہے، مستقبل اس سے بھی تاریک نظر آتا ہے، لہذا میرے نزدیک اجرت لینے کے لئے جواز کی شکل یہ ہے کہ رمضان کے لئے حافظ کو ثانی امام یا نائب امام اجرت (تنخواہ) پر متعین کرلیا جائے، اور اس کے ذمہ تراویح کے علاوہ عشاء وغیرہ ایک دو وقت کی نماز لازم کردی جائے، اور باقی اوقات میں اگر زیادہ دشوار نہ ہو تو حاضری ضروری قرار دی جائے، اور چندہ کر کے یا پھر مسجد سے تنخواہ پوری کردی جائے۔ فقط: واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ: سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ

شعبان المعظم ۱۳۷۰ھ

الجواب: ھوالموفق ...... اگر رمضان المبارک کے مہینہ کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین کردی جائے، تو یہ صورت جواز کی ہے کیونکہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب: حامداً و مصلیًا ...... اصل مذہب تو عدم جواز ہی ہے، لیکن حالت مذکورہ میں حیلہ مذکورہ کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱ حررہ العبد: محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

---

۱ ...... حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ کا رجحان اس حیلہ کے عدم جواز کا ہے۔ راقم نے اپنی تصنیف ''مفتی سعید احمد پالپوری کی فقہی بصیرت'' (ص ۱۱۲) پر لکھا ہے:

مسئلہ: ...... تراویح کے امام کے ذمہ ایک دو نمازیں معین کرکے اس کو تنخواہ دینا اس وقت جائز ہے جب امامت ہی مقصود ہو، حالانکہ یہاں مقصود تراویح ہے، اور یہ محض ایک حیلہ ہے، دیانات میں جو کہ معاملہ فی مابین العبد و بین اللہ ہے حیل مفید جواز واقعی کو نہیں ہوتے، لہذا یہ ناجائز ہے۔

اس پر تحریر فرماتے ہیں: قاعدہ ہے: ''الامور بمقاصدھا'' پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لئے تراویح کا امام بنایا جاوے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے، بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے۔ (فتاوی دار العلوم جدید ۴/۲۷۳)

لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حیلہ کے جواز کا فتوی دیا ہے، فرماتے ہیں: اگر رمضان المبارک کے مہینے کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین کردی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے، کیونکہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ (دیباچہ فتاوی رحیمیہ ص ۵ ج ۲)

لیکن ظاہر ہے کہ یہ حیلہ ہی حیلہ ہے، مقصود واقعی ختم قرآن شریف ہے، امامت مقصود ہرگز نہیں ہے اور دیانات میں حیلے مفید جواز نہیں ہوتے، فالحق ما افتی بی المجیب قدس سرہ العزیز۔

(امداد الفتاوی جدید ص ۳۴۶ ج ۲)

حضرت مفتی لاجپوری صاحب نے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بار بار استصواب فرمایا ہے، اور ہر بار تصدیق سے نوازے گئے ہیں، بطور نمونہ ایک خط اس سلسلہ کا بھی پیش ناظرین کیا جارہا ہے۔

حضرت مولانا صاحب مدظلکم العالی السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

بعد ماھوالمسنون معروض خدمت آنکہ زید کہتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے قریب میں کسی بزرگ کا مقبرہ ہوتو کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ مصلی اور مقبرہ کے درمیان مقبرہ کی دیوار حائل ہے، البتہ اگر قبر بلامقبرہ ہوتی تو نماز مکروہ ہوتی۔

میرا خیال یہ ہے کہ مقبرہ کی چاروں دیواریں بوجہ اتصال کے قبر کے تابع ہیں، چنانچہ مبتدعین قبر کے مانند جدار مقبرہ کو بھی قابل تعظیم سمجھتے ہیں، پس اگر کوئی آدمی مقبرہ کی طرف نماز پڑھے گا تو دیکھنے والے کو ضرور شبہ ہوگا کہ یہ شخص شاید تعظیماً اس جگہ نماز پڑھتا ہے، لہذا تحرزاً عن اشتباہ التعظیم ایسے موقع پر نماز پڑھنے کی ممانعت کرنی چاہئے، امید ہے کہ جناب والا اس کے متعلق تحریر فرما کر بندہ کو تشفی فرمائیں گے۔ ''مرقاۃ'' میں یہ عبارت ہے:

ولا تصلوا ای مستقبلین الیها ' لما فیه من التعظیم البالغ ' لان تکون کراهة تحریم ' وفی معناه بل اولی منه الجنازة الموضوعة۔ (مرقاۃ المفاتیح ص۳۷۲ ج۱)

بندہ خادم قدیم: عبدالرحیم غفرلہ

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں بھی اسی خیال سے متفق ہوں''۔

(انتہی: مضمون منشی صاحب مرحوم)

نوٹ:...... یہاں سے ''حضرت مفتی صاحب اور اشعار'' تک کے حالات حضرت مفتی

صاحب کے کسی خادم نے حافظ سید مرغوب احمد راندیری سے سن کر مرتب کئے ہیں۔ مرتب

اتباع سنت

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ذات اقدس میں اللہ تعالی نے جو اوصاف وکمالات ودیعت فرمائے ہیں ان کا ادراک ہم جیسے کوتاہ نظروں کے لئے بہت ہی مشکل ہے تاہم حضرت کے بعض اوصاف ایسے نمایاں تھے کہ کوتاہ سے کوتاہ نظر انسان بھی ان کا ادراک کئے بغیر نہیں رہ سکتا، مثلا: اتباع سنت اور بدعت سے نفرت، یہ وصف حضرت کی زندگی کے ہر شعبہ میں بے حد نمایاں ہے، عبادات کا شعبہ ہو، معاملات کا شعبہ ہو، معاشرت اور اخلاق کا شعبہ ہو، ہر جگہ نبی اکرم ﷺ کے مبارک طریقوں پر عاشقانہ فدا ہونا، خود ان کا اہتمام فرمانا اور دوسروں کی طرف سے اگر اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی ہو تو پوری فکر کے ساتھ ان کو سنت کی طرف متوجہ کرنا یہ آپ کا ایک خاص وصف ہے۔

۶۵ رسال تک حضرت نے جس محلّہ کی مسجد میں منصب امامت سنبھالا یہ بدعت کا گھڑ تھا، کوئی بدعت ایسی نہیں تھی جو یہاں نہ ہوتی ہو مثلاً: تیجہ، چالسواں، برسی، رجب کے کونڈے، تعزیہ داری، مزارات کا عرس، گیارہویں شریف، ۱۲ ربیع الاول کو مساجد میں کھیر تقسیم ہونا وغیرہ، اور یہ سب خرافات ایسی تھیں کہ راندیر کا سپاہی واڑہ (جو تقریباً: ۲۰ رمحلوں پر مشتمل ہے) کا شاید ہی کوئی گھرانہ ایسا ہو جہاں یہ خرافات نہ ہوتی ہوں، فاتحہ خوانی کی بھر مار تو ایسی تھی کہ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جنازہ گھر سے اٹھنے سے لے کر دفن میت تک پانچ فاتحے ہو جاتے تھے۔

بدعات وخرافات سے بھرپور اس ماحول میں حضرت نے منصب امامت دس، بیس نہیں بلکہ پورے: ۶۵ رسال تک پورے عزم واستقلال اور حق گوئی وبے باکی کے ساتھ سنبھالا،

اور بدعات کے ختم کرنے اور نور سنت سے معاشرہ کو منور کرنے کی محنت برابر جاری رکھی، یہاں تک کہ آج ان تمام بدعات وخرافات کا نام ونشان مٹ چکا ہے، راندیر کی ہجیرہ مسجد کے متولی حاجی گلاب خان صاحب نے مولانا محمد حسین صاحب بانی جامعہ سے کہہ رکھا تھا کہ ہجیرہ مسجد میں کسی اچھے امام کی ضرورت ہے، آپ کی نظر میں کوئی ہو تو نشاندہی فرمائیں حضرت مولانا محمد حسین صاحب کا شادی کی ایک تقریب میں نوساری جانا ہوا، وہاں نوساری جامع مسجد میں حضرت مفتی صاحب امام تھے، اور آپ کی قراءت وتجوید اور خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کا بڑا شہرہ تھا، مولانا محمد حسین صاحب نے حضرت مفتی صاحب سے فرمایا کہ بھائی! ہم نے تمہاری بہت تعریف سنی ہے، ہم کل فجر کی نماز تمہارے پیچھے پڑھیں گے، حضرت نے عرض کیا کہ میری مسجد آپ کی قیام گاہ سے بہت دور ہے، آپ کو وہاں پہنچنے میں بہت دقت ہوگی، تو مولانا نے فرمایا کہ: کچھ بھی ہو ہم نماز تمہارے پیچھے ہی پڑھیں گے، چنانچہ فجر کی نماز کے لئے جامع مسجد تشریف لائے، نماز کے بعد ملاقات کی اور فرمایا کہ ہم نے تمہاری جتنی تعریف سنی تھی، آپ تو اس سے بھی اچھا پڑھتے ہیں، آپ کے لئے راندیر زیادہ موزون ہے، حضرت نے فرمایا کہ: راندیر تو علم کا مرکز ہے، وہاں بڑے بڑے علماء اور مشائخ ہیں، بھلا میری کیا حیثیت ہے، میں تو عالم بھی نہیں ہوں، صرف حافظ ہوں، تو مولانا محمد حسین صاحب نے فرمایا کہ: آپ آؤ تو سہی، سب کچھ ہو جائے گا، آپ عالم بھی بن جائیں گے، سند بھی مل جائے گی۔

مولانا حسین صاحب نے راندیر آکر حاجی گلاب خان سے تذکرہ کیا، تو انہوں نے کہا کہ ضرور بلا لیجئے، اور ایسا کریں کہ ایک دن جمعہ یہاں پڑھوا کر دیکھ لیں، چنانچہ نوساری حضرت کو خبر دی گئی، اور ایک جمعہ طے ہو گیا، حضرت جامع مسجد کا جمعہ اپنے والد محترم کے

حوالہ کر کے راندیر تشریف لائے، مولانا محمد حسین صاحب نے فرمایا کہ: آپ میرے مہمان ہیں، جمعہ حظیرہ مسجد میں پڑھا کر کھانا میرے ساتھ کھائیے، اور دیکھو یہاں جمعہ کی نماز کے بعد فاتحہ ہوتا ہے، اس کے بغیر تم امامت کے لئے پاس نہیں ہوں گے، تو آپ بھی فاتحہ پڑھ لیں ورنہ بہت شور ہوگا، تو حضرت نے فرمایا: یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکے گا، اس پر مولانا خاموش ہوگئے، پھر حضرت مسجد آئے تو حاجی گلاب خان سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بھی وہی بات دہرائی، حضرت نے ان کو بھی وہی جواب دیا، جب جمعہ کا وقت ہوا تو حضرت نے خطبہ پڑھایا، اور بہت شاندار خطبہ پڑھایا، ایسا کہ لوگ سنتے ہی رہ گئے، پھر نماز پڑھائی، بہترین قرأت فرمائی، اور نماز کے بعد مختصر سی دعا مانگی اور سنت کے لئے کھڑے ہوگئے، نماز کے بعد لوگوں میں حضرت کی حسن قرأت پر ہی تبصرہ ہوتا رہا، فاتحہ کو تو سب بھول ہی گئے، نماز کے بعد جب باقاعدہ تقرر کی بات چیت شروع ہوئی تو حضرت نے پوچھا کہ میرے ذمہ کیا کیا کام ہوں گے؟ متولی صاحب نے کہا: وہی جو امام کے ذمہ ہوتے ہیں، حضرت نے فرمایا: اس کی وضاحت کر دیجئے، تو انہوں نے کہا کہ پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ نماز جنازہ پڑھانا، اور جنازہ پر فاتحہ پڑھانا، اور کفن میت کا انتظام کرنا کہ دکان پر جا کر کون سا کپڑا کتنا لینا وغیرہ، تو حضرت نے فرمایا کہ: فاتحہ تو میں نہیں پڑھوں گا، تو متولی صاحب نے کہا کہ پھر تقرر بھی مشکل ہے یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے، اور جانے لگے تو حضرت نے مولانا حسین صاحب سے کہا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ پانچ روپے مؤذن کو دے دیئے جائیں اور یہ کام ان سے کروا لئے جائیں تو مولانا نے فوراً حاجی صاحب کو آواز دی اور بلا کر یہ تجویز پیش کی تو انہوں نے منظور کر لیا اور بات طے ہوگئی۔

جمعہ کے لئے مخصوص لباس ہونا سنت ہے، حضرت کا بھی پوری زندگی اس کا معمول

رہا کہ جمعہ کے دن جمعہ کے وقت مخصوص لباس پہنتے تھے، عمامہ باندھتے تھے، کالا عمامہ بہت پسند تھا۔

ٹیک لگا کر کھانے پینے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے، حضرت کو تندرستی کے زمانہ میں تو اس کا اہتمام تھا ہی، بیماری اور ضعف کے زمانہ میں بھی جبکہ بغیر ٹیک لگائے بیٹھنا مشکل ہے، دیکھنے والوں نے نوٹ کیا کہ کوئی چیز حتی کہ دوائی بھی کھانے یا پینے سے پہلے تکیہ چھوڑ دیتے ہیں۔

آپ کی زندگی میں دو تین مرتبہ سورج گرہن ہوا، اور آپ نے نماز کسوف پڑھائی۔

جب بھی خطرناک حالات پیش آتے تو فجر میں قنوت نازلہ شروع کرتے، حالات مزید شدت پکڑ جاتے تو مغرب اور عشاء میں بھی پڑھتے، اور اپنے نائب مولانا محی الدین صاحب کو بھی اس کی تاکید کرتے ''مرار جی دیسائی'' کے دور حکومت میں جبکہ مسلمانوں کو شدید خطرہ تھا، تقریباً ایک سال مکمل شوال سے شوال تک قنوت نازلہ پڑھی، ایک موقع پر ''اسکائی لیب'' گرنے والا تھا جس سے سخت تباہی کا اندیشہ تھا، اس موقع پر بھی پڑھی، امر جنسی'' کے زمانہ میں بھی پڑھی، بلکہ ایسا بھی ہوا کہ خطرہ کسی دوسرے ملک میں مسلمانوں کو ہوا اور یہاں حضرت نے قنوت نازلہ پڑھی۔

جمعہ میں اس کا بہت اہتمام تھا کہ خطبہ نماز کے مقابلہ میں مختصر ہو، کیونکہ حدیث میں اسی کو پسند کیا گیا ہے، خود جمعہ کے اندر ''سورۂ اعلیٰ'' اور ''سورۂ غاشیہ'' اور جمعہ کی فجر میں ''سورۂ الم سجدہ'' اور ''سورۂ دہر'' کا اہتمام فرماتے، مگر التزام نہیں تھا، اور کبھی ''سورۂ جمعہ'' اور ''سورۂ منافقون'' پڑھتے، وتر میں ''سورۂ اعلیٰ'' اور ''سورۂ کافرون'' اور ''سورۂ اخلاص'' کا اہتمام تھا، جمعرات کی مغرب میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کا معمول تھا، مگر ان میں

بھی التزام نہیں تھا۔

غسل میت دینے کی نوبت تو شاید کبھی نہیں آئی، لیکن دو تین مرتبہ ایسا موقع آیا کہ کسی اہل تعلق کے غسل کے موقع پر آپ وہاں حاضر رہے، تو غسل دینے والے کو سنت طریقہ کی رعایت کی تاکید فرمائی، نماز جنازہ پڑھاتے تو مشہور دعا کے علاوہ یہ ماثور دعا بھی پڑھتے:

''اللهم اغفرله ' وارحمه ' وعافه واعف عنه ' واكرم نزله ' ووسع مدخله ' واغسله بالماء والثلج والبرد ' ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله دارًا خيراً من داره ' واهلاً خيرا من اهله''۔

دعا کے معاملہ میں آہستہ مانگنے کا بہت اہتمام تھا، خود بھی فرض نمازوں کے بعد دعا آہستہ مانگتے، دوسروں کو بھی اسی کی تاکید فرماتے، حتی کہ رمضان میں: ۲۷/ویں شب میں ختم ہوتا تو حافظ کو فرماتے کہ آج دعا مانگنا، مگر آہستہ، اس موضوع پر ایک مسئلہ اشتہار کی شکل میں شائع فرمایا کہ ''فرض نماز کے بعد امام جہراً دعا مانگے یا سراً؟'' جو ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۳۲۵ ج ۴/ پر شائع ہو چکا ہے۔

بچوں کی دل داری بھی اتباع سنت کا ایک حصہ ہے، آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے، اور راستہ میں بچے کھیل رہے ہوتے تو آپ خود سلام کرتے۔ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی بہت زیادہ اہتمام تھا۔

اعتکاف اور ماہ مبارک کے معمولات

اعتکاف کا مستقل معمول رہا، اور بہت اہتمام کے ساتھ ہر سال عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف فرمایا، بلکہ شروع میں جب راندیر تشریف لائے تو جہالت بہت ہی زیادہ تھی، جب رمضان میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کیا تو لوگ اس کا نام بھی صحیح نہیں بول سکتے تھے، لوگ اس کو کوہ

قاف بولتے تھے، اور کہتے تھے کہ دیکھو یہ امام صاحب مسجد میں رات کو اکیلے رہتے ہیں، ان کو ڈر بھی نہیں لگتا، ان کو جنات ستاتے نہیں ہوں گے؟ غرض کہ بہت ہی تعجب کرتے، مگر حضرت کے اس استقلال کی برکت یہ ہوئی کہ زیادہ نہیں ایک سال کے بعد ہی معتکفین کا سلسلہ بڑھنا شروع ہوگیا، اور یہ سلسلہ ہر سال بڑھتا ہی رہا، یہانتک کہ ایک وقت وہ آیا کہ پوری مسجد معتکفین سے بھرگئی، اور اعتکاف کے زمانہ میں پورا وقت ایسا گزرتا تھا کہ قابل رشک، صبح تین بجے بیدار ہوکر تہجد میں مشغول ہوجاتے، دیر تک مشغول رہتے، پھر طویل دعا کرتے، پھر سحری کرتے جس میں ایک آدھ چپاتی سوپ کے ساتھ کھاتے، پھر دواؤں کا سلسلہ چلتا رہتا، چائے پیتے، پانی پیتے رہتے، سحری اخیر وقت میں کرنا زیادہ پسند تھا، اخیر میں وضو وغیرہ سے فارغ ہوکر فجر کی نماز پڑھاتے، نماز کے بعد آرام کرتے، پھر نو بجے بیدار ہوجاتے وضو سے فارغ ہوکر حفاظ کا قرآن سنتے، گیارہ بجے فتوی نویسی کا کام شروع کرتے، ضروری کتابیں ساری گھر سے مسجد میں منگوا لیتے، اور ظہر تک فتوے لکھتے، ظہر کے بعد ڈاک لکھتے، پھر آرام فرماتے، عصر کی اذان سے پہلے اٹھ کر وضو کرتے، نماز پڑھاتے، نماز کے بعد پھر حفاظ کا قرآن سننے کا سلسلہ شروع ہوجاتا، یہاں تک کہ مغرب سے پہلے طویل دعا کرتے، افطاری کرتے، افطاری میں راندیر کے دستور کے مطابق حلیم کا ہونا لازم تھا، افطار کے بعد نماز مغرب ادا فرماتے، مغرب کے بعد طویل اوابین پڑھتے، اوابین کے بعد صرف چائے پیتے، اس کے بعد دوائیں پیتے، پھر استنجاء وغیرہ سے فارغ ہوکر عشاء اور تراویح پڑھتے، حفاظ کو لقمہ دیتے اور اس معاملہ میں بہت چوکنا رہتے، ایک مرتبہ تراویح کے امام حافظ عبداللہ خان نے ایک جگہ غلطی کی، حضرت نے لقمہ دیا، انہوں نے نہیں لیا، ان کو غلط یاد رہ گیا تھا، حضرت نے پھر صحیح بتلایا، انہوں نے پھر غلط پڑھا، حضرت نے پھر بتلایا،

بہت دیر تک یہی سلسلہ رہا، حافظ عبداللہ خان کے والد حاجی گلاب حان نے بعد میں اپنے بیٹے عبداللہ خان سے کہا بھلا آدمی! نماز میں بھی لڑتا ہے، غرض کہ حضرت نے چلنے نہیں دیا، تراویح کے بعد مولانا اجمیری صاحب رحمہ اللہ تفسیر فرماتے، اس میں شرکت کرتے، اس کے بعد معتکف میں کچھ ناشتہ پھل وغیرہ تناول فرماتے، اس کے بعد تھوڑی دیر مجلس ہوتی یہاں تک کہ مسجد سے لوگ چلے جاتے، بتیاں بند ہو جاتیں، آپ وضو کرتے اور فرماتے کہ اب نوافل میں مزہ آئے گا، تو تقریباً گیارہ بجے سے لیکر ساڑھے بارہ ایک بجے تک مشغول ہوتے، اس کے بعد طویل دعا کرتے، پھر آرام فرماتے۔

ایک مرتبہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد حافظ عبداللہ خان کا قرآن سن رہے تھے، ہوا بہت تیز چل رہی تھی، اوپر جو جھومر لگا ہوا تھا وہ بہت زور سے ہل رہا تھا، ان دونوں نے دیکھا اور بات کی کہ اگر یہ گر جائے تو کیا حالت ہو، بس یہ کہنا تھا کہ جھومر دھڑام سے زمین پر گرا، مقدر کی بات کہ دونوں میں سے کسی کو آنچ نہیں آئی۔

اعتکاف کی نیت کرتے وقت یہ نیت بھی کر لیتے کہ اگر کبھی کوئی جنازہ آ گیا تو جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے مسجد سے باہر نکلوں گا، چنانچہ کوئی جنازہ آ جاتا تو آپ مسجد کے کنارہ پر آ کر صفیں لگواتے، اور جب لوگ بالکل تیار ہو جاتے تو جلدی سے باہر آتے اور نماز پڑھاتے اور سلام پھیرتے ہی جلدی سے اندر چلے جاتے، بڑی مسجد کے متولی حاجی گلاب خان نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سامنے حضرت مفتی صاحب کا یہ معمول بیان کیا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصویب فرمائی۔

متفرقات

حضرت نبی اکرم ﷺ کے حالات طیبہ میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ آپ نے کبھی کسی

مانگنے والے کو محروم نہیں فرمایا، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا بھی معمول تھا کہ مانگنے والے کو کبھی محروم نہیں کیا، فتوی نویسی میں مشغول ہوتے اور مانگنے والے آتے رہتے اور ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتے رہتے، سائلین کو بھی معلوم تھا کہ یہاں تو ضرور ملے گا، باقاعدہ ریز گاری (چلّر) منگوا کر رکھتے تھے۔

مہمان نوازی بھی حضرت کا خصوصی وصف تھا، ملاقات کرنے والوں کا تو رہا ہی تھا، اس کے علاوہ چونکہ حضرت کا دارالافتاء اپنے گھر پر آزاد چلتا تھا، بیشتر لوگ مسائل پوچھنے کے لئے آتے تھے، مگر ان کو حضرت کم سے کم چائے پلائے بغیر تو بھیجتے ہی نہ تھے، اور اگر کبھی دور سے آئے ہوں تو کھانا بھی کھلاتے، بہت سے اکابر کا تو حضرت کے اسی موجودہ مکان میں قیام بھی رہا، حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ دو مرتبہ تشریف لائے، اور دونوں مرتبہ دو دو روز قیام رہا، اس میں ان کی نسبت سے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہو جاتے تھے، سب کی چائے، قیام طعام سب حضرت کے یہاں ہوتا تھا، مہمانوں کے اس کی وجہ سے حضرت کے اہل خانہ بھی مشاق ہو گئے تھے، ان کا کہنا ہے کبھی حضرت اچانک آکر فرماتے کہ: ۲۰-۲۵ آدمیوں کا کھانا پکانا ہے، اور ہم بہت آسانی سے تیار کر لیتے، حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ نے بھی ایک مرتبہ قیام فرمایا، مولانا احمد رضا بجنوری صاحب، مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری صاحب، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا ہاشم بخاری صاحب، وغیرہ بہت سے بزرگوں کی ضیافت و میزبانی کا موقع آیا، اور عطر کا ہدیہ اتنی فراخ دلی سے کرتے تھے جیسے لگتا تھا کہ یہ کوئی چیز ہی نہیں، ملاقات کے لئے تشریف لانے والے اکابر کی خدمت میں بھی پیش فرماتے اور ان کے رفقاء و خدام کو بھی نوازتے تھے، اپنی تصنیفات کے عطیہ کے معاملہ میں بھی دل بہت فراخ واقع ہوا تھا ''فتاوی رحیمیہ'' کی کوئی نئی جلد طبع ہوتی تو اس

کی بہت بڑی تعداد تو عطیہ کی مد میں صرف ہو جاتی، اس کے علاوہ جو لوگ خریدنے آتے وہ کبھی حد سے زیادہ رعایت کے خواہاں ہوتے، تو ان کی حسب خواہش ان کو رعایت دی جاتی تھی بہت سے لوگ بذریعۂ ڈاک ہدیہ مانگتے تھے کہ ہم کو فتاوی کی ضرورت ہے، مگر خریدنے کی طاقت نہیں تو حضرت ان کی ضرورت کو پورا فرماتے، بہت سے حضرات کے لئے زکوۃ کی مد میں سے تقسیم فتاوی کا انتظام ہوتا، رمضان میں سفراء مدارس کے لئے افطاری اور کھانے وغیرہ کا انتظام حضرت اپنے گھر سے کرواتے تھے، بسا اوقات تو عین افطار کے وقت کوئی سفیر پہنچتا اس کے لئے بھی فوراً انتظام کرواتے، عام دنوں میں بھی کوئی سفیر آجاتا تو ان کے طعام کے ذمہ دار خود بن جاتے۔

مولانا عمران خان صاحب بھوپالی رحمہ اللہ بھی بارہا مہمان بنے، مولانا عبدالحمید گلاوٹی ہر سال تشریف لاتے، قاری عبدالرحمٰن صاحب ہاپوڑ والے بھی بطور مہمان تشریف لاتے، یومیہ کم از کم: ۲۰/۲۵ رچائے اور شربت کا اوسط رہتا تھا۔

اتباع سنت کا جتنا زیادہ التزام تھا، اتنا ہی اہتمام بدعات ورسومات سے اپنے آپ کو بچانے کا تھا، عید کے دن شیر خرما بنانے کا ایک عام رواج ہو گیا ہے، اس کے بغیر عید منائی ہی نہیں جاسکتی، مگر چونکہ ایک التزام مالا یلزم کی شکل ہو جاتی، اس لئے اپنے گھر میں اس سے منع فرماتے، عید کے دن مصافحہ بھی نہیں کرتے تھے، شروع میں لوگ عید کی نماز کے لئے عیدگاہ جانے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے اپنے محلّہ کی مسجدوں میں پڑھ لیتے تھے، مگر حضرت نے لوگوں کو بار بار اس پر متنبہ فرمایا اور ایک مختصر جامع مضمون بھی چھپوا کر تقسیم کروایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برابر ہر سال عیدگاہ میں نماز پڑھنے والا مجمع بڑھتا گیا۔

خود اس بات کا اہتمام فرماتے کہ عید کے لئے ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ

سے آتے، ایک مرتبہ عید کی نماز کے خطبہ کے بعد لوگوں نے اصرار کیا کہ دعا کرائیے، تو حضرت نے فرمایا کہ: دیکھو اللہ کے لئے دعا کرنی ہے تو وہ میں نماز کے بعد کر چکا ہوں، اور اگر دکھاوے کے لئے کرنی ہے تو ہاتھ اٹھاؤ میں دعا مانگنا شروع کرتا ہوں اور ظہر تک مانگتا رہوں گا، سب کو بیٹھے رہنا پڑے گا، یہ سنتے ہی سب بھاگ گئے، ایک بھی نہیں بیٹھا۔

ایک مرتبہ ایک صاحب ملنے آئے دوران گفتگو کہنے لگے کہ یہ آپ لوگ مسواک کرتے ہیں، اور پھر اس کو دھوکر جیب میں ہی رکھ لیتے ہیں، تو کتنے جراثیم پھیلتے ہوں گے؟ تم لوگ خود بھی مسواک کرتے ہو اور لوگوں کو بھی مجبور کرتے ہو؟ حضرت نے ان سے پوچھا کہ آپ کی شادی ہوگئی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت نے پوچھا: صحبت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں، حضرت نے پوچھا صحبت سے فارغ ہوکر کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کچھ بھی نہیں دھودھا کر سو جاتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ: اس کو کاٹ دینا چاہئے، کیونکہ وہاں تو منہ سے زیادہ خطرناک جراثیم کا اندیشہ ہے، خاموش ہی ہوگئے۔

حضور اکرم ﷺ نے ابتداء عمر میں تجارت فرمائی ہے جو سیرت طیبہ کا ایک مشہور پہلو ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم جب شروع میں راندیر تشریف لائے، امامت کی تنخواہ اتنی زیادہ نہیں تھی، فراغت ہو چکی تھی، فجر سے ظہر تک کا وقت تو فتویٰ نویسی قرآن سننے وغیرہ مشاغل ہیں گزرتا تھا، اس لئے ظہر کے بعد اطراف میں نکل جاتے اور عطریات، تسبیحات سرمے وغیرہ بیچتے تھے۔

دور امامت میں جب کبھی نماز میں کوئی نئی بات پیش آجاتی، اکثر لوگ اس مسئلہ سے واقف نہ ہوتے تو آپ فوراً کھڑے ہو جاتے اور فرماتے تھوڑی دیر تشریف رکھے، اس کے بعد مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ بتا دیتے، اسی طرح مصلیوں کی طرف سے خلاف اولی

کسی حرکت کو دیکھتے یا اور کوئی غلط بات دیکھتے تو مجمع میں کھڑے ہو کر اس پر تنبیہ فرماتے تھے، مثلاً دیکھا کہ لوگ رکعت پانے کے لئے بھاگ رہے ہیں تو آپ کھڑے ہو گئے اور حدیث کی روشنی میں لوگوں کو اس غلطی سے باخبر کیا، یہ بھی آپ ﷺ کا طریقہ ہے۔

ان ساری تفصیلات کو دیکھتے ہوئے انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا طرز زندگی سنت مطہرہ کے سانچہ میں ڈھل گیا تھا، جس کا نتیجہ تھا کہ آپ کی حرکات وسکنات سے سنت کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا تھا۔

بدعت سے قباحت کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت جب اعتکاف پورا کرتے یعنی عید کا چاند ہو جاتا تو جو لوگ وہاں موجود ہوتے تھے وہ جمع ہو جاتے، اور حضرت دعا کراتے، اس کے بعد گھر جاتے، مگر ہوتے ہوتے یہ بڑھنے لگا، لوگ باقاعدہ اس کے لئے جمع ہونے لگے اور التزام کی سی شکل ہونے لگی تو ایک موقع پر اسے طرح حضرت اوابین پڑھ رہے تھے اور لوگ منتظر تھے کہ حضرت فارغ ہوں اور دعا ہو، مگر حضرت اوابین سے فارغ ہوئے، عصا اٹھایا اور چلنے لگے، کچھ لوگوں نے دعا کے لئے کہا تو فرمایا: ابھی کاہے کی دعا؟

سنت شوق کا یہ حال تھا کہ پورا وضوء ایک ایک سنت کی رعایت کے ساتھ، مسواک کر کے، اہتمام کے ساتھ صرف ایک لوٹے میں کر لیتے تھے، اس وقت بھی جبکہ صاحب فراش ہیں اور بہت سارے اعذار لگے ہوئے ہیں، مگر سنن کا وہی اہتمام ہے جو صحت کے زمانہ میں تھا، ایک مرتبہ خادم وضو میں مسواک دینا بھول گئے تو اپنا ہاتھ آگے کی طرف بڑھائے رکھا (گویا مسواک مانگ رہے ہوں) یہاں تک کہ خادم کو یاد آ گیا۔

جمعہ کے غسل میں معمول تھا کہ اذان سے کچھ پہلے غسل کے لئے بیٹھتے تھے، اور بہت مختصر وقت میں غسل کر کے نکل آتے تھے، اور کپڑے بدل کر سیدھے جمعہ کے لئے جاتے۔

تہجد برسوں کا معمول رہا،صبح حسب اختلاف موسم تین یا چار بجے بیدار ہو جاتے ، پہلے چائے پیتے اس کے بعد استنجاء، وضوء سے فارغ ہو کر تہجد پڑھتے ،جس میں بہت لمبی قرأت کرتے ،اس کے بعد بہت لمبی دعا کرتے ،اس کے بعد تلاوت کرتے ، پھر استنجاء کر کے گھر میں سنت فجر ادا کر کے مسجد تشریف لے جاتے ،تہجد کے لئے بیدار ہونے میں بھی اس بات کا بہت خیال رکھتے کہ کہیں میری آہٹ سے کسی کی آنکھ نہ کھل جائے۔.....

گھر والوں کے ساتھ بھی ملاطفت کا معاملہ فرماتے ، حاضرین وخدام کے ساتھ بھی کبھی کبھی مزاح کر لیتے ہیں، حضرت کے پاس محلّہ کا ایک لڑکا صادق (جس کا نام فیروز تھا اور حضرت نے اس کو بدل کر صادق کر دیا تھا) کبھی کبھی کسی ضرورت سے تھوڑی دیر کی اجازت لے کر جاتا اور پھر دیر سے آتا تو حضرت فرماتے کہ: یہ صادق نہیں کاذب (جھوٹا) ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے حالات میں آتا ہے ’’کان دائم الفکرة وکان طویل الصمت ‘‘ یعنی آپ بہت سوچتے رہتے تھے، اور بہت دیر دیر تک خاموش رہتے تھے، جن لوگوں کو حضرت کی خدمت وحاضری نصیب ہوئی یا کم سے کم وقتاً فوقتاً ملاقات کے لئے آنا ہوا وہ اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں کہ حضرت مستقل سوچتے رہتے ہیں،اور بلاضرورت بولنا پسند نہیں فرماتے ، ملاقات کے لئے آنے والوں کے ساتھ بھی غیر ضروری گفتگو نہیں فرماتے اور اپنے تفکر میں منہمک رہتے ہیں۔

تقوی اور احتیاط

تقوی اور احتیاط سے حضرت کی صبح وشام بھری ہوئی ہے، اللہ رب العزت نے تقوی کے اعلی مقام پر فائز فرمایا ہے،اور خلاف شرع کوئی قدم اٹھانے سے بہت بچتے ہیں ’’فتاوی

رحیمیہ'' کی رقوم بذریعۂ ڈرافٹ آتی تھیں، تو ظاہر ہے کہ ان کو تو بینک میں جانا ہی تھا، مگر بینک میں رہنا حضرت کو بہت ہی گراں گذرتا تھا.....اس لئے حضرت ان رقومات کو دوسرے، تیسرے دن ہی اٹھوالیا کرتے تھے۔

اجلاس صدسالہ کے موقع پر حضرت بھی اپنے چند رفقاء: مفتی اکرام الحق صاحب، مولوی یوسف بھڑکودروی وغیرہ کی معیت میں دیوبند تشریف لے گئے تھے، اس سفر کی دیگر تفصیلات کسی دوسرے موقع پر درج کی جائیں گی، یہاں صرف اتنا لکھا جاتا ہے کہ جب اجلاس کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی اور اس وقت کی ہندوستان کی وزیر اعظم اندرا گاندھی اسٹیج پر آئی تو ہمارے بہت سے اکابر اٹھ کر چلے گئے تھے، مثلاً حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم، مولانا علی میاں صاحب، اس موقع پر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم بھی اسٹیج چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت سے چند بچیوں نے بھی تعلیم حاصل کی تھی، وہ بڑی ہوگئیں، اور حضرت بالکل ضعیف ہوگئے، وہ عورتیں ملاقات کا اشتیاق ظاہر کرتیں حضرت اس کو پسند نہیں فرماتے، جبکہ حضرت کو نظر بھی بہت ہی کم آنے لگا ہے، مگر وہ عورتیں اصرار کر کے ملاقات کے کمرہ میں گھر کی خواتین کے ساتھ جبراً داخل ہو جاتیں تب بھی حضرت احتیاطاً اپنی نگاہوں کو جھکا لیتے ہیں۔

اخیری چند سالوں میں جبکہ ظاہری قویٰ بیماریوں سے بہت زیادہ متأثر ہوگئے ہیں حالانکہ حافظہ بحال ہے، حضرت نے اعلان کر دیا ہے کہ ملاقات کرنے والے حضرات مسائل مجھ سے نہ پوچھیں، اس کے باوجود اگر کوئی ملنے والا پوچھ ہی لیتا تو حضرت فرما دیتے کہ اگلے کمرے میں مفتی اکرام صاحب بیٹھے ہوئے ہیں ان سے مسئلہ پوچھ لو۔ اس بارے

میں بھی حضرت کو بہت ہی زیادہ محتاط دیکھا گیا، کوئی بہت زیادہ اصرار کرتا تو حضرت فرما دیتے کہ غور کرنا پڑے گا، دیکھنا پڑے گا، اس کے بعد جواب ملے گا، کبھی کبھی یہ جواب دیا کہ کسی دارالافتاء میں پوچھ لینا، اور وہاں سے جو جواب ملے وہ مجھے بھی بتلا دینا۔

سخاوت

حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کی زندگی میں جو اوصاف نمایاں ہیں ان میں سے ایک سخاوت بھی ہے، جس کا ایک لازمی نتیجہ مہمان نوازی ہے جس کا تذکرہ اتباع سنت کے ذیل میں گذر چکا، مہمان نوازی کے علاوہ ویسے بھی خرچ کرنے کے معاملہ میں بڑے فراخ دل واقع ہوئے ہیں، اور جہاں واقعی موقع ہوتا، بے دریغ خرچ فرماتے، بیشمار سفراء مدارس اس بات کی شہادت دیں گے کہ جہاں حضرت مفتی صاحب ان کی آمد پر ان کے قیام و طعام کا نظم فرماتے وہیں مدرسہ کے لئے للہ رقوم ''فتاوی رحیمیہ'' بھی عنایت فرماتے، جب کوئی نئی جلد فتاوی کی طبع ہوتی تو خصوصی تعلقات والوں کو بطور ہدیہ ارسال فرماتے، مزہ کی بات تو یہ ہے کہ خصوصی تعلقات والوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے، عطر کا ہدیہ تو ایسے تقسیم کرتے جیسے پانی تقسیم کر رہے ہوں، عید کا چاند نظر آنے پر گھر تشریف لاتے، گھر والوں کو تاکید ہوتی کہ پچاس ساٹھ شیشیاں عطر کی بھری ہوئی تیار رکھنا، چنانچہ آپ رات کو آکر وہ شیشیاں بچوں کے ساتھ رشتہ داروں، علماء اور متعلقین کے یہاں بھیجا کرتے تھے۔

صلہ رحمی ......رضا بر قضا

رشتہ داوں کے ساتھ حسن سلوک میں تو حضرت نے وہ کمال دکھایا کہ واقعۃ ہمارے معاشرہ کے ایک ایک فرد کے لئے وہ نمونہ بننے کے قابل ہے، حضرت کی تین بہنیں تھیں اور

تینوں غیر شادی شدہ تھیں جن میں سے ایک کا انتقال ہوگیا، ابھی دو بقید حیات ہیں، اسی طرح حضرت کی کل چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تھے، جن میں سے دونوں صاحبزادے اور ایک صاحبزادی کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا، حضرت کے دونوں دامادوں (حضرت مولانا محی الدین صاحب اور حضرت مولانا ابرار احمد دھلیوی شیخ الحدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر) کا انتقال بھی حضرت کی حیات میں ہوگیا، ان میں سے مولانا محی الدین کی اہلیہ تو اپنے بیٹوں کے ساتھ رہتی ہیں، باقی دو بہنیں اور بیٹیاں حضرت کے ساتھ ہیں، حضرت ان کی کفالت پوری دل جمعی کے ساتھ کرتے ہیں، ان کے راحت و آرام کا پورا خیال رکھتے ہیں، حضرت کو حق تعالی نے جن آزمائشوں سے گزارا وہ حضرت ہی کا حصہ ہیں، کیسے ہی سخت سے سخت حالات پیش آ گئے، دنیا میں یہ تو بہت ہوتا ہے کہ کسی کا باپ گزر گیا، یا بیٹا گزر گیا، بیوی گزر گئی، یا شوہر گزر گیا، ماں گزر گئی، یا بیٹی گزر گئی، اور ان حالات میں بسا اوقات انسان تحمل کھو بیٹھتا ہے، مگر حضرت کے یہاں یہ سب ہوا، اور اس کے باوجود رضا بر قضا کا دامن حضرت نے مضبوطی سے تھام رکھا، بلکہ ایسے حالات میں جب کہ خود مستحق تعزیت ہیں د دوسروں کی ڈھارس بندھاتے رہے، حضرت کی پہلی اہلیہ کا انتقال ہوا، والدہ کا انتقال ہوا، والد صاحب کا انتقال ہوا، چھوٹی بیٹی کا انتقال ہوا، جو حضرت کی سب سے زیادہ چہیتی تھی، کل دو ہی نرینہ اولاد ہوئیں دونوں جلد ہی چل بسیں، حضرت کے عزیز داماد شیخ الحدیث خطیب العصر حضرت مولانا ابرار احمد دھلیوی کا وصال ہوا، اور بیٹی بیوہ ہوکر حضرت کے گھر آ گئی، چھوٹے بھائی مولانا عبد الحق صاحب اور حافظ سید عبد الحکیم صاحب اور مولانا عبد الاحد صاحب کا تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے انتقال ہوا، حضرت پورے خاندان میں جنہیں سب سے عزیز اور محترم رکھتے تھے، اس بہن کا انتقال ہوا جو حضرت کی

ان لاڈی بہنوں اور بیٹیوں کے لئے جو برسہا برس سے بغیر ماں کے زندگی گزار رہی تھیں ماں کے درجہ میں تھیں، اسی طرح (حضرت کے محترم اساتذہ، عزیز دوستوں، اور دور کے رشتے داروں، کے علاوہ) حضرت کی حیات ہی میں قریبی رشتے داروں کے کل ۲۵؍افراد کی موت کے حادثات پیش آئے، مگر حضرت کبھی بے خود نہ ہوئے، کبھی دامن صبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑا، حالانکہ ایسا بارہا دیکھا گیا کہ حضرت بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے ہیں اور آنسو گر رہے ہیں۔

قرآن کریم سے شغف

یہ بھی حضرت اقدس دامت برکاتہم کی زندگی کا ایک خصوصی وصف ہے، قرآن کریم کے ساتھ خاص شغف ہے، اس کی تلاوت، اس کا سننا، اور اس کی تعلیم کی ترویج، مکاتب کا وجود میں آنا، اور ان کے تعلیمی نظام کا مضبوط ہونا، معانی پر غور فکر، دیر تک آیات قرآنی میں تدبر، با قاعدہ ایک وقت مقرر کر کے تفاسیر معتبرہ کا سننا، یہ سب حضرت کے دل چسپ مشاغل ہے، اول تو تہجد میں طویل قیام فرماتے، جس میں با قاعدہ ترتیل سے قرآن پڑھتے، اس کے بعد نماز فجر تک تلاوت میں مشغول رہتے، اور نماز کے بعد دو تین میل کے فاصلہ پر پرانے پل تک پیدل جاتے، اور واپس آ کر ناشتہ کر کے دو تین حافظوں کا دور سن کر پھر فتاوی کے کام میں مشغول ہوتے، کبھی حضرت سنتے سنتے اچانک فرماتے ٹھیر جاؤ! ٹھیر جاؤ! اور پھر تدبر میں مستغرق رہتے۔ ملاقات کے لئے آنے والوں میں سے کسی کے متعلق اگر علم ہوتا کہ یہ قرآن بہت عمدہ پڑھتے ہیں تو حضرت ان سے باصرار فرمائش کرتے ہیں اور بہت شوق سے ان کا قرآن سنتے ہیں، صاحب فراش ہو جانے کے بعد بھی تراویح پورے قرآن ہی کی پڑھتے ہیں، اور اس کے لئے حافظ کا انتخاب رمضان سے بہت پہلے ہی بہت اہتمام

سے کر کے رکھتے ہیں، تراویح کی جماعت میں حضرت کے ساتھ اور بھی کچھ لوگ شریک ہوجاتے، دور سنانے والوں کا باقاعدہ ایک سلسلہ رہتا، اوران لوگوں کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے حضرت کو اپنے کئی کئی دور پورے سنائے، اس کے علاوہ خود اپنی نگرانی میں اپنے گھر پر حفاظ کو بلاتے اور ایک دوسرے کا دور سنواتے، رمضان المبارک میں اپنی نگرانی میں شبینہ میں تین رات میں ختم کرواتے، خود تراویح اور تفسیری شرکت سے فارغ ہوکر طویل نفلیں پڑھتے، جس میں ڈھائی تین گھنٹے صرف ہوتے، خود حضرت نے باقاعدہ اپنے اہتمام میں ایک مکتب جاری فرمایا، اپنے ہی گھر کے ایک کمرہ میں اور اس کا نام ''مدرسہ رحیمیہ تجوید القرآن'' رکھا، اس میں امتحانات کرواتے تھے، انعامی جلسے بھی طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے رکھواتے تھے، اور خود بھی قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے، لہجہ میں اپنے بچپن کے استاذ قاری عبدالستار لکھنوی کی ایسی پیروی کرتے کہ لوگوں کو حضرت کے پڑھنے پر قاری عبدالستار کا شبہ ہوجاتا تھا، اور قاری عبدالستار صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ واپی سے لیکر احمد آباد تک ان کے جیسا عمدہ قرآن پڑھنے والا کوئی نہیں تھا، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی قرأت ایسی دل پسند ہوتی تھی کہ بعض لوگ حضرت کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لئے مستقل دور کے محلوں سے بھی آتے تھے، خاص طور پر جامعہ حسینیہ اور اشرفیہ کے بعض اساتذہ اور طلبہ جمعرات کو مغرب کی نماز حضرت کی مسجد میں حضرت کی اقتداء میں پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔

قرآن کریم سے عشق ہی کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ ملاقاتیوں میں سے اگر کوئی شخص نصیحت کی درخواست کرتا تو حضرت یہ نصیحت تو ضرور کرتے کہ بھائی! قرآن پاک کی تلاوت خوب کرو!

کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ صبح بیدار ہوتے ہی حضرت کسی مخصوص آیت یا سورت کی تفسیر سننے کی فرمائش کرتے، اور پھر کسی ایک ہی کتاب کے سننے سے حضرت کو سیرابی نہیں ہوتی تھی، بلکہ مختلف کتب تفسیر میں سے اس کی تفسیر سننے، اور بہت غور سے اور بڑے شوق سے سنتے، کبھی کوئی بات پسند آتی تو دوبارہ اور سہ بارہ پڑھواتے، اور بارہا ایسا ہوا کہ تفسیر کے بعض ضروری حصوں کو قلمبند کروا کر اپنے پاس بہت حفاظت سے رکھ لیتے، یہ غلبۂ شوق وعشق ہی کی بات ہے، ورنہ وہ قلمبند شدہ مواد حضرت کو کہا کام دیتا جبکہ حضرت بینائی سے، لکھنے پڑھنے سے تو معذور ہو چکے ہیں۔

امراض اور موجودہ حالت

جس کو خدا رکھے اس کو کون چکھے

اللہ تعالی کی قدرت کاملہ واقعی عجیب نرالی شان رکھتی ہے کہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کی اگر اس عمر دراز کی طرف دیکھا جائے، اور دوسری طرف حضرت جن امراض کو طے کرکے یہاں تک پہنچے ہیں ان کو دیکھا جائے تو ان دونوں میں تباین کی نسبت معلوم ہوتی ہے، اگر کوئی شخص حضرت کی موجودہ حالت کو جو بایں عمر ہے دیکھے تو وہ اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا کہ حضرت کو ایسے ایسے امراض ہائلہ سے بھی پالہ پڑا ہوگا، جن کی تھوڑی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اس وقت حضرت اپنی عمر کی صدی پوری فرما چکے ہیں، اس کے بعد بھی حضرت کی جو فطری صحت کی بحالی ہے وہ آج کل کے جوانوں کو بھی مات دے سکتی ہے، حضرت کے حافظہ پر کوئی اثر نہیں، زمانۂ ماضی کا مطالعہ، لکھے ہوئے فتاوی، ذاتی احوال وواقعات جس استحضار کے ساتھ یاد ہیں، (جس کا اندازہ حضرت کی مجلس میں حاضر رہنے والے کسی شخص کو

بھی بآسانی ہوسکتا ہے) یہی کیا کم ہے کہ کسی مسئلہ کے بارے میں حضرت یہ فرمادیں کہ ''یہ مسئلہ میرے فتاوی میں ہے'' تو پھر یہ بات یقینی ہوجاتی ہے کہ وہ مسئلہ ''فتاوی رحیمیہ'' میں ہے ایسا کئی مرتبہ ہوا کہ حضرت نے اپنے حافظہ سے کسی مسئلہ کا فتاوی میں ہونا بیان فرمایا، اور خدام نے تلاش کرنے کے بعد فتاوی میں نہ ملنا بیان کیا، مگر نتیجہ یہ ہوتا کہ آخر میں وہ مسئلہ فتاوی میں مل جاتا۔

عمر کے اخیری مراحل میں جب حضرت کی بصارت آپریشن فیل ہونے کی وجہ سے ضائع ہوگئی، (جو حضرات صحابۂ کرام، محدثین وفقہاء متقدمین کی ایک سنت ہے) تب سے حالت یہ ہے کہ حضرت دیرینہ تعلقات والوں کو جو برسہا برس کے بعد ملتے ہیں، محض آواز سن کر پہچان لیتے ہیں، ان کو خود اپنا تعارف کرانے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔

سنجیدگی، مستقل مزاجی، صبر وضبط، حلم وتحمل جو عام طور پر اس عمر میں عنقاء ہوجاتے ہیں، حضرت کے اندر قابل رشک مقدار میں موجود ہیں، اور حضرت کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے اس فرمان کی صداقت کھل کر سامنے آجاتی ہے: ''من قرأ القرآن لم یرد الی ارذل العمر'' طبیعت میں لطافت، مزاج میں نزاکت، اور فطری بشاشت پر جیسے کوئی اثر ہی نہیں پڑا ہے۔

کبھی کبھی حاضر باش خدام یا بے تکلف دیرینہ تعلق والوں سے حضرت کا مزاح بھی قابل دید وشنید ہوتا ہے کہ پوری مجلس اس سے محظوظ ہوتی ہے۔ ایک صاحب وقتاً فوقتاً حضرت کی خدمت میں سنکارا (ہمدرد کی ایک دوا) بطور ہدیہ لاتے، حضرت نے انہی کا نام سنکارا رکھ دیا ہے۔ ایک حاجی صاحب ہیں جو حکیم صاحب سے پوچھ پوچھ کر حضرت کے لئے خمیرے لاتے رہتے ہیں، انہی کا نام حضرت نے خمیرہ رکھ دیا۔

حضرت کے چہرہ پر جو انبساط اور تازگی ہے وہ بھی اللہ تعالی کا ایک خصوصی معاملہ ہے، ورنہ عام طور پر اس حالت میں انسان کمھلا مرجھا کر ایسا ہو جاتا ہے کہ دیکھنے والا بھی منقبض ہو جاتا ہے۔

عمر کے اس مرحلہ میں بھی حالات حاضرہ سے واقف رہنے کی پوری کوشش فرماتے ہیں اور اس بات کا اشتیاق رہتا ہے کہ کوئی معتبر آدمی اخبارات کی خبریں اور ریڈیو کی باتیں حضرت کو سنائے، مسلمانان عالم کے حالات معلوم کرنے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔

قرآن کریم سننے کا بہت ہی زیادہ اہتمام ہے، جیسے ہی اس کا وقت ہوتا ہے سنانے والے کو فوراً طلب فرماتے ہیں اور انہماک کے ساتھ، مجسم ذوق وشوق بن کر اس طرح قرآن کریم کو عظمت واحترام کے ساتھ سنتے ہیں کہ دیکھنے والے کو کیف آ جاتا ہے، اور کوئی خوش الحان با تجوید ملاقات کے لئے آ جاتا ہے، تو حضرت اس سے قرآن سنانے کی فرمائش کرتے ہیں اور جب وہ سنا دیتا ہے تو بے انتہاء خوش ہوتے ہیں، اور سنانے والے کو بہت دعائیں دے کر رخصت فرماتے ہیں، ایک طالب علم کو جو بہت اچھا قرآن پڑھتا ہے، حضرت نے مقرر فرما دیا ہے کہ ہر جمعہ کو آ کر سورۂ کہف سنائے، چنانچہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی بے چینی سے ان کا انتظار شروع ہو جاتا ہے اور جب وہ قرآن سنا کر فراغ ہو جاتے تو پاس بیٹھنے والے کو یہ محسوس کرنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی کہ جیسے حضرت کو بہت دیر سے شدت کی پیاس لگی تھی، جس میں قرآن شریف سننے سے قدرے تسکین ہوئی۔

جتنا اہتمام قرآن شریف سننے کا ہے اتنا ہی اہتمام تفسیر سننے کا بھی ہے، کبھی ''فوائد عثمانی''، کبھی ''معارف القرآن'' اور کبھی ''بیان القرآن'' منگوا کر بہت شوق سے سنتے ہیں، اس کے علاوہ علمی مضامین، فتاوی اور مسائل سننے کا جس طور پر حضرت کے یہاں

سلسلہ چلتا ہے وہ ہم طلبہ کے لئے بہت ہی زیادہ عبرتناک ہے، عصر سے مغرب تک کا پورا وقت تفسیر سننے کے لئے مخصوص فرمادیا ہے، اس وقت میں اگر ملاقات فرماتے بھی ہیں تو بادل ناخواستہ محض زائرین کا حق سمجھ کر۔

علاوہ ازیں سماجی حالات کے پیش نظر کسی مضمون کی اشاعت کی ضرورت ہے، کتنی ضرورت ہے اس کا احساس پورے تیقظ کے ساتھ رہتا ہے، مضمون تیار کرنے کے لئے پوری رہنمائی فرماتے، مواد، مآخذ، ترتیب وغیرہ امور پر خود ہی روشنی ڈالتے ہیں، اور پھر پورے نشاط اور تن دہی کے ساتھ کام کی نگرانی فرماتے ہیں، اس طرح سے کی کہ گرفت ذرا بھی ڈھیلی نہیں پڑتی۔﴿ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء﴾۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ان حالات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے کیسی کیسی گھاٹیاں طے فرمائی ہیں؟

(۱)...... ہرنیا کا آپریشن ہوا۔ رکشا میں ایک خطرناک اکسیڈنٹ ہوا، جس کے نتیجہ میں بائیں کندھے کی ہڈی ٹوٹ گئی، جو ابھی تک اسی حالت پر ہے۔ ہرنیا کا آپریشن ڈاکٹر بالیگا سورت کے ہسپتال میں ہوا، گیارہ روز وہاں رہنا ہوا، پھر گھر آ کر بھی ڈھائی تین مہینے صاحب فراش رہے، اس دوران نمازیں حضرت کے داماد مولوی محی الدین صاحب قاضی اور ان کے بیٹے حافظ سید مرغوب احمد صاحب نے پڑھائیں، یہ آپریشن: ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں ہوا۔

(۲)......اس سے پہلے: ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں پتھری کا آپریشن: مشن ہسپتال واقع نزد چوپاٹی سورت میں ہوا، ۲۷/دن وہاں ٹھہرنا پڑا۔ ۱۳/رمضان المبارک سے: ۱۱/شوال

تک، عید بھی ہسپتال میں ہوئی، یہ آپریشن الحمد للہ کامیاب رہا۔

(۳)......ابھی چند سال ہوئے (۱۹۹۴ء میں) بائیں آنکھ کے موتیئے کا آپریشن ہوا، جس میں قضاء وقدر سے بصارت سے ہاتھ دھونا پڑا، مگر یہ بھی درحقیقت ہمارے اسلاف عظام کی ایک سنت ہے، تاریخ میں ایسے بیشمار صحابہ، تابعین اور محدثین کی فہرست ملتی ہے، جن کی بینائی اخیر عمر میں جاتی رہی۔

ابھی اگر حضرت کو بینائی کے چلے جانے کی حسرت ہے، تو صرف اس وجہ سے کہ میں کتب بینی سے محروم ہو گیا۔

(۴)......حضرت کی عمر: ۷/۸ ر سال کی تھی، اس وقت لاجپور میں رہتے تھے، حضرت کو مرض بحران جس کو گجراتی میں ''مجارا'' کہتے ہیں ہوا، یہ ایک بہت مہلک بیماری ہوتی ہے، جس میں ہوتا یہ ہے کہ انسان پہلے تو بے ہوش ہو جاتا ہے، پھر سکتہ کی سی کیفیت ہو جاتی ہے، اور اسی میں آدمی ختم ہو جاتا ہے، مگر خدا کی شان کی اس نے شفا بخشی۔

(۵)......حضرت فرماتے ہیں: ٹھیک یہی بیماری حضرت کو شادی کے بعد گھلاں میں بھی پیش آئی، اس وقت تو سب نے امید چھوڑ دی تھی، اور تقریباً سب ہی رشتہ دار تمام مقامات سے سمٹ کر گھلاں میں جمع ہو گئے تھے، لیکن اللہ تعالی نے اس موقع پر بھی بچالیا۔ ایسی ایسی گھاٹیاں طے فرمائی ہیں، تب کہیں سو پر پہنچے ہیں۔

(۶)......سلسلۂ امراض میں حضرت اس قصہ کو بھی سناتے ہیں کہ: لاجپور میں ایک زمانہ میں طاعون پھیلا تھا، نواب سچین کا پیغام آیا کہ لوگ گھروں کو چھوڑ کر کھیتیوں میں رہنا شروع کر دیں، چنانچہ سب لوگوں نے گاؤں خالی کر دیا اور کھیت آباد ہو گئے، انھی دنوں میں درانتی لے کر کچھ کاٹنے گیا تو درانتی میرے ہاتھ پر لگ گئی، ہاتھ میں بہت گہرا زخم لگ گیا،

میں چھوٹا تھا، بہت رویا چلایا، مجھے ایک عورت نے روتا دیکھ کر پوچھا کہ: بیٹا کیا ہوا؟ گھبراؤ نہیں، ٹھیک ہوجائے گا، یہ کہہ کر اس نے اپنے بنے ہوئے پان جلدی جلدی کھولے اور سب میں سے چونا نکال نکال کر میرے زخم میں بھرنے لگی، اور اخیر میں ایک چیتھڑا باندھ دیا، بس اسی سے ٹھیک ہوگیا، اب آپ چاہیں اسے آپریشن کہہ دو، پلاسٹک سرجری کہہ دو یا ڈریسنگ کہہ دو۔

(۷)...... نیز فرماتے ہیں: بچپن ہی کا واقعہ ہے ایک مرتبہ رات کے اندھیرے میں کوئی چیز مجھ پر گری اور میرا ہونٹ پھٹ گیا، میں بہت زور سے چلایا، والدہ بھی اٹھ گئی، بجلی تو تھی نہیں لالٹین جلائی تو والدہ کو سانپ نظر آیا، والدہ زور سے چلائیں کہ: سانپ! اس پر والد صاحب بھی اٹھ گئے، اڑوس پڑوس کے لوگ بھی جاگ گئے، اور لالٹین لیکر جمع ہوگئے، مگر ہوا یہ تھا کہ سانپ نے مجھے نہیں ڈسا تھا، بلکہ وہ برتن کی الماری پر چڑھا، جس سے خوانچہ مجھ پر گرا اور میرا ہونٹ کٹ گیا، اور پھر والدہ نے اس میں چونا بھر دیا، یہی اس کا علاج ثابت ہوا، خدا تعالی نے حفاظت فرمائی کہ سانپ نے نہیں ڈس لیا۔

(۸)...... اوپر اجمالاً ایک ایکسیڈنٹ کا تذکرہ آیا، اس کی کچھ تفصیل یوں ہے کہ: سورت میں حضرت حاجی ابراہیم سلک ہاؤس والے (جو حضرت کے رفیق حج تھے) کے جنازہ کی نماز پڑھانے تشریف لے گئے، وہاں سے رکشا میں واپسی ہوئی، رکشا بہت تیز چل رہا تھا، نویوگ کالج کے پاس پہنچے تھے کہ دو کتے لڑتے لڑتے رکشا سے ٹکرا گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رکشا الٹ گئی، حضرت گر گئے اور حضرت کے بائیں مونڈھے کی ہڈی سرک گئی، کسی طرح راندیر پہنچے، سب کی رائے تھی کہ آپریشن کرایا جائے، مگر ڈاکٹر بپوریا صاحب کی رائے تھی کی آپریشن کرانے کی ضرورت نہیں ہے، اس کو اسی حالت پر رہنے دیا جائے،

چنانچہ انہی کی رائے پر عمل کیا گیا اور آپریشن نہیں کیا گیا، آج بھی ہڈی اسی حال پر ہے، اس سے کوئی تکلیف نہیں ہے، کبھی کبھار اس کروٹ پر دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے درد پیدا ہو جاتا ہے، پھر خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔

(۹)......آج سے کوئی پانچ سال پہلے کی بات ہے یعنی تقریباً ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء جب حضرت لکڑی کے سہارے چلتے پھرتے تھے، اگلے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے، فتاوی خود لکھا کرتے تھے، دروازہ کھولنے کے لئے بھی خود ہی تشریف لایا کرتے تھے، ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت گھر ہی میں گر گئے اور ران میں چوٹ آئی، ایکسرے لیا گیا، اس کا رپورٹ یہ تھا کہ ہڈی ٹوٹ گئی ہے، اس کے جوڑنے کے لئے وزن لٹکایا گیا، ڈاکٹروں کی طرف سے چلنے پھرنے پر سخت پابندی لگا دی گئی، مگر حضرت یہ فرماتے تھے کہ ہڈی بالکل ٹوٹی نہیں ہے، اور مجھ کو تکلیف نہیں ہے، مجھ کو اپنے حال پر چھوڑ دو، وزن وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، سب ہٹا لو، مگر کسی نے حضرت کی ایک نہ سنی، بس یہی کہتے رہے کہ ایکسرے رپورٹ ہڈی ٹوٹنا بتاتی ہے، اور پلاسٹر لگا یا لیپ لگایا، چلنے پھرنے پر پابندی لگائی، نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جتنا کچھ چل پھر لیتے تھے، اس سے بھی معذور ہو گئے اور مستقل صاحب فراش ہو گئے، اب تک یہی حالت ہے، بہتیری مالشیں اور کوششیں ہوئیں مگر سب بے سود، حضرت کی ہمت ہے کہ جمعہ اور عیدین کے لئے ویل چیر پر مسجد تشریف لے جاتے ہیں، آج سے دو سال قبل تک تو عیدگاہ تشریف لے جایا کرتے تھے، (اب بھی بحمد اللہ تشریف لے جاتے ہیں) جس میں بہت بڑا حصہ مرزا احمد صاحب مرحوم (خادم خاص حضرت حکیم فخر الدین صاحب بعدہ حضرت) کی مساعی جمیلہ اور دوڑ دھوپ کا ہوتا تھا۔

ورزش اور مالش کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، جناب الحاج محمد علی حکیم صاحب بڑی

دلچسپی اور لگن سے یہ خدمت انجام دیتے ہیں، اس کے علاوہ حالات حاضرہ، اور کوائف عاملہ سے باخبر کرتے ہیں، خدا کرے کہ ان کی کوشش رنگ لائے، اور حضرت پھر چلنے پھرنے لگیں۔

(۱۰)...... اس کے علاوہ ایک اور بیماری اچھو لگنے کی ہے، اسی لئے پانی بھی گویا حضرت چباتے ہیں، کبھی کبھی جب اچھو لگتا ہے تو حالت بہت تشویشناک ہوجاتی ہے، سانس لینا مشکل ہوجاتا ہے، اس کی دوا حضرت بہت پابندی اور اہتمام سے استعمال فرماتے ہیں۔

انتھی: مضمون خادم

حضرت مفتی صاحب اور اشعار

کسی شخصیت کا اندازہ ان کے اپنے اشعار یا دوسرے شعراء کے اشعار جن کو وہ عام طور پر تقریر و تحریر میں استعمال کرتے ہوں سے بھی ہوتا ہے۔

انسان کے فضائل و کمالات کا ایک حصہ شعر و شاعری بھی ہے، اس سے ذوق سلیم کا پتہ چلتا ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''انّ من الشعر حکمة'' یعنی بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

صحابۂ کرام میں حضرت عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، کعب بن مالک، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم وغیرہ شعر گوئی میں مشہور تھے، یہی وجہ ہے کہ جب آیت کریمہ: ﴿والشعرآء یتّبعهم الغاون﴾ نازل ہوئی،

ترجمہ: ...... اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ (ترجمہ از: حضرت تھانوی)

تو حضرت عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم جو شعراء صحابہ میں مشہور ہیں، روتے ہوئے خدمت نبوی میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! حق تعالی

نے یہ آیت اتاری اور ہمارا شمار بھی شعراء میں ہے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: آیت کے آخری حصہ کو پڑھو، مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار بیہودہ اور غلط مقصد کے لئے نہیں ہوتے۔

معلوم ہوا کہ ہر شعر شریعت کی نگاہ میں معیوب نہیں، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی اشعار کی طرف متوجہ نہ ہوتے، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بے شمار اشعار منقول ہیں، مطرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کوفہ سے بصرہ تک حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کیا اور ہر منزل پر وہ شعر سناتے تھے۔ (معارف القرآن)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب زور کا بخار آتا تو یہ شعر پڑھتے ۔

کل امرء مصبح فی اهله　　　والموت ادنی من شراک نعله

ہر شخص اپنے اہل وعیال میں صبح کرتا ہے، حالانکہ موت اس سے اس کے جوتے کے تسمے سے زیادہ قریب ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جب ذرا سکون ہوتا تو باآواز بلند یہ شعر پڑھتے ۔

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة　　　بواد و حولی اذخر و جلیل

وهل اردن یوما میاہ مجنة　　　وهل یبدون لی شامة و طفیل

کاش معلوم ہوتا کہ میں کوئی شب اب مکہ کی وادی میں بسر کروں گا، اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل کی گھاسیں ہوں گی۔

یا مجنہ کے چشمہ پر میرا گذر ہوگا، اور کیا شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں اب مجھے کبھی نظر آئیں گی؟

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سے خیریت پوچھی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا ۔

انّی وجدت الموت قبل ذوقة　　　ان الجبان حتفه من فوقه

میں نے موت کو اس کا مزہ چکھنے سے پہلے پالیا، نامرد کی موت اس کے اوپر سے آتی ہے۔ (سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا ص ۲۵۳، مکتبہ مدنیہ لاہور)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شعر کہا کرتی تھیں۔ (معارف القرآن)

''تفسیر قرطبی'' میں ہے: مدینہ منورہ کے فقہاء عشرہ جو اپنے علم وفضل میں معروف ہیں، ان میں سے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشہور قادر کلام شاعر تھے۔

معلوم ہوا کہ شاعری میں فی ذاتہ کوئی قباحت نہیں، جن روایات میں شعر وشاعری کی مذمت مذکور ہے، ان سے وہ اشعار مراد ہیں جن میں خدا تعالی کی نافرمانی یا جھوٹ یا لوگوں پر طعن وتشنیع یا کسی انسان کی مذمت یا توہین یا فحش کلام وغیرہ مضامین ہوں، اور یہ کچھ شعر کے ساتھ مخصوص نہیں، جو نثر کلام مشتمل بر مضامین مذکورہ ہوں، وہ بھی حرام وناجائز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد'' کے (باب الشعر) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے: '' الشعر منه حسن ومنه قبيح ' خذ با لحسن ود ع القبائح '' بعض اشعار اچھے ہوتے ہیں اور بعض برے ہوتے ہیں، اچھے لے لو اور برے چھوڑ دو۔

''قرطبی'' نے لکھا کہ: ابوعمرو نے فرمایا ہے: کہ اچھے مضامین پر مشتمل اشعار کو اہل علم اور اہل عقل میں سے کوئی برا نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جو دین کے مقتداء ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے خود شعر نہ کہے ہوں یا دوسروں کے اشعار نہ پڑھے یا سنے ہوں اور پسند کئے ہوں۔ (معارف القرآن ص ۵۴۲ ج ۶، سورۂ شعراء کا آخری حصہ)

نوٹ:...... یہ تفصیل ''معارف القرآن'' سے ماخوذ ہے ''شریعت اسلام میں شعر وشاعری کا درجہ'' کے عنوان سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس موضوع پر خوب تفصیل لکھی ہے

صاحب سوانح حضرت اقدس مفتی صاحب کے اپنے اشعار تو مجھے نہ ملے کہ شاید حضرت نے اس میدان میں قدم ہی نہیں رکھا، مگر آپ کی تحریرات میں جا بجا عربی، فارسی اردو اشعار بہت کثرت سے موجود ہیں، یہاں حضرت کے نقل فرمودہ اشعار نقل کرتا ہوں جن سے آپ کے ذوق سلیم اور شعر و شاعری سے فطری لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔

عربی اشعار

والاخذ با لتجوید حتم لازم   من لم یجوّد القران اٰثم

تجوید کا حاصل کرنا اور سیکھنا لازم اور ضروری ہے، جو قران مجید صحیح تجوید سے نہ پڑھے وہ گنہگار ہے۔

حسدوا الفتیٰ اذ لم ینالوا سعیه   فا لقوم اعداء له و خصوم

لوگ اس لئے ان کے دشمن بن گئے ہیں کہ علم و عمل میں ان کی برابری نہیں کر سکتے۔

کضرائر الحسناء قلن لو جهها   حسدا و بغیا انّها لذمیم

ان کی مثال کسی حسینہ کی سوکنوں جیسی ہے کہ وہ حسد سے اس حسینہ کو کہتی ہیں کہ وہ بہت بدصورت ہے۔

قد نقر الناس حتی احدثوا بدعة   فی الدین بالرای لم تبعث به الرسل

حتی تخفقوا بدین الیه اکثرهم   وفی الذی حملوا من دینه

کرید کرید کر لوگوں نے اپنی رائے کے مطابق دین میں ایسی باتیں ایجاد کر دی ہیں جن کو پیغمبر علیہ السلام نہ لائے تھے۔

آخر میں دین لوگوں کی نظر میں ایک مذاق کی چیز بن گیا، حالانکہ صحیح طریقہ سے دین میں کرنے کے امور تھے، (وہ متروک العمل بن گئے)۔

تعصی الرسول وانت تظهر حبه هذا لعمری فی الفعال بدیع

رسول کی محبت کا دعوی کرنے کے ساتھ ان کی نافرمانی میں مبتلا ہے، میری عمر کی قسم یہ حرکت عجیب ہے۔

اذا کان الغراب دلیل قوم سیهدیهم طریق الهالکینا

جب کوا کسی قوم کا رہنما بن جائے تو ہلاکت اس قوم کا مقدر ہے۔

فتشبهوا ان لم تکونوا مثلهم انّ التشبه با لکرام فلاح

اگر ان جیسے نہ بن سکو تو ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرو، اس لئے کہ نیکوں کے ساتھ مشابہت بھی کامیابی ہے۔

وظلم ذی القربی اشد مضارة علی المرء من قطع الحسام المهند

اقارب اور رشتہ داروں کا ظلم انسان کے لئے تلوار کے زخموں سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

علی اننی راض بان احمل الهوی واخلص منه لا علی ولا لیا

کل نفس ذائقة الموت وکل روح مازرة الفوت

لا تقل فیما جری کیف جری کل شی بقضاء و قدر

جو کچھ ہوا اس کے متعلق یوں نہ کہو کہ یہ کیسے ہوا؟ ہر چیز قضا اور قدر کے موافق ہوتی ہے۔

الا یا ساکن القصر المعلی ستدفن عن قریب فی التراب

له ملک ینادی کل یوم لدوا للموت وابنوا للخراب

قلیل عمرنا فی دار دنیا مرجعنا الی بیت التراب

اے اونچے محل کے رہنے والے! ہوشیار ہو جا، عنقریب تو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔

فرشتہ ہر روز پکارتا ہے کہ: مرنے کے لئے بچے جنو، اور اجڑنے کے لئے عمارت بناؤ۔ ہماری عمر دنیا میں بہت تھوڑی ہے، اور ہم سب کا مرجع مٹی کا گھر ہے۔

واذا المنيّة انشبت اظفارها　　القيت كل تميمة لا تنفع

جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ اور علاج نفع نہیں پہنچاتا۔

موت التقى حيات لا نفاد لها　　قد مات قوم وهم فى الناس احياء

جس نے پرہیزگاری اور تقویٰ اختیار کیا موت کے بعد اس کو ایسی زندگی میسر ہوتی ہے جس کے لئے فنا نہیں، بہت سے لوگ مر گئے مگر وہ زندہ ہیں۔

ومن يكون يطعن فى معاوية　　فذاک كلب من كلاب الهاوية

جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتا ہے، وہ ہاویہ (جہنم) کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔

اذا كان رب البيت با لطبل ضاربا　　فلا تلم الاولاد فيها على الرقص

(گھر کا ماحول غیر اسلامی ہے) گھر کے بڑے لوگ ڈھول بجاتے ہیں تو اولاد کو ناچنے اور گانے پر ملامت مت کر۔

ليس اليتيم الذى قد مات والده　　ان اليتيم يتيم العلم والادب

وہ بچہ جس کے والد کا انتقال ہو گیا وہ حقیقت میں یتیم نہیں ہے، درحقیقت یتیم وہ ہے جو علم و ادب سے محروم ہو۔

اردو اشعار

۱

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کے چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

۲

فلسفی کہتا ہے کیا پرواہ ہے گر مذہب گیا   میں یہ کہتا ہوں بھائی یہ گیا تو سب گیا

۳

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو   جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد   اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

۴

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں   اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گر گیا
پوچھا ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا   کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

۵

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے   دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے

۶

توبہ جب ہم کریں شراب و کباب سے   قرآن میں جو آیا کلوا واشربوا نہ ہو
تسلیم قول آپ کا تب ہم کریں جناب   کلوا واشربوا کے آگے ولاتسرفوا نہ ہو

۷

نبی کو جو چاہے خدا کر دکھائیں   اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

۸

انقلاب چمنِ دہر کی دیکھی تکمیل
آج قارون بھی کہہ دیتا ہے حاتم کو بخیل

ابو حنیفہ کو کہے طفل دبستاں جاہل
مہ تاباں کو دکھانے لگی مشعل قندیل

حسن یوسف میں بتانے لگا ابرص سو عیب
لگ گئے چیونٹی کو پر کہنے لگی ہیچ ہے فیل

شرک توحید کو کہنے لگے اہل تثلیث
لوح محفوظ کو کہتی ہے محرف انجیل

سامری موسیٰ عمران کو کہے جادوگر
شیخ کی کرتے ہیں اسکول کے بچے تجہیل

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوق زرّیں ہے گدھے کیلئے عزت کی دلیل

۹

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

۱۰

کوئی ترکی لے گیا اور کوئی ایران لے گیا
کوئی دامن لے گیا کوئی گریباں لے گیا

رہ گیا تھا نام باقی فقط اسلام کا
وہ بھی ہم سے چھین کر حامد رضا خاں لے گیا

۱۱

ہوا ہے دامن گل چیں ہی کوتاہ ورنہ گلشن میں
وہی ہے لالہ وگل وہی ہے برگ و بار اب بھی
اگر پہلو میں دل ہو اور تڑپ اسلام کی دل میں
برس سکتا ہے ابر رحمت پروردگار اب بھی
فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

۱۲

شہیدانِ محبت کو کبھی مرتے نہیں دیکھا حیات جاودانی ملتی ہے ان کو تو فنا ہو کر

۱۳

در فشانی نے تیرے قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

۱۴

خبر حدیثوں میں جس کی آئی وہی زمانہ اب آرہا ہے
زمیں بھی تیور بدل رہی ہے فلک بھی آنکھیں دکھا رہا ہے
پرائے مال کو اپنا سمجھیں حرام کو بھی حلال سمجھیں
گناہ کرے اور کمال سمجھیں بتاؤ دنیا میں کیا رہا ہے
بھائی کا بھائی ہ گیا رہزن حقیقی بیٹی ہے ماں کی دشمن
پسر نے چھوڑا پدر کا دامن بہن کو بھائی ستا رہا ہے
ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف میں سب اپنے اپنے خیال میں ہیں
امام مسجد سے کوئی پوچھے نماز کس کو پڑھا رہا ہے

۱۵

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

۱۶

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

۱۷

تھے وہ آباء تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

۱۸

ہاتف نے کہا مجھ سے فردوس میں ایک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
در ماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ و تاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز گرمی آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متأثر
رو رو کے کہنے لگا اے صاحب اعجاز

جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
دین ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر زمیں تاز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز

۱۹

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتی　　دیبا نتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

۲۰

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے　　کہ دانہ خاک میں ملکر گل گلزار ہوتا ہے

۲۱

امام اعظم کے شاگردوں کے ہیں شاگرد بھی ارشد
بخاری، شافعی، مسلم، نسائی، ترمذی، احمد

فارسی اشعار

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ سعادت اپنے بازو کی طاقت سے نہیں، جب تک کہ اللہ تعالی کا احسان اور بخشش نہ ہو۔

سبحہ در کف توبہ برلب دل پراز ذوق گناہ　　معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

ہاتھ میں تسبیح، زبان پر توبہ اور دل گناہ کے خیال سے پر، ایسی توبہ پر گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے۔

گرتو قرآں بدیں نمط خوانی　　ببری رونق مسلمانی

اگر تو اسی طرح غلط سلط قرآن پڑھتا ہے تو یقیناً مسلمانی کی رونق ختم کرتا ہے۔

باایں دوسہ ناداں کہ چناں می دانند　　اہل جہل کہ دانائے جہاں ایشانند

خوش باش کہ خر نہ ایشاں بمثل　　ہر کہ نہ فراست کافرش می دانند

بعض آدمی جہالت وحماقت سے اپنے کو عالم خیال کرتے ہیں، حالانکہ وہ عالم نہیں ہوتے۔

اور وہ اپنے گدھے پن کی وجہ سے ان لوگوں کو جوان جیسے گدھے نہیں کافر جانتے ہیں۔

گر معلم ایں چنیں گر مقنن ایں چنیں

الوداع اے سنت دیں الفراق اے ورع دیں

دست ناقص دست شیطان است دیو　　زانکہ اندر دام تکلیف دیو

ناقص شخص کا ہاتھ شیطان دیو کا ہاتھ ہے، کیونکہ یہ ناقص دیو ہے جو تکلیف کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

داستان عہد گل رابشنو از مرغ چمن　　زاغ ہا آشفتہ تر گفتند ایں فسانہ را

موسم بہار کی داستاں سننا ہو تو چمن کی باذوق بلبل سے سنو، کووں نے اس کو برے ڈھنگ سے سنایا ہے۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئنہ دارد سکندری داند
ہزار نکتئہ باریک تر زمو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ترجمہ:

تا توانی دور شو از یار بد یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند یار بد بر جان و بر ایماں زند

جہاں تک ممکن ہو برے دوست سے دور رہو، برا ساتھی زہریلے سانپ سے زیادہ خطرناک ہے۔

سانپ تو فقط جان پر ڈنک مارتا ہے، مگر برا ساتھی جان اور ایمان دونوں پر ڈنک مارتا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپّرہ چشم چشمئہ آفتاب را چہ گناہ

اگر چمگاڈر کی آنکھ آفتاب کی روشنی نہ دیکھ سکے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور؟

اے کریمے کہ از خزانہ غیب گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

یعنی اے خدا آپ جبکہ ایسے کریم ہیں یہود و نصاری آتش پرستوں بت پرستوں کو اپنے خزانہ غیب سے روزی پہنچاتے ہیں۔

دشمنوں پر جب ایسی نظر رحم و کرم ہے تو اپنے دوستوں کو کس لئے محروم رکھیں گے؟۔

ایں قبول ذکر تو از رحمت است چو نماز مستحاضہ رخصت است

غم روزی مخور برہم مزن اوراق دفتر را کہ پیش از طفل ایزد پر کند پستان مادر را

فکر معاش میں حیران و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، خدا تو ایسی قدرت والے ہیں کہ بچہ کے دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے پستان مادر میں دودھ مہیا کردیتے ہیں۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ہزار بار مشک اور گلاب سے منہ دھوؤں تب بھی تیرا پاک نام لینا بے ادبی سا ہے۔

گر ہمیں مفتی وہمیں فتوی کار ایماں تمام خواہد شد

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جو شخص پیغمبر ﷺ سے الٹی راہ اختیار کرے گا، وہ کبھی منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا تواں رفت جز بر پئے مصطفے

سعدی ایسا گمان ہرگز نہ کر کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ کے نقش قدم پر چلے بغیر صراط مستقیم اور صفائی کا راستہ پاسکو گے۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

یاد خدا کے علاوہ جو کچھ کہا جائے عمر ضائع کرنے کے برابر ہے، اور عشق خداوندی کے راز کے سوا جو کچھ پڑھا جائے وہ بے کار و بے معنی ہے۔

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اے انسان! نیکی کے کام میں مشغول رہ، اور جو گھڑیاں زندگی کی باقی ہیں ان کو غنیمت جان، اس سے پہلے کہ تیری موت کے چرچے ہونے لگیں کہ فلاں آدمی مرگیا۔

بہ زہد و ورع کوش وصدق وصفا ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

پرہیز گاری و پارسائی سچائی وصفائی میں کوشش کیے جا، لیکن نبی کریم ﷺ کے طریقہ

سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کر۔

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو می روی بتر کستان است

اے اعرابی! مجھے ڈر ہے کہ تو کعبۃ اللہ تک نہ پہنچ سکے گا کہ تو نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ترکستان کا ہے۔

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

کسی کی ایذا رسانی کے درپے نہ ہو اور جو چاہے کرو کہ ہماری شریعت میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔

بفردوس اعلی بود جائے او بہشت بریں بود ماوائے او

جنت الفردوس میں اس کا درجہ بلند ہو، اور بہشت بریں اس کا ٹھکانہ بنے۔

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم است دوزخ او

بدزبان عورت (زبان دراز) نیک مرد کے گھر میں اسی عالم (یعنی دنیا میں) دوزخ کے برابر ہے۔

زنہار از قرین بد زنہار وقنا ربنا عذاب النار

گر فلک در ''الور'' انداز د ترا اے کہ می داری تمیز خوب و زشت

گویمت در مصرعہ بر جستہ آنکہ بر قرطاس دل باید نوشت

آدمیت در زمین او مجو آسماں ایں دانہ در ''الور'' نہ کشت

کشت گر ز آب و ہوا خردستہ است زانکہ خاکش را خرے آمد سرشت

اے اچھے اور برے کی تمیز رکھنے والے اگر آسمان تجھے ریاست ''الور'' میں ڈال دے۔ تو میں تجھے ایک برجستہ شعر میں یہ نصیحت کرتا ہوں جسے لوح قلب پر نقش کر لینا چاہئے۔

اور وہ یہ کہ انسانیت اس زمین میں تلاش نہ کرنا، کیونکہ آسمان نے یہ تخم اس سرزمین میں ڈالا ہی نہیں ہے۔

اور اگر ڈالا ہوگا تو اس کی آب وہوا کی تاثیر سے بجائے انسان پیدا ہونے کے اس سرزمین میں ’’گدھے‘‘ پیدا ہوئے ہیں۔

بنی آدم اعضائے یک دیگراند که در آفرینش زیک جوہراند
چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضو ہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی نشاید کہ نامت نہند آدمی

آدم کے بیٹے آپس میں اعضاء کے مانند ہیں، کیونکہ ایک جوہر یعنی آگ پانی مٹی اور ہوا سے سب کی پیدائش ہے۔

پس ایک عضو میں حوادث زمانہ سے درد پیدا ہو جائے تو دیگر اعضاء کو بھی کسی طرح قرار اور چین نہیں آتا۔

اے مخاطب اگر تو دوسرے کے رنج والم سے بے غم رہتا ہے تو تجھ کو آدمی ہی کہنا زیبا نہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نہ باید داد دست

بہت سے شیطان آدمی کی شکل میں ہیں، پس ہر شخص کے ہاتھ میں بغیر تحقیق کے ہاتھ نہ دینا چاہئے۔

ہر کہ او از کشف خود گوید سخن کشف او را کفش کن بر سر بزن

جو کچھ اپنے کشف سے بات کہے تو اس کی کشف کی جوتی اس کے سر پر مار دے۔

ما برائے استقامت آمدیم نہ پئے کشف وکرامت آمدیم

ہم شریعت کے احکام پر پابند و مضبوط رہنے کو آئے ہیں، نہ کہ کشف و کرامت کے واسطہ آئے ہیں۔

مرا بمرگ عدو جائے شادمانی نیست کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست
چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلتش اندر طعنۂ پاکاں برد
صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی، اسی طرح بد بخت کی صحبت تم کو بد بخت بنا دے گی۔

گفتم ایں شرط آدمیت نیست مرغ تسبیح خواں و من خاموش

یہ مروت سے بہت بعید ہے کہ جنگل کے چرند و پرند تو یاد خدا میں مشغول ہوں اور میں (انسان و مسلمان ہو کر) غافل پڑا رہوں۔

گلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ایک دن ایک خوشبودار ڈھیلا حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ لگ گیا۔

خوشبو محسوس کر کے میں نے اس سے پوچھا بتا تو مشک سے بنا ہے یا عنبر سے؟

اس نے زبان حال سے جواب دیا میں تو ناچیز (حقیر) مٹی ہوں، لیکن ایک مدت تک پھول کی ہم نشینی میں رہی ہوں۔

میرے ہم نشیں کے جمال نے مجھ میں اثر کیا، ورنہ میں تو وہی حقیر مٹی ہوں جو پہلے تھی۔

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ

ندارد ہیچ کس از جنس خود ننگ

بجنس خویش دارد میل ہر جنس فرشتہ با فرشتہ انس بانس

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درحق بہر استقبال می آید

مظلوم کی آہ سے ڈرتا رہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد (بددعا) کرتا ہے تو حق تعالی کے دربار سے قبولیت اس کے استقبال کے لئے آتی ہے۔

سالہا تو سنگ باشی دل خراش آزمودن یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ خاک شوتا گل بروید رنگ برنگ

تو برسہا برس تک دل خراش پتھر بنا رہا، کم از کم آزمانے کے لئے اب تھوڑی دیر مٹی ہو جا (یعنی تواضع اختیار کر اور اپنا تکبر اور سنگ دلی چھوڑ دے)۔

موسم بہار میں پتھر سرسبز و شاداب کیسے ہو سکتا ہے؟ (سبزی اور شادابی کے لئے مٹی کی ضرورت ہے) لہذا تو بھی مٹی بن جا تا کہ تجھ پر رنگ برنگ کے پھول کھلیں۔

وفات حسرت آیات

نوٹ:...... ذیل کی تحریر حضرت کے نواسے حافظ سید مرغوب احمد راندیری کے تفصیلی مضمون کی کچھ الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ تلخیص ہے۔ (مرتب)

۹ر شعبان المعظم: ۱۴۲۲ھ کو شب تاریک شروع ہوئی، جس نے آہستہ آہستہ ایک بدر کامل کو اپنے گہن میں لے لیا، مغرب اور عشا کا درمیانی وقت ہے کہ حضرت نانا جان پر شدید حرارت طاری ہوئی، جس کا سخت اثر دماغ پر محسوس کیا گیا، اور حضرت نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے نڈھال ہوکر ایک طرف کو جھکے پڑے ہیں، جب حضرت کی اس حالت کو حضرت کی منجھلی صاحبزادی نے دیکھا تو فوراً بخار کی دوا دی، اور حضرت کے پچیس سالہ مخلص معالج ڈاکٹر یوسف پٹیل صاحب کو بلایا گیا، ڈاکٹر صاحب اسی وقت تشریف لائے، اور ایک انجکشن دیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ بخار دماغ سے ہٹ کر بدن کی طرف منتقل ہوا، اور دو تین گھنٹے کے بعد خوب پسینہ آیا، اور حرارت میں کمی آئی، اور حضرت تھوڑا بحال ہوئے تو تیمّم کرکے عشا کی نماز ادا کی، تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت کی حالت دیکھ کر ہماری حالت دیگرگوں ہوگئی، اور حضرت کے اطمینان کا یہ عالم، فرمایا کہ: مجھے بخار ہوا ہی نہیں، انکار فرماتے رہے، ویسے تو حضرت نانا جان تقریباً سات سال سے صاحب فراش تھے، لیکن اس بخار نے حضرت کو اور زیادہ نحیف وکمزور کردیا، پانی کی کمی کی وجہ سے بدن سوکھ چکا تھا، اس لئے گلوکوز دینے کا سلسلہ شروع ہوا، ایک ایک دن میں کئی کئی بوتلیں اور ان کے ذریعہ ہائی ڈوز انجکشن دیئے جانے لگے۔

حضرت کے معالج خاص ڈاکٹر یوسف صاحب حضرت کے سلسلہ میں برابر فکرمند رہتے، ذرا بھی حضرت کی صحت بگڑتی بے چین ہوجاتے، اور اپنی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر

خدمت میں حاضر ہوجاتے ،اور پوری توجہ سے علاج فرماتے، اور کبھی کبھار ڈاکٹر سید صاحب کوبھی بلاتے یا فون پر مشورہ کرتے،اس کے علاوہ ضرورت محسوس کرتے تو بڑے بڑے ماہر ڈاکٹروں کوبھی بلاتے اوران سے مشورہ لیتے وتشخیص کرواتے۔

حضرت کوتکلیف نہ پہنچے اس غرض سے تمام مشینری جیسے ایکسرے،اسکرین، وغیرہ آلات حضرت کے دولت خانے پر لاتے اور معائنہ فرماتے،اس وقت تمام تر تشخیصات سے پتہ چلا کہ جسم میں پانی کی کمی کی وجہ سے گردے متأثر ہورہے ہیں،حضرت میں بیٹھنے کی طاقت نہ رہی تھی، لیٹے لیٹے ہی کوئی چیز منھ میں ڈالی جاتی تو وہ بجائے معدے میں جانے کے سانس کی نالی میں چلی جاتی اور کف کی شکل اختیار کرجانے کی وجہ سے تکلیف میں شدت پیدا ہوجاتی، یہ سلسلہ چلتا رہا، بخار بھی مسلسل رہا،الحمد للہ آخری وقت تک ہوش وحواس قائم اور دماغ کام کررہا تھا،کمزوری حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی، اس کے باوجود حضرت کواس بات کا اہتمام تھا کہ وضوکرکے ہی نماز پڑھوں گا، درخواست کی جاتی حضرت تیمّم فرمالیں،مگرانکارفرمادیتے،ایک مرتبہ حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم عیادت کے لئے تشریف لائے تو خدام کے عرض کرنے پر موصوف نے بڑے ادب سے گذارش کی حضرت اس حالت میں تیمّم کرکے نماز پڑھیں تو بہتر ہوگا، دوروز بعد موصوف پھر حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ: آپ کے کہنے سے تیمّم سے نماز شروع کردی ہے۔

حضرت اس کمزوری کی وجہ سے مسجد کی حاضری سے معذور تھے، تراویح کی جماعت سے محرومی پر بے چینی وتڑپ کودیکھ کراحباب نماز تراویح کے لئے حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہوتے، حافظ ضیاء الرحمٰن صاحب تراویح میں قرآن سناتے، پچھلے رمضان تک یہ سلسلہ چلتا رہا،امسال شعبان ہی میں حضرت نے فرمادیا تھا کہ میں تراویح نہ پڑھ سکوں گا،

ہم نا اہل اس اشارہ کو نہ سمجھ سکے، بہر حال چاند رات کو احباب آئے، اور تراویح شروع کرنے کی درخواست کی، حضرت نے اثبات میں جواب دیا، اور لیٹے لیٹے ہی اقتدا کی۔

یکم رمضان ظہر کے قریب طبیعت بہت خراب ہوئی، لیکن دوسری تراویح بھی جماعت سے ادا فرمائی، اس کے بعد پوری رات بے چینی میں گذری، صبح ڈاکٹر صاحب ساڑھے نو بجے حاضر ہوئے، نقاہت بے انتہا بڑھ گئی تھی، حضرت کے نواسے داماد مفتی عارف حسن صاحب مدظلہ (استاذ حدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر) حاضر خدمت ہوئے، سلام کیا، مگر ضعف کی وجہ سے جواب بہت آہستہ دیا، پوچھا حضرت صحت کیسی ہے؟ فرمایا بہت خراب ہے، مفتی عارف حسن صاحب نے عرض کیا اللہ اچھا کریں گے تو فرمایا ہاں اللہ ہی اچھا کریں گے، ہوش حواس قائم دیکھنے سے ایسا محسوس ہی نہ ہوتا تھا کہ ایک گھنٹہ بعد داغ مفارقت دیں گے، ایک بچہ محمد صادق حضرت کے قریب بیٹھ کر تلاوت کر رہا تھا، بندہ حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت بستر علالت پر ہیں، سلام کیا جواب نہ پا کر بے ساختہ زبان سے کلمۂ طیبہ نکلا، ابھی کلمہ مکمل ہوا تھا کہ آہ روح نکل کر پرواز کر گئی، اس وقت بارہ بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے، ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی گئی وہ حاضر ہوئے، نبض کو ٹٹولا، آنکھوں سے آنسو بہ پڑے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھی۔

ہم نے چاہا تھا کہ نہ ہو مگر ہوئی صبح فراق
موت کا وقت جب آتا ہے ٹلتا نہیں

وفات کی اطلاع آناً فاناً پھیل گئی، لوگوں کا ہجوم حضرت کے دولت کدہ پر جمع ہو گیا، ہر آنکھ اشکبار، جمع ہونے والوں میں بڑا طبقہ علماء کا تھا، حضرت کی تجہیز و تکفین کے مراحل طے کرنے کے لئے مشورہ ہوا، جس کے سربراہ مولانا اسماعیل صاحب (مہتمم جامعہ راندیر) کو

بنایا گیا، غسل کی تیاری کی گئی، اور قبر کی جگہ متعین کر کے اس کے انتظامات کئے گئے، ظہر کی نماز کے بعد علماء کی موجودگی میں احباب و قریبی رشتہ داروں نے غسل کی سعادت حاصل کی حضرت کی وصیت تھی کہ غسل کے وقت ستر پوشی کے لئے کالا اور موٹا کپڑا استعمال کیا جائے حسب وصیت کالا کپڑا استعمال کیا گیا، حضرت نے کفن اپنی حیات ہی میں تیار کروالیا تھا، وہیں کفن میں استعمال کیا گیا، اور حسب وصیت شمامۃ العنبر استعمال کیا گیا، غسل اور تکفین سے تقریباً ساڑھے تین بجے فارغ ہوئے، باہر مجمع کثیر تعداد میں حضرت کے آخری دیدار کے لئے منتظر تھا، ایک گھنٹہ زیارت کا موقع دیا گیا، عصر کی اذان پر اس سلسلہ کو روک دیا گیا۔

حضرت کی وصیت تھی کہ وفات کے بعد میرا چہرہ کوئی نامحرم نہ دیکھے، ویسے بھی زندگی میں باجود یہ کہ آپ کی بینائی ختم ہو چکی تھی کوئی نامحرم زیارت کرنا چاہتی تو حضرت منع فرمادیتے، اور نامحرم کے ساتھ پس پردہ بات کرنا بھی پسند نہ فرماتے، حضرت کی اس وصیت کے مطابق محلّہ کی ایک خاتون نے یہ ذمہ داری لی کہ نہ میں دیکھوں گی نہ کسی غیر محرم کو زیارت کرنے دوں گی، الحمد للہ اس خاتون نے اپنی ذمہ داری پوری امانت سے سنبھالی، عصر سے تراویح تک حضرت کی تینوں بیٹیاں، دونوں حقیقی بہنیں اور گھر کی دیگر خواتین حضرت کے قریب بیٹھی اذکار و ادعیہ میں مصروف رہیں۔

لوگوں کا ہجوم ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ انسانی سروں کا ایک سیل بیکراں ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اہل راندیر نے حضرت کے جنازے میں شرکت کے لئے آنے والوں کے افطار کا بڑے اہتمام سے تمام مساجد اور جگہ بہ جگہ انتظام کیا تھا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، راستوں پر ٹھنڈے پانی کا انتظام کیا گیا، اور پارکنگ وغیرہ کی سہولت مہیا کی گئی۔

جنازہ حضرت کے گھر سے :۹ بجے نکالا گیا،اور راندیرا انجمن اسلام کے آنگن میں اونچے تخت پر رکھا گیا، اور دیدار کے لئے مکمل نظم کیا گیا تا کہ کوئی تکلیف نہ ہو، دو گھنٹے زیارت کا سلسلہ جاری رہا اس کے باوجود زائرین کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر :۱۱ر بجے جنازہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے، ہجوم کو مدنظر رکھتے ہوئے جنازے کے چاروں طرف لمبے لمبے آہنی پائپ باندھے گئے تا کہ کوئی بھی کاندھا دینے کی سعادت سے محروم نہ رہے، جنازہ مدرسہ اشرفیہ کے قریب ایک وسیع میدان میں لایا گیا، لوگوں کا ہجوم دیکھ کر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جنازہ کافی تاخیر سے موضع صلوۃ پر پہنچے گا، مگر ایسا نہ ہوا، جنازہ لے جاتے وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی غیر مرئی طاقت جنازہ لئے اڑ رہی ہے، اور لوگ صرف ہاتھ لگا رہے ہیں۔

جنازہ میدان میں پہنچنے سے پہلے میدان بھر گیا تھا، اور صفیں بننا دشوار ہو رہا تھا، حضرت کی وصیت کے مطابق مفتی عارف حسن صاحب نے نماز پڑھائی، اور راندیر کے مشہور قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے، مفتی احمد صاحب خانپوری صاحب مدظلہ نے تدفین کے بعد دعا فرمائی، اس طرح سوا بارہ بجے فراغت ہوئی، حضرت کی قبر کی مٹی سے ایک بھینی بھینی خوشبو قبرستان کے چاروں طرف پھیل رہی تھی جس کو سارے مجمع نے محسوس کیا، اللہ تعالی حضرت کے درجات کو بلند فرمائیں، اور اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائیں ۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

طالب دعا:

سید مرغوب احمد قاضی

راندیر

تعزیتی منظومات

بروفات فقیہ العصر حضرت مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب نوراللہ مرقدہ

از: مولانا عبدالحئی سیدات صاحب نادؔر لاجپوری مدظلہ

نوٹ:......آخری ایک تعزیتی منظوم جناب دانش صاحب کا ہے۔

تم سراپا علم کی اک کان تھے عبدالرحیم
آپ تو اک مفتیِ ذی شان تھے عبدالرحیم
صاحبِ دل صاحبِ عرفان تھے عبدالرحیم
آپ قاری آپ عالم آپ اہلِ بیت تھے
آپ جید حافظِ قرآن تھے عبد الرحیم
صاحبِ تقوی، طہارت، پارسائی آپ تھے
آپ صدق و زہد کی پہچان تھے عبد الرحیم
ہر جوان و پیر کے تھے آپ تو نورِ نظر
ہر نگاہِ ناز کے ارمان تھے عبد الرحیم
آپ ہی کے نام سے با آبرو تھا لاجپور
قصبۂ راندیر کی بھی جان تھے عبد الرحیم
آپ پر اپنے پرائے سب فدا تھے جان سے
آپ پر خورد و کلاں قربان تھے عبد الرحیم
تھے نمونہ آپ تو اسلاف کا ہر وصف میں
قابلِ صد فخر تم انسان تھے عبد الرحیم
تھا وجودِ پاک رحمت آپ کا سب کے لئے
علم کے تم لؤلؤ و مرجان تھے عبد الرحیم
پُر فتن اِس دور میں حقیت احناف کی
آپ بیشک حجت و برہان تھے عبد الرحیم

یاد آتا تھا ہمیں اللہ جن کو دیکھ کر
آپ وہ اِک بندۂ رحمان تھے عبد الرحیم
تھے فتاوی آپ کے مشہور ہند و پاک میں
تم سراپا علم کی اِک کان تھے عبد الرحیم
غرض! نادر علمہائے دین کے ہر باب کا
ایک با معنی جلی عنوان تھے عبد الرحیم

دین کے احکام کے بتلائیں لوگوں کو نکات

یوں لگا جب چل بسے تم حضرتِ والا صفات
بجھ گئی شمعِ فروزاں ہو گئی تاریک رات
چل بسے جو آپ تو ہر چیز مردہ ہو گئی
یوں لگا جیسے کسی نے چھین لی اُن سے حیات
حادثہ ایسا مگر ہم نے کبھی دیکھا نہیں
دیکھنے کو اور بھی دیکھیں ہزاروں حادثات
اور بھی ذی علم تھے اطراف میں تو بے شمار
مرجعِ مخلوق اُن میں آپ کی تھی ایک ذات
آپ کی تعلیم سے خرد و کلاں تھے مستفیض
ور روشن آپ کے انوار سے تھیں شش جہات
آپ نے لکھ کر فتاوی سینکڑوں تفصیل سے
دین کے احکام کے بتلائیں لوگوں کو نکات
پُر فتن اِس دور کے سنگین تر حالات میں
تھام کر دامن تمہارا قوم نے پائی نجات
خاک میں باطل ارادے سب ملا کر رکھ دیئے
توڑ ڈالے بدعتوں کے آپ نے لات ومنات
آج کے حالات ہیں نازک فضا کچھ اور ہے
تھے ہمارے درمیاں کل آپ تو تھی اور باتا

آپ کی فتوی نویسی بے نظیر و بے مثال

چل بسے جو آپ تو اے صاحب حسن و جمال
یوں لگا جیسے جہاں سے ہو گیا رخصت کمال
چل بسے جو آپ تو اے صاحب علم و ہنر
یوں لگا جیسے جہاں سے ہو گیا رخصت کمال
یوں لگا اس روز سے ہم ہو گئے سارے یتیم
آپ کا جس روز دنیا سے ہوا ہے انتقال
آپ کی پاکیزگی، تقوی، طہارت لاجواب
آپ کی فتوی نویسی بے نظیر و بے مثال
زندگی بھر یاد آ آ کر رلائے گی ہمیں
آپ کی اے نیک سیرت اور پاکیزہ خیال
اب بجھائے گا ہماری کون علمی تشنگی
آ رہا ہے یہ تصور بن کے ہونٹوں پر سوال
جو امیروں کی امیری میں نہیں دیکھا گیا
وہ فقیری میں نہاں تھا آپ کا جاہ و جلال
سر اٹھائے آپ کے ہوتے ہوئے اطراف میں
تھی کسی گمراہ فرقہ میں کہاں ایسی مجال

مفتی ذی شان ہم اہل زمیں ڈھونڈیں کہاں

کیا گئے ہیں آپ کہ اب آپ سا اہل ورع
مفتی ذی شان ہم اہل زمیں ڈھونڈیں کہاں
ڈھونڈنے جائیں کہاں ہم آپ سا ذی علم اب
آپ سا دین وشریعت کا امیں ڈھونڈیں کہا
ڈھونڈنے جائیں کہاں ہم آپ سا پیار وخلوص
آپ سی شفقت دل اندوہ گیں ڈھونڈیں کہا
صاحب دل اے فقیہ العصر اے آلِ رسول
خوبصورت آپ سا ہم مہ جبیں ڈھونڈیں کہا
وہ تبسم وہ حیا وہ بات کرنے کی ادا
ذی وجاہت آپ سا کوئی حسیں ڈھونڈیں کہاں
پوچھنے جائیں کہاں ہم اب مسائل دین کے
آپ سا اب حامل دین مبیں ڈھونڈیں کہاں
باطلوں کا زور جس نے توڑ کر ہی رکھ دیا
آپ سا وہ عزم وہ کامل یقیں ڈھونڈیں کہاں

کیا گئے تم آنکھ دنیا کی برستی رہ گئی

کیا گئے تم آنکھ دنیا کی برستی رہ گئی
آپ کے دیدار کو اب یہ ترستی رہ گئی
ہے وہی رونق وہی آبادیاں لیکن ہمیں
یوں ہوا محسوس کہ ویران بستی رہ گئی
اٹھ گیا بازار سناٹا فضا میں چھا گیا
بک گئی ہر چیز مہنگی اور سستی رہ گئی
دھیرے دھیرے اٹھ گئے جو تھے بچے اہل نظر
پوچھتے ہیں لوگ کہ اب کون ہستی رہ گئی
جانشیں جو لوگ تھے 'الفقر فخری' کے تمام
چل بسے اب نام ہی کی فاقہ مستی رہ گئی
جو مجسم پیکر اخلاص تھے سب جا چکے
حق پرستی مٹ گئی باطل پرستی رہ گئی
پا گئے وہ منزل مقصود ہو کر با مراد
اور یہ دنیا کمر ہر روز کستی رہ گئی
صحبت اہل نظر اب ڈھونڈنے جائیں کہاں
سانپ بن کر آج تنہائی بھی ڈستی رہ گئی
صاحب دل کی نظر نے آسماں کو چھو لیا
اہل دنیا کی نظر سوئے پستی رہ گئی

رہ گئے روتے ہوئے ہم اور استقبال کو
جنت الفردوس کی ہر حور ہنستی رہ گئی

لاجپوری آپ لکھتے فخر کرتا لاجپور

غمزدہ تھا آپ کی فرقت میں سارا لاجپور
سوگ میں ڈوبا ہوا رنجور تھا راندیر بھی
آپ ہی کے نام سے روشن ہوا تھا لاجپور
آپ ہی کے فیض سے پُرنور تھا راندیر بھی
آپ ہی کے نام سے معروف تھا گر لاجپور
آپ ہی کے نام سے مشہور تھا راندیر بھی
آپ کو کھو کر اگر غمگین سا تھا لاجپور
آپ کو پا کر بہت مسرور تھا راندیر بھی
آپ کو محبوب تھا اپنا وطن بھی لاجپور
تو دل و جاں سے رہا منظور تھا راندیر بھی
آپ کے فیضان سے لبریز تھا جو لاجپور
تو کمال علم سے بھرپور تھا راندیر بھی
آپ تھے پُرکیف تھی ساری فضائے لاجپور
آپ تھے سرشار تھا مخمور تھا راندیر بھی
آپ تھے رشک بہاراں تھا بنا یہ لاجپور
آپ تھے شاداب تھا معمور تھا راندیر بھی
لاجپوری آپ لکھتے فخر کرتا لاجپور
آپ کی نسبت لئے مغرور تھا راندیر بھی

علم کے موتی لٹانا یاد ہے اب تک ہمیں

وہ معیت میں رضا ابرار کی برطانیہ
آپ کا تشریف لانا یاد ہے اب تک ہمیں
ہر جگہ ہر شہر میں حضرت رضا اور آپ کا
ساتھ آنا ساتھ جانا یاد ہے اب تک ہمیں
دور اپنے ملک سے آکر دیار غیر میں
علم کے موتی لٹانا یاد ہے اب تک ہمیں
تشنگان علم کو دے کر جواب با صواب
تشنگی اُن کی بجھانا یاد ہے اب تک ہمیں
مجلسوں میں بیٹھ کر وہ آپ کا تفصیل سے
دین کی باتیں سنانا یاد ہے اب تک ہمیں
تم جہاں بھی لے گئے تشریف' لوگوں کا وہاں
راہ میں آنکھیں بچھانا یاد ہے اب تک ہمیں
آپ کا برطانیہ کی سر زمیں پر چار سو
مثل انجم جگمگانا یاد ہے اب تک ہمیں
ہر جوان و پیر سے نادؔر یہاں مل کر گلے
آپ کا وہ مسکرانا یاد ہے اب تک ہمیں

یوں لگا روپوش جیسے ہو گیا ماہ تمام

چل بسے جو آپ تو اے قابل صد احترام
یوں لگا روپوش جیسے ہو گیا ماہ تمام
آپ کی وہ شان تھی کہ آپ کے دیدار کو
آپ کی دہلیز پر رہتا ہمیشہ ازدحام
چہیتے آپ اہل علم کے نورنظر
اور دل سے چاہتے تھے آپ کو سارے عوام
کارنامہ یہ کرامت سے نہیں کم آپ کا
ایک مسجد میں رہے تم ساٹھ سالوں تک امام
دعا اللہ سے اب آپ کا نعم البدل
دے ہمیں ، زندہ کرے جو سنت خیر الانام
ہے دعا اللہ سے نادرؔ یہی آٹھوں پہر
رحمتیں اللہ کی برسا کریں تم پر مدام
قبر میں بادصبا چلتی رہے فردوس کی
کوثر و تسنیم کے ملتے رہے پُرکیف جام
ہے دعا اللہ سے دن رات اب نادرؔ یہی
آخرت میں بھی ملے تم کو بہت اونچا مقام
ہے دعا اللہ سے کہ آپ کے صدقے، طفیل
حشر کے دن سرخ رو ہوں ہم بھی نادرؔ والسلام

تھی جہاں کی خاک اس کی وہ وہاں رخصت ہوا از: دانش

فرد واحد کی شکل میں کارواں رخصت ہوا
گلشن نبوی کا اک باغباں رخصت ہوا
تھا رگوں میں حضرت سادات کا جس کی لہو
چھوڑ کر دنیا کو اب سوئے جناں رخصت ہوا
اہل دل اہل بصیرت صاحب سوز دروں
یوں کہو دنیا سے اک پیر مغاں رخصت ہوا
تھا عجم سے اور عرب تک فیض جس کا آہ
وہ امیر کارواں شیخ زماں رخصت ہوا
صورت وسیرت فراست میں وہ خود اپنی مثال
حسن کا پیکر امام زیرکاں رخصت ہوا
وہ سید عبد الرحیم امت کو جس پر ناز تھا
کشتی امت کا اب وہ نگہباں رخصت ہوا
پاسبانی کر رہا تھا دین کی جو رات و دن
آج یکشنبہ کے دن وہ پاسباں رخصت ہوا
چھن گیا چین وسکوں ہیں مضطرب قلب وجگر
دل پریشان کا تھا جو جائے اماں رخصت ہو
ڈھونڈتا ہے ہند میں دانشؔ تو کیوں ان کا مزار
تھی جہاں کی خاک اس کی وہ وہاں رخصت ہوا

تعزیتی مکتوبات

از: حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم

عزیزان مکرمین حافظ مرغوب احمد، ومولوی خلیل احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فون کے ذریعہ حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری کی رحلت کا علم ہوکر جو صدمہ وافسوس ہوا وہ عرض نہیں کرسکتا، اللہ تعالی حضرت مرحوم کے مدارج بلند فرمائیں، اور پسماندگاں کو صبر جمیل کی توفیق بخشیں، خبر ملتے ہی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی سعادت ملی، مدرسہ میں بھی طلبہ واساتذۂ موجودین نے دعائے مغفرت کی اور ایصال ثواب بھی کیا۔ ثواب تعزیت حاصل کرنے کے لئے چند گزارشات ہیں:

(۱)......ان للہ ما اخذ و للہ ما اعطی و کل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب۔

بیشک اللہ ہی کا ہے جو لیا اور اللہ ہی کا ہے جو دیا، یعنی باقی رکھا اور ہر ایک کا اس کے یہاں ایک وقت مقرر ہے، لہذا صبر کریں اور اجر حاصل کریں۔

(۲)......بدوی بزرگ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں جو تعزیت پیش کی تھی وہ بھی مسطور ہے۔

وخیر من العباس اجرک بعدہ والله خیر منک للعباس

یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے انتقال پر صبر کرنے میں آپ کو اجر ملے گا، یعنی خوشنودی باری تعالی نصیب ہوگی، ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے، دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہاں سے رخصت ہوکر عالم آخرت میں پہنچے جہاں ان پر اللہ تعالی کے انعامات آپ سے بہتر ہیں، والسلام۔ ابرارالحق

۶ / رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ مطابق: ۲۲ / نومبر ۲۰۰۱ء

از: حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مدظلہم

مکرمان و محترمان زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر کلفت اثر معلوم ہو کر انتہائی افسوس قلق اور رنج ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا بزرگ شخصیت، بزرگوں کی یادگار اور اجل علماء میں سے تھے، افتاء میں تو خصوصی درک و کمال اور رسوخ رکھتے تھے، اور ان کا یہ کمال اہل علم و فضل میں معروف و مسلم تھا، ان کی اس سلسلہ کی فضیلت قاریوں کے لئے ان کے فتاوی کے مجموعے سے باحسن وجوہ آئینہ دار ہیں، ان کی وفات علم و فتاوی کی دنیا کا ایک نقصان عظیم ہے۔

جملہ اہل مدرسہ بالخصوص راقم الحروف، یہاں کے اہل افتاء اس حادثہ عظمی پر اظہار ہمدردی کرتے ہیں، اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی حضرت موصوف کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائے، اور جملہ پسماندگان، متعلقین، و متوسلین کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔

مدرسہ میں حضرت مرحوم کے لئے قرآن شریف ختم کرا کے ایصال ثواب کرایا گیا، اور دعائے مغفرت کی گئی۔

مظفر حسین المظاہری

ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

از: حضرت مولانا محمد رابع الحسنی مدظلہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت محترم جناب مولانا خلیل راندیری صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مجھے ایک ذریعہ سے یہ رنجیدہ خبر ملی کہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے اس جہاں فانی سے جہاں باقی کو کوچ کیا، یہ سانحہ تمام خادمان علوم دینیہ اوراہل دین کے لئے بڑے صدمہ کا ہے،مولانا نے علوم دینیہ کی خدمت میں جو مقام حاصل کیا وہ دوردور تک بڑے قدرواحترام سے دیکھا جاتا ہے،ان کے فتاوی بھی اہل فقہ کے لئے بڑا ذخیرہ اورمرجع ہیں،انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مجھے سال گذشتہ حاضری کا موقع ملا تھا، ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا،میری طرف سے بلکہ اہل ندوۃ کی طرف سے بھی دلی تعزیت قبول کریں۔

ہم سب دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی مرحوم کو اپنے قرب خاص میں جگہ عطا فرمائیں ،اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے،سب پسماندگان کو میری تعزیت پہنچا کر شکریہ کا موقع دیں۔والسلام،مخلص وشریک غم:

محمد رابع حسنی

۱۴؍رمضان ۱۴۲۲ھ

از: مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب

رفیق محترم مکرم جناب بھائی سید عبدالغفار صاحب

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

کئی اخباروں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا ہے م،انا لله وانا اليه راجعون۔

اخبارات سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت کی عمر نوے یا بیانوے سال کی تھی،ان کی خدمات،کسرنفسی،اور ہم جیسے چھوٹوں پر شفقت،دینی مسائل میں گہرائی،اور طبقہ علماء میں اللہ نے جو اونچا مقام ان کو عطا فرمایا تھا انشاء اللہ یہ سب چیزیں ان کے لئے مغفرت کا سبب ہوں گی۔

اللہ تعالی کے غفور رحیم اور شکور حلیم ہونے کے سہارے یہ امید ہے کہ ان کا شمار اللہ رب العزت اپنے مقبول بندوں میں فرمائیں گے۔

میرے ان سے جو تعلقات تھے وہ ان کی اپنی ذاتی علمی حیثیت اور ان کے مراتب علیاء کی نسبت سے تھے۔ خاندانی اعتبار سے مجھے کوئی معلومات نہیں کہ ان کے ورثاء میں صاحبزادگان میں کون کون ہیں؟ تاہم ان کے خاندان کے سبھی افراد کے لئے صبر وتسلی کی دعا کرتا ہوں،اور یہ عرض بھی ہے کہ دیر سویر ہم سب کو بھی اللہ کے حضور جانا ہے۔

بھائی عبدالغفار صاحب آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم کے ورثاء تک میرا یہ عریضہ پہنچادیں۔ خادم وطالب دعا

عبدالکریم پاریکھ

از: حضرت مولانا مفتی اسماعیل واڑی والا صاحب مدظلہ

للہ الحمد نہ مردیم و رسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

محترمی برادر مکرم جناب مفتی اکرام الحق صاحب زاد مجدہ وشرفہ

السلام علیکم ورحمة الله و برکاته

دراصل تعزیت پیش کرنے کے اصل حقدار آپ ہیں، اس لئے حضرت رحمہ اللہ کی وفات پر اولا آپ کو یہ تعزیت نامہ پیش کرتا ہوں، اس لئے کہ ایک مدت دراز حضرت کی خدمت میں بسلسلہ فتوی نویسی رہے ہیں، اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی آپ ﷺ کے ساتھ معیت کی کچھ جھلک سی ثابت ہے۔

محترم! آسمان علم وفضل اور میدان فتاوی کا وہ شہسوار جس سے علم کے متلاشی نور حاصل کر رہے تھے، اور شفاء العی السوال کے تحت اپنی علمی پیاس بجھا رہے تھے، نصف صدی سے زیادہ جھلملاتا ہوا اچانک غروب ہوگیا، انا لله وانا اليه راجعون ، ان لله ما اخذ ، وله ما اعطى ، وكل عنده باجل مسمى ، فالتصبر و لتحتسب۔

برادرم! حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ وقار سادات، یادگار اسلاف کبار تھے، حق گوئی حق پسندی آپ کا طریقہ تھا، فتاوی میں حق بات کے علاوہ سائل کا لحاظ کرتے ہوئے نرم رویہ اختیار نہیں کیا، اور لا یخافون لومۃ لائم کے صحیح مصداق تھے، اخلاص وللہیت کے پیکر، حسن اخلاق اسوۂ حسنہ عزیمت و استقامت کے پہاڑ، دین کی اشاعت وتبلیغ کے دلدادہ، تلاوت قرآن کے سچے عاشق، ہر چند یہ حادثہ نا قابل برداشت ہے، اور ''موت العالِم موت العالَم'' کا صحیح مصداق ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد ولكنّه بنيان قوم قد تهدما

نماز کے ساتھ قلبی تعلق اور نسبت نبوی ﷺ

نماز کے ساتھ دل کا لگاؤ اور کما حقہ اس کا اہتمام رسول اللہ ﷺ اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی خاص نسبت اور وراثت ہے جو آپ ﷺ کا فرمان: 'قرة عینی فی الصلوۃ' اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام وادی نے وادی غیر ذی زرع میں بیوی بچوں کے لئے اللہ تعالی سے عرض کیا تھا'' ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ، الخ '' آپ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت آخری وصیت بھی نماز کی' کی تھی، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اس پر خوب عمل پیرا تھے، اخیر تک نماز ادا فرماتے رہے، دو دن تراویح بھی گھر میں باجماعت ادا فرمائی، وصال قبل الظہر ہوا، اس دن فجر کی نماز بھی ادا فرمائی۔

اہل وعیال سے محبت اور ان کی جدائی پر نبوی صبر کی وراثت

اہل وعیال سے محبت وشفقت فطرت کا تقاضہ اور آپ ﷺ کی وراثت ہے، منبر نبوی ﷺ پر قیام خطبہ کے وقت نواسہ کا آنا اور اتر کر گود میں اٹھا لینا اور نواسی امامہ رضی اللہ عنہا کا شانۂ مبارک پر اٹھائے ہوئے امامت فرمانا، اسی طرح حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اس وراثت سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا گیا تھا، اولاد اور اولاد کی اولاد کے ساتھ آپ کی محبت اور لگاؤ مثالی تھا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا انا للہ و اما الیہ راجعون''

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نسبتی فرزند حضرت مولانا ابرار احمد صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر بہت ہی زیادہ مغموم ہوئے اور صدمہ پہنچا، لیکن صبر اور رضاء بقضاء کا کامل نمونہ

دیکھا گیا، حضرت کی بڑی ہمشیرہ اور تین بھائیوں کی وفات پر پیرانہ سالی میں بھی کوہ ہمالیہ کی طرح صبر کے پیکر رہے اور جزع وفزع کا ایک لفظ بھی نہیں سنا گیا، بلکہ حسب معمول اپنے معمولات اور فتاوی نویسی میں برابر خدمات انجام دیتے رہے۔

قرآن کے ساتھ خاص شغف اور محبت

تندرستی میں تلاوت کرنا، حفاظ کرام کا فردا فردا بالاستیعاب سننا، اور یہ سلسلہ نماز فجر کے بعد سے رات تک مختلف اوقات میں چلتا رہتا، آنے والے حفاظ اپنی مشغولیتوں سے حسب فرصت وقت نکال کر آتے، حضرت اسی وقت بذات خود سنتے، بالکل بیماری کی وجہ سے چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا بھی بند ہوگیا اور صاحب فراش ہوگئے ایسے وقت میں بھی فجر ظہر اور مختلف اوقات میں دوسروں سے قرآن پڑھ کر سنتے اور خود خاموش سوئے ہوئے سنتے رہتے، جس وقت وفات ہوئی اس وقت بھی سماعت قرآن کا سلسلہ جاری تھا، حضرت کے خادم مولانا نسیم صاحب کا کہنا ہے کہ آنکھیں اٹھا اٹھا کر کبھی داہنے کبھی بائیں کبھی سامنے دیکھ رہے ہیں اور میں آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتا کہ آرام فرمائیں، اور مولانا نسیم کا قرآن پڑھنا حسب معمول جاری تھا، ان کا کہنا ہے کہ کسی کے آنے پر میں اگلے روم میں آیا اور پڑھنے کے لئے حضرت کے بھتیجے کو بٹھایا وہ اپنی تلاوت ہی کرتے رہے اور جان جان آفریں کے حوالہ کردی۔

یعیش المرء ما استحی بخیر

ولو کان فی الدنیا لساکن لکان رسول الله فیها مخلدا

وما احد ینجو من الموت سالما وسهم المنایا قد اصاب محمدا

وقالت صفية رضی الله عنها بنت عبد المطلب :

فلو ان رب الناس ابقی نبینا سعیدنا ولکن امره کان ماضیا

خداوند کریم حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلی مقامات سے سرفراز فرمائے، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے زمرہ میں شامل فرماویں اور ''علی سرر متقابلین'' اور ''علی الارائک ینظرون'' اور ''الا المتقون'' کا وعدۂ الٰہی ان کے حق میں پورا ہو ''اعظم اللہ لک الاجر وانھمک الصبر ورزقک الشکر'' آمین۔

والسلام خیر ختام ناچیز

اسماعیل غفرلہ

از: حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب مدظلہ

محترم المقام قابل صد احترام حضرت مولانا مفتی عارف حسن صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمة الله و بر کاته

بعد سلام مسنون: حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے سانحہ عظیمہ کی خبر ملی: انا لله وانا اليه راجعون ، ماشاء الله كان وما لا يشاء لا يكون ، ان لله ما اخذ و له ما اعطى فلتصبر و لتحتسب۔

حقیقت میں یہ سانحہ صرف حضرت مفتی صاحب کے گھر والوں کا نہیں ہے، ہم خدام اور پوری امت کا ہے، امت ایک بہت عظیم فقیہ اور بہت بڑے محسن اور امت کے درد میں تڑپنے والی دعا کرنے والی شخصیت سے محروم ہوگئی ہے، اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب کو اعلی علیین میں مقام عطا فرمائیں، اور اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائیں، قبر مبارک کو بقعہ نور اور ریاض الجنہ بناویں، اور آپ سب کو صبر جمیل اجر جزیل عطا فرمائیں، آمین۔

ماشاء اللہ آپ پر مفتی صاحب کو بہت اعتماد تھا، مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت نے آپ کی تفسیر کے متعلق فرمایا تھا کہ: ماشاء اللہ بہت عمدہ تفسیر کرتے ہیں، تفسیر کا حق ادا کردیتے ہیں، اللهم زد فزد ، اللہ پاک آپ کا فیض اور زیادہ فرماویں، اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا فیض آپ سے جاری اور آپ کو قبول فرمائیں، آمین۔

گذشتہ زمانہ یاد آتا ہے مفتی صاحب رحمہ اللہ کی صحبت میں جو مبارک دن اور راتیں گذریں وہ یاد آتی ہیں، اور اب اپنی محرومی پر کف افسوس کے سوا اور کیا، اللہ پاک معاف فرمائیں، اور محروم نہ فرمائیں، نماز جنازہ کی سعادت آپ کو حاصل ہوئی ماشاء اللہ، اللہ پاک مزید نوازیں، انفرادی اور اجتماعی دعاؤں میں یاد رکھیں، فقط والسلام۔ اکرام الحق

ایک دینی وملی عظیم خسارہ

فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری کا انتقال

از: مولانا برہان الدین سنبھلی مدظلہ

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری (جنہیں آج پہلی بار نہایت رنج و صدمہ کے ساتھ ''رحمہ اللہ'' لکھنا پڑ رہا ہے) جو عشرہ رحمت کے اندر رحمت خداوندی کے آغوش میں بلا لئے گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ان کی وفات حسرت آیات ایک فرد یا ایک عالم کی نہیں، بلکہ ایک عالَم کی موت ہے، اس موقع پر ''موت العالِم موت العالَم'' کہنا درست معلوم ہوتا ہے، مفتی صاحب رحمہ اللہ بے شبہ و بلا مبالغہ اس زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ اور مفتی اعظم تھے۔

(کم سے کم ہندوستان میں) ان کے فتاوی عام ومتداول طرز کے فتاوی نہیں ہیں، بلکہ (دس جلدوں پر مشتمل) علمی تحقیق، وسعت نظر اور دقت فکر کا عظیم سرمایہ ہیں، سچ تو یہ ہے، جیسا کہ راقم نے اس مجموعۂ فتاوی کے تعارف کے طور پر لکھا تھا (جسے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے از راہ ذرہ نوازی اپنے فتاوی کی دسویں جلد میں شامل بھی کرلیا ہے) لفظ ''فتاوی'' اس مجموعہ کے تعارف کے لئے نہ صرف ناکافی ہے بلکہ حجاب سا بن گیا ہے، کیونکہ یہ لفظ (فتاوی) جس طرح کے فتوؤں پر آج کل عموماً مستعمل ہے، اس سے اس مجموعہ کے فتاوی کی حقیقت واہمیت کا پورا اظہار نہیں ہو پاتا، (جن حضرات علماء نے اس کے معتد بہ حصہ کا مطالعہ کیا ہے، وہ راقم کی اس رائے سے یقیناً اتفاق کریں گے) ان فتاوی میں بعض مسائل پر (مثلاً ''تراویح کی بیس رکعت ''طلاق ثلاثہ بیک مجلس'' پر) پورا

ایک علمی تحقیقی رسالہ وجود میں آ گیا ہے، جس میں مسئلہ زیر بحث سے متعلق ہر طرح کا ضروری مواداور ہراعتراض کا جواب موجود ہے۔

مفتی صاحب کے اخلاص کا یہ بھی اثر ہے کہ یہ مجموعہ شروع ہی سے ایسے شاندار طرز پر طبع وشائع ہوا کہ اس زمانہ کے مطبوعہ دیگر فتاوی میں اسے امتیاز حاصل رہا، سچ تو یہ ہے کہ اس مجموعۂ فتاوی کی افادیت صرف اوسط درجہ کے علماء ہی کے لئے نہیں ہے، نہایت اعلی درجہ کے محقق علماء بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتے ،اس صدی کا عظیم فقہی سرمایہ کہنا بالکل صحیح ہے۔

علاوہ ازیں مفتی صاحب شرافت نفس ، دینی حمیت، رحابت صدر، شرافت نسب، وسعت قلبی ،تواضع ،تقوی ،اوران جیسی بیشتر صفات کمالیہ سے متصف تھے جوایک متبع سنت عالم کے شایان شان ہیں۔

تواضع کا یہ حال تھا کہ اپنے سے بہت چھوٹوں سے بھی (ضرورت محسوس کرنے پر) استصواب کرنے یا معلوم کر لینے میں تأمل نہ فرماتے ،اوررحابت صدرکی یہ شان کہ چھوٹوں کی باتوں کوبھی اپنے اس عظیم مجموعۂ فتاوی میں نام کی صراحت کے ساتھ شامل کرنے میں باک نہ تھا۔

ان کے مجموعہ فتاوی کے بہت سے امتیازات ہیں: ایک یہ بھی ہے کہ حوالے بہت مکمل ہیں، ان میں اکثر مصنفین کتاب کے نہ صرف نام کی تعیین ہے، بلکہ ان کے سن وفات تک کا تذکرہ، نیز محولہ کتاب کے مطبع اور بسا اوقات سن طباعت تک کی تصریح بھی ملتی ہے۔

دینی حمیت میں بھی آں مخدوم بہت ممتاز تھے، جب بھی انہیں کسی دینی فتنہ یا فتنہ پرور فرد یا جماعت کی سن گن لگتی فورا اس کے مقابلہ کے لئے قلمے درمے قدمے سینہ سپر

ہوجاتے،اس کی شہادت ان چھوٹے بڑے متعدد بیش قیمت رسائل سے ملتی ہے جو موصوف کے قلم سے فتاوی کے اس مجموعہ کے علاوہ وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔

اللہ تعالی نے موصوف کی عمر میں بھی بڑی برکت عطا فرمائی زائد از ایک صدی (قمری سال:۱۰۱) اس عالم آب وگل میں رہے،اور کوئی پون صدی علم وتحقیق کے جوہر بکھیرتے گذری،موصوف کے انتقال سے علمی وفقہی دنیا میں جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ پر ہونا مشکل ہے، بلکہ اس سہل انگاری اور تن آسانی کے دور میں عملاً محال معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالی ان کی لغزشیں معاف اور حسنات قبول فرما کر اعلی سے اعلی درجہ جوار رحمت میں عطا فرمائے۔قارئین سے دعائے مغفرت ورفع درجات کی درخواست ہے،اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی۔(تعمیر حیات:۱۰/۲۵۔دسمبر ۲۰۰۱ء)

حضرت رحمہ اللہ کے خادم خاص: مفتی اکرام الحق صاحب مدظلہم

موصوف کا شمار حضرت کے اخص الخاص خدام میں سے ہے، تقریباً: ۲۵/سال حضرت کی خدمت میں رہے، نقول فتاوی، فتوی نویسی، خط وکتابت سے لے کر گھر کی جملہ ضروریات وغیرہ بڑے لگن وخوشدلی سے انجام دیئے، حضرت آپ سے بڑے خوش تھے، راقم الحروف ایک مرتبہ ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوا تو مولانا کی خیریت دریافت فرما کر فرمایا کہ: مولوی اکرام جیسا خادم نہیں ملا، بڑا مخلص خادم تھا، ہمیشہ بے غرض ہوکر خدمت کی، میرے مزاج سے پوری واقفیت تھی، ذرا اشارہ کرتا کہ فلاں صاحب کو اس طرح کا خط لکھنا ہے تھوڑی دیر میں تیار کر کے لاتے، کم رد وبدل کی نوبت آتی، پھر بڑی دعائیں دیں۔

مفتی اکرام الحق صاحب مدظلہ انتہائی متواضع، سادہ طبیعت کے مالک، عجز وانکساری ضرب المثل، مہمان نوازی قابل رشک، اخلاص وللّٰہیت چہرہ سے عیاں، تحریری صلاحیت بھی خوب۔

حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں فتوی نویسی کے ساتھ جامعہ راندیر میں تدریس کی خدمت بھی انجام دی، ایک مسجد میں امامت کی ذمہ داری بھی سنبھالی، برطانیہ کے شہر ''بلیک برن'' تشریف لائے، اللہ تعالی نے خوب نوازا، منصب امامت کے ساتھ درجۂ حفظ کی خدمت، صبح دارالعلوم میں حدیث وفقہ کی اعلی کتب کی تدریس، اور شعبۂ افتاء کے منصب جلیل پر بھی فائز ''ہدایہ'' ''ابوداؤدشریف'' کے کامیاب مدرس۔

قبولیت بھی اللہ تعالی نے عطا فرمائی ''بلیک برن'' کے کئی حضرات نے بڑے تعریفی کلمات کہے، اور آپ کی تفسیری وتقریری خدمات پر خوشی کا اظہار کیا۔

بچپن والد ماجد حضرت مولانا اسلام الحق صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم بری) کی تربیت میں گذارا، جامعہ حسینیہ راندیر سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں افتاء کیا، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے شرف تلمذ بھی حاصل اور خلافت بھی۔

اللہ تعالی سے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائیں، اور عمر میں برکت کے ساتھ اہل برطانیہ کو آپ سے فیض پہنچائے، آمین۔

نوٹ:...... مفتی اکرام صاحب مد ظلہم کے متعلق یہ مختصر تحریر قطعا ناکافی ہے، انشاء اللہ کسی موقع پر اللہ تعالی کی توفیق شامل حال رہی تو تفصیلی مضمون لکھوں گا، جس میں موصوف کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ کیا جائے گا، انشاء اللہ۔

دعاء......از:صاحب فتاوی رحمہ اللہ

’’اللھم ان ھذا الکتاب وسیلتی الیک ‘ وفی مغفرتک الوسعة وحیلتی لدیک ‘ لا الہ الا انت سبحانک لبیک و سعدیک ‘ فاغفر اللھم وارحم امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمة عامة ‘ ایاک نعبد و ایاک نستعین ‘ و نتوکل علیک ‘ ربنا علیک توکلنا و الیک انبنا و الیک المصیر ، وما علینا الا البلاغ المبین ‘ بلاغ فھل یھلک الا القوم الفاسقون ، حٰم الامر و جاء النصر فعلینا لا ینصرون ، و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد و اٰله و اصحا به اجمعین‘‘۔

ترجمہ:......اے اللہ! میں اس کتاب کو تیری طرف پہنچنے کا وسیلہ بناتا ہوں، اور آپ کی بخشش بڑی وسیع ہے، اور یہ کتاب میری نجات کا ذریعہ ہے، تو ہی میرا معبود ہے، تیری ذات پاک ہے، میں تیری عبادت کے لئے ہر وقت حاضر ہوں، اے اللہ تو امت محمدیہ ﷺ پر عام مہربانی اور بخشش فرما، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور اے ہمارے رب! اب تجھی پر بھروسہ کرتے ہیں، اور ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں، اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اور ہمارے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے، اس طرح کا پہنچانا کہ صرف فاسق ہلاک ہوں’’ حٰم الامر و جاء النصر فعلینا لا ینصرون ‘‘اے اللہ اپنی بہترین مخلوق یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کی تمام آل واصحاب پر رحمت و درود نازل فرما، آمین۔

فہرست ''فتاوی رحیمیہ''

حضرت الاستاذ مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالی نے ''فتاوی رحیمیہ'' کو اہل علم وفضل اور ارباب فقہ وفتاوی کے ساتھ عوام میں بھی جو مقبولیت عطا فرمائی وہ محتاج بیان نہیں، اور آج ملک اور بیرون ملک کے تمام ہی اہل علم کا مرجع ہے۔

چونکہ ''فتاوی رحیمیہ'' کی اشاعت خود صاحب فتاوی کی حیات مبارکہ میں شروع ہوئی، اور مختلف زمانوں میں مختلف جلدیں شائع ہوئیں، اس لئے جیسا کہ ارباب فن جانتے ہیں ایک ہی باب کے مسائل مختلف جلدوں میں منتشر طور پر آئے، اب ضرورت اس کی تھی کہ ان تمام جلدوں کو از سر نو ترتیب وتبویب دے کر شائع کیا جاتا تا کہ ہر باب کے مسائل یکجا ہو کر استفادہ کرنے والوں کو سہولت ہو جاتی، لیکن یہ ایک ایسا کام تھا جو زر کثیر کا طالب تھا، اس لئے فوری طور پر یہ مناسب معلوم ہوا کہ جدید ترتیب وتبویب کی ساتھ پوری کتاب کو از سر نو شائع کرنے کے بجائے ایک ایسی فہرست تیار کی جائے جس میں مکمل'' فتاوی رحیمیہ'' کو پیش نظر رکھ کر مسائل کی ترتیب وتبویب ہو، اور اس فہرست سے وہی مقصد حاصل ہو جائے، بعد میں جب استطاعت ہوگی پوری کتاب بھی اسی ترتیب وتبویب پر شائع ہوسکتی ہے۔ اھ

اس تحریر سے ناظرین کے سامنے واضح ہو گیا کہ'' فتاوی رحیمیہ'' کی فہرست مرتب کرنے کی ضرورت کس قدر تھی، اس ضرورت کا احساس راقم کو ہوا، چنانچہ راقم نے چھ جلدوں (اس وقت چھ جلدیں ہی شائع ہوئی تھیں) کی ایک مکمل فہرست تیار کی، اور حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ خط اس کی اطلاع دی، مگر انہی دنوں میرے رفیق درس مفتی

عبدالقیوم صاحب نے حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے حکم سے یہ کام مکمل کرلیا تھا، اور حضرت استاذ محترم نے اسے ملاحظہ بھی فرمالیا تھا، اور حضرت اقدس دامت برکاتہم نے بھی اسے پسند فرما کر اشاعت کی اجازت مرحمت فرمادی تھی، اور یہ سعادت رفیق درس کے حصہ میں مقدر ہوچکی تھی، اس طرح وہ اب مکمل دس جلدوں کی فہرست ''فہرست فتاوی رحیمیہ'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے، الحمدللہ وہ مقبول ہے۔

اللہ تعالی مرتب مدظلہ کی اس محنت کو قبول فرمائے، واقعۃً اس سے بڑی سہولت ہوگئی، راقم خود بھی اس سے استفادہ کرتا ہے، اس سوانح کی ترتیب میں بھی خوب اس سے استفادہ کا موقع ملا۔

نوٹ:.......سوانح کے آخری میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ کے نام نام لکھا گیا راقم کا ایک عریضہ نقل کیا جاتا ہے۔

عریضہ بنام: حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ

''فتاوی رحیمیہ'' کی ترتیب جدید میں چند مقامات پر حاشیہ کی ضرورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از: مرغوب احمد لاجپوری

محترم المقام حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم ومدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج سامی بخیر ہوگا، میں بھی اللہ تعالی کے فضل وکرم سے خیریت سے رہ کر بارگاہ ایزدی میں آپ کی خیر وعافیت کے لئے دست بدعا ہوں، اللہ تعالی آنجناب کے سایہ کو امت پر تادیر بصحت وعافیت قائم رکھے، آمین۔

غرض تحریر یہ کہ آپ کے ترتیب دادہ جدید ''فتاوی رحیمیہ'' کا نسخہ موصول ہوا، ماشاء اللہ عمدہ طباعت سے مزین ہوکر یہ قیمتی فتاوی امت کے ہاتھوں میں پہنچا۔ اللہ تعالی آپ کو اس عظیم خدمت کا دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے، یقیناً حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ زندہ ہوتے سے ڈھیڑوں دعاؤں سے نوازتے اور قلبی فرحت ومسرت کا اظہار فرماتے۔

دوران مطالعہ محسوس ہوا کہ چند جگہوں پر ''فتاوی رحیمیہ'' میں تسامح ہوا ہے۔ مجھے امید تھی کہ حضرت والا جدید طباعت کے وقت ان مواقع پر بطور حاشیہ تحقیق فرمالیں گے، مگر جب یہ نسخہ پہنچا تو محسوس ہوا کہ وہ جگہیں ابھی تک تشنہ طلب ہی رہ گئی ہیں۔ امید کہ آئندہ طباعت میں حضرت والا خود تحقیق فرما کر ان فتاوی کی تصحیح فرمادیں گے۔ وہ مواقع درج ذیل

ہیں:

(۱):......عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق واجب ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور ''فتاوی رحیمیہ'' (ص۴۵۴ ج۳) میں استحباب کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ آپ بطور حاشیہ کچھ تحقیق فرما کر مفتی بہ قول کی صراحت فرما دیتے تو مسئلہ زیادہ واضح ہو جاتا، اس لئے کہ ہمارے کئی اکابرین نے وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے۔ مثلاً:

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر کہہ لینا واجب ہے۔ بحر الرائق، رد المحتار''

(علم الفقہ ص ۳۲۸، عیدین کی نماز کا بیان)

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے تو تحریر فرمایا ہے کہ:

''صلوۃ عید الاضحیٰ کے بعد علماء دیوبند تکبیر تشریق کہتے ہیں، کہنے کے لئے فرماتے ہیں، کتب فقہ ''رد المحتار'' اور ''البحر الرائق'' وغیرہ سے اس وقت تکبیر تشریق کا وجوب راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جماعت کے ساتھ یہ نماز بھی ادا کی جاتی ہے، اگر چہ خود فرض نہیں، اس کو علامہ شامی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تو اہل قری پر اور منفرد پر بھی ہے جیسا کہ ''الجوہرۃ النیرۃ'' وغیرہ میں ہے اور اسی پر فتوی بھی ہے''۔

(فتاوی محمودیہ (جدید) ص۵۲۴ ج ۱۲)

(۲):...... کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ کتب فقہ میں فساد صوم کا حکم مرقوم ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ص۵۷ ج۴) اور مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء رحمہم اللہ کی صراحت تقریباً فساد صوم ہی کی ہے۔ ہاں مالکیہ وشافعیہ نے فساد صوم کا قول اس شرط کے ساتھ ملحق کیا ہے کہ پانی دماغ یا حلق تک پہنچ

جائے، اور علماء احناف نے لکھا ہے کہ کان کے ذریعہ پانی دماغ تک پہنچ ہی جاتا ہے۔

اب جبکہ تمام اطباء اور تشریح ابدان کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ کان میں دوا ڈالنے سے دماغ تک اس کے پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں اور اس بات پر بھی متفق ہیں کہ کان میں دوا ڈالنے کی صورت میں حلق تک اس کے پہنچنے کا بھی عام حالات میں کوئی راستہ نہیں، تو اس کا کسی جوف معتبر تک پہنچنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ منافذ معتبرہ سے جوف معتبر تک پہنچنے ہی سے روزہ فاسد ہوتا ہے، اس کے بغیر نہیں۔

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' نے درج ذیل امور پر بطور خاص غور کیا:

(۱)......فقہاء کرام رحمہ اللہ کی عبارات۔

(۲)......حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی وہ تحقیق جو حضرت موصوف نے اپنی تحقیقی کتاب ''ضابطۃ المفطرات'' کے ص ۵۸ / پر درج فرمائی ہے، اور جس کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے۔

(۳)......حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم کا جو فتویٰ ۲۴ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ کو تحریر کیا گیا۔ اس فتویٰ میں بھی کان میں دوا ڈالنے کو مفسد صوم قرار نہیں دیا گیا۔

ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کان کے اندر پانی، تیل یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، الا یہ کہ کسی شخص کے کان کا پردہ پھٹا ہوا ہو اور وہ پانی، تیل یا دوا وغیرہ اس کے حلق تک پہنچ جائے۔

البتہ اس کے باوجود اگر کوئی شخص قدیم جمہور فقہاء کے قول کے مطابق خود احتیاط کرے اور روزہ کی حالت میں کان کے اندر دوا ڈالنے کے بجائے افطار کے بعد تیل یا دوا ڈالے تو

اس کے لئے ایسا کرنا بہتر اور شبہ سے بعید تر ہوگا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے! ''مرغوب الفتاوی ص ۴۴۷ ج ۳)

(۳)......حائضہ عورت بغیر طواف زیارت کئے وطن واپس آ گئی تو وہ کیا کرے؟ کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب تک طواف زیارت نہیں کرے گی حج مکمل نہ ہوگا اور اپنے شوہر کے لئے حلال بھی نہ ہوگی، اس صورت میں دوبارہ پورا حج کرنا ضروری نہیں ہے، اسے چاہئے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور عمرہ سے فارغ ہو کر طواف زیارت کر لے''۔(فتاوی رحیمیہ ۴/۲۱۶)

حالانکہ اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ یہ عورت بغیر عمرہ کے احرام کے مکہ معظّمہ جا کر طواف زیارت کرے گی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''(ولو ترک الطواف کله ' او طاف اقله' و ترک اکثره)ای و رجع الی اهله ' (فعلیه حتما) ای وجوبا اتفاقا (ان یعود بذلک الاحرام ویطوفه) ای لانه محرم فی حق النساء''۔(مناسک ملا علی قاری ص ۳۴۵، باب الجنایات۔ طبع: ادارۃ القرآن)

''غنیۃ الناسک'' میں ہے:

'' ولو ترک طواف الزیارة کله او اکثره ' فهو محرم ابدا فی حق النساء حتی یطوف .... فعلیه حتما ان یعود بذلک الاحرام''۔(ص ۲۷۳، باب الجنایات)

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر پورا طواف یا اس کا اکثر حصہ (چار یا زیادہ چکر) ترک کر دیا اور اقل حصہ (تین یا کم چکر) ادا کیا اور اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ گیا تو بالاتفاق اس کو اسی احرام سے واپس لوٹنا واجب ہے، اس کو نیا احرام باندھنے کی ضرورت نہیں، (اگرچہ میقات سے باہر

نکل گیا ہو‘‘۔(عمدۃ الفقہ ص۵۲۳ ج۴، واجبات حج کو ترک کرنا، مسئلہ نمبر: ۵)

(۴)......مزدلفہ میں مغرب کی سنتیں پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ’’مزدلفہ میں عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد مغرب و عشا دونوں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں اور درمیان میں سنت‘ نفل کچھ نہ پڑھیں، بلکہ مغرب اور عشاء اور وتر‘ عشاء کی نماز کے بعد پڑھیں، اگر اتفاق سے جماعت سے نماز نہ پڑھ سکا اور تنہا نماز ادا کی تب بھی سنتوں کا یہی حکم ہے، اسی طرح تکبیر تشریق بھی عشاء کی نماز کے بعد کہے مغرب کے بعد نہ کہے‘‘۔(فتاوی رحیمیہ ص۲۲۳ ج۴)

حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھے گا، پھر عشا کی نماز پڑھے۔ ممکن ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان بعض فقہاء کا قول اختیار کیا ہو جنہوں نے مزدلفہ کی ان دونوں نمازوں کے درمیان تکبیر تشریق کہنے سے منع کیا ہے، لیکن یہ قول معتبر نہیں، کیونکہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے، جیسا کہ عبارات ذیل میں صراحت ہے:

فی الشامیة : تحت قوله (لم يصل بينهما شيئا على المذهب) وهو ظاهر الرواية شرنبلالية وهو الصحيح فلوفعل كره واعاد الاذان للعصر لانقطاع فوره فصار كالاشتغال بينهما بفعل اٰخر كأكل و شرب......

تنبيه:......اخذ من هذا العلامة السيد محمد صادق بن احمد بادشاه انه يترك تكبير التشريق هنا و فی المزدلفة بين المغرب والعشاء لمراعاة الفورية الواردة فی الحديث ،كما نقله عنه الكازرونی فی فتاواه،

قلت : وفيه نظر فان الوارد فی الحديث انه صلى الله عليه وسلم صلى الظهر ثم

أقام فصلی العصر ولم یصل بینهماشئیا،ففیه التصریح بترک الصلوة بینهما ولا یلزم منه ترک التکبیر ولا یقاس علی ا لصلوة لوجوبه دونهاولان مدته یسیرة حتی لم یعدفاصلا بین الفریضة والراتبة، والحاصل ان التکبیر بعد ثبوت وجوبه عندنا لا یسقط هنا الا بدلیل وما ذکر لایصلح للدلالة کما علمته ،هذا ماظهر لی،والله تعالی اعلم، (شامیة : ص۲/۵۰۴:مطلب فی الرواح الی العرفات)

صاحب ارشاد الساری علامہ حسین بن محمد المکی الحنفی رحمہ اللہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

ولم یتعقبه العلامة الرافعی فی تقریره علیه فیظهر انه موافقة،ثم رأیت العلامة طاهر سنبل قرر ایضا نحو ما فی رد المحتار ۱۵،(ص۱۳۱،فصل فی الجمع بین الصلوتین بعرفة)

فی غنیة الناسک: (۸۷)ولا یتطوع بینهما ولا یصلی سنة المغرب والعشاء والوتر بعدهما.....ولا یشغل بشئی اٰخر من أکل و شرب وغیرهما الا انه یأ تی بتکبیر التشریق مرة عندنا لوجوبه فان تطوع او تشاغل بما یعد فصلا فی العرف کره،

وفی غنیة الناسک: والتلبیة مرة شرط وهو عند الاحرام لا غیر والزیادة علی المرة والاکثار منها مستحب ....وبعد المکتوبات اتفاقا یبدأ بتکبیر التشریق ثم بها فلو بدأ بها سقط التکبیر ،(ص۳۸)

(۵)......حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''فقہاء نے لکھا ہے کہ: اگر کوئی شخص لوگوں کو اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے ''یا اللہ'' کہے تو مکروہ ہے''۔(فتاوی رحیمیہ ص۵۶۸ ج ۵)

حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب گھر میں تشریف لاتے تو اہلیہ کو اطلاع

دینے کی غرض سے ''اللہ اکبر'' فرماتے تا کہ ان کو آپ کے آنے کی خبر ہو جائے۔ اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کے عمل اور فقہاء کے قول میں تعارض کی تطبیق کیا ہوگی؟

(۶):...... ''نماز میں سورتوں کو خلاف ترتیب پڑھنا'' اس فتوی کو آپ نے آداب قرآن میں درج کیا ہے، (ص۱۶۲ج ۲) اگر اسے نماز کے بیان میں درج کیا جاتا دیا جاتا تو کیا بہتر نہ ہوتا؟ اس لئے کہ اس فتوی کا تعلق نماز سے ہے اور سائل نے بھی نماز ہی کے متعلق پوچھا ہے۔ غور فرمالیں۔ (اس آخری نمبر کا تعلق آپ کی ترتیب سے ہے)

یہ چند باتیں دوران مطالعہ نظر سے گذریں تو خیال آیا کہ آپ کی خدمت میں بلا تکلف عرض کردوں، امید کہ میری تحریر میں کوئی بات خلاف ادب آ گئی ہو تو درگذر فرمائیں گے۔

مرغوب احمد لاجپوری

۱۱ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۷ر دسمبر ۲۰۱۱

بروز بدھ

''فتاوی صاحب رحیمیہ'' کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب مدظلہم کا گرامی نامہ

باسمہ تعالی

مکرم' محترم مولانا مرغوب احمد صاحب زید مجدکم۔

بعد سلام مسنون۔

آپ سے یہ معلوم ہوکر کہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری نوراللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ واعلی اللہ درجاتہ کے حالات مبارکہ آپ نے جمع فرمالئے ہیں، اور قریب میں اس کی اشاعت ہونے والی ہے، اس سے بیحد مسرت ہوئی۔ اللہ تعالی آپ کی اس کاوش کو قبول فرمائے، آپ کی دینی' علمی صلاحیتوں میں مزید برکت دے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ساری عمر دین اور علم اور افتاء کی نذر فرمادی۔ دوسرے حضرات کے یہاں تو اور شعبوں کی طرف بھی توجہ نظر آتی ہے کہ کسی ایک شعبۂ دین کے ساتھ وہ دوسرے میدانوں میں بھی سرگرم نظر آتے ہیں، کسی کو خطابت وتقریر کے ساتھ دلچسپی ہے، کوئی سیاسی اور سماجی مجلس میں شرکت سے لطف واندوز ہوتا ہے، کسی کو دینی مراکز ومساجد کے قیام سے زیادہ دلچسپی ہے، مگر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی پرسکون' نرم و نازک طبیعت کو دوڑ بھاگ' شوروغل اور ہنگاموں والی دینی خدمات کے مقابلہ میں درس و تدریس' تصنیف وتالیف' تعلیم وافتاء کی سند پر بیٹھے بیٹھے سالہا سال گذارنے میں زیادہ لطف محسوس ہوتا تھا اور مہینوں' سالوں راندیر سے باہر نہ نکلنے پر بھی آپ کی طبیعت میں ایک کام سے اکتاہٹ پیدا نہ ہوتی تھی، اور تنوع کی متقاضی نہ ہوتی تھی۔

اسی کی برکت ہوئی کہ آج دس جلدوں پر مشتمل ہزاروں فتاوی کا عظیم الشان ذخیرہ

ہمارے ہاتھوں میں ہے، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔

اور دیگر کتب فتاوی سے وہ منفرد اس لئے بھی نظر آئیں گے کہ اگر کتب افتاء میں اس کی پابندی کو ضروری سمجھا گیا کہ مقلد کو عمل کے لئے جس کا علم ضروری ہے، اس سے آگے دلیل بتانا زائد از ضرورت ہے، اس سے اختلاف کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مدلل فتاوی کا سلسلہ شروع فرمایا، اس لئے بعض موضوع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے صرف فتوی کا جواب نہیں، بلکہ اس پر رسالہ اور کتاب تصنیف فرمادی ہیں۔

اسی بنا پر قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کے یہاں روزمرہ کی ضروری کتابوں کی الماری میں ''فتاوی رحیمیہ'' کی جلدیں رہتی تھیں، جہاں کسی فتوی کی طرف مراجعت کی ضرورت پیش آتی تو حضرت شیخ فرماتے: ''فتاوی رحیمیہ'' میں دیکھو۔

اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس خدمت جلیلہ کو قبول فرما کر اعلی علیین میں بلند درجات سے نوازے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو میں نے بچپن میں ناظرہ، حفظ کی مکتبی تعلیم کے دوران جب حضرت ہمارے مدرسہ میں امتحان کے لئے راندیر کے مشائخ کے ساتھ تشریف لاتے تھے، اس وقت دیکھنا شروع کیا تھا، پھر جامعہ حسینیہ راندیر میں ہمارا تجوید کا امتحان حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہی ہمیشہ لیتے تھے، جس میں ''جمال القرآن'' کے قواعد کی عبارت جوں کی توں سنانا بہت ضروری تھا، ایک دو کلمے بھی ذرا ادھر ادھر ہوتے تو مفتی صاحب رحمہ اللہ ہوں؟ کر کے بیٹھ جاتے، جب تک بعینہ عبارت طالب علم نہ سناتا، آگے نمبر نہیں چلتے تھے۔

فراغت کے بعد تو جب کبھی حاضری ہوئی تو نئی تالیفات اور عطر کی کئی کئی شیشیاں ہر حاضری پر ضرور ملتی تھیں۔

مولانا محمد علی منیار فرماتے تھے کہ: میری حاضری پر ہمیشہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ آپ دونوں بھائیوں کے بارے میں ضرور استفسار فرماتے اور حالات پوچھتے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت کا آخری گرامی نامہ فتاوی کی ترتیب کے سلسلہ میں تھا۔

اللہ عز وجل حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس تمنا پورا فرمائے، اور زیادہ سے زیادہ زبانوں میں انگریزی کی طرح اس کے ترجمہ کا انتظام فرما کر اس کے فیض کو عام فرمائے۔

اللہ تعالی ہمیں بھی یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ علمی کام کرنا آسان فرمائے۔

آپ کا: یوسف

۷ر فروری ۲۰۰۲ء

”فتاوی رحیمیہ“ پر اعتراضات اور صاحب فتاوی کے جوابات

اس رسالہ میں حضرت اقدس مفتی سید عبد الرحیم صاحب دامت برکاتہم کے فتاوی پر اہل علم نے جو اشکالات کئے ہیں وہ اور ان کے جوابات جو حضرت مدظلہم نے عنایت فرمائے ہیں اس کو جمع کیا گیا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

عرض مرتب

الحمد لله كفى وسلام على عباده الذين اصطفى ، اما بعد!

''فتاوی رحیمیہ'' کے مطالعہ کے دوران کئی مرتبہ یہ خیال آیا کہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض جوابات پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں اور حضرت اقدس نے ان کے جو تحقیقی جوابات دیئے ہیں انہیں ایک علیحدہ رسالے کی شکل میں جمع کروں کہ ان جوابات سے حضرت کی شان تفقہ اور فتوی نویسی میں احتیاط کا پتہ چلتا ہے، مگر اپنی کاہلی کی وجہ سے اس پر عمل کی نوبت نہیں آئی۔

اب جبکہ سوانح کا کام شروع کیا گیا تو اس ارادہ کی تکمیل اللہ تعالی نے کرادی، یہ اوراق انہیں دلچسپ تحریرات وتحقیقات کا مجموعہ ہیں۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے کہیں بھی معترض کا نام نہیں لکھا، ساتھ ہی ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی اور شکریہ بھی ادا کیا، سوائے دو جگہ کے جہاں بعض حضرات نے حضرت کے فتاوی پر کوئی تنقید کسی رسالہ میں شائع کی، وہاں ان کا نام فتاوی میں لیا گیا۔

اللہ تعالی اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔

نوٹ:......اس رسالہ میں منشی عیسیٰ بھائی کاوی رحمہ اللہ کے مضمون میں جس فتوی پر اشکال ہے وہ شامل نہیں، کیونکہ مرحوم کا پورا مضمون سوانح میں آ گیا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

حضرت اقدس مفتی صاحب کے فتاوی کو اللہ تعالی نے بے انتہا مقبولیت عطا فرمائی، اہل علم ارباب فتوی، اور دین سے ذوق رکھنے والے عوام ہر طبقہ نے اس سے فیض اٹھایا، اور انشاء اللہ حضرت کا یہ فیض جاری وساری رہے گا۔

بارہا ایسا ہوا کہ حضرت نے سائل کے جواب میں ایک فتوی لکھا، اس پر بعض اہل علم و ارباب افتاء نے اشکال کیا، اور حضرت کو نظر ثانی کی رائے دی، بعض مرتبہ کسی نے تنقید بھی کی، مگر الحمد للہ ہر مرتبہ سوائے ایک دو مرتبہ (راقم کی نظر کے مطابق) حضرت کا تحریر فرمودہ جواب ہی صحیح یا راجح قول کے مطابق نکلا۔

یہاں راقم ''فتاوی رحیمیہ'' سے ایسے مسائل کو جمع کرتا ہے جن میں حضرت کے فتاوی پر اعتراض اور اس کا جواب دیا گیا ہے، تاکہ ناظرین محسوس فرمائیں کہ حضرت کی فقہی بصیرت کتنی بلند و بالا ہے، اور آپ نے کس تحقیق سے مسائل، احادیث کے ترجمے وغیرہ تحریر فرمائے ہیں۔

مرغوب احمد

ولادت کے وقت بھی نماز پڑھنے پر اشکال

حضرت مفتی صاحب نے نماز کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے ایک مسئلہ لکھا:

’’انتہا یہ کہ فقہ احناف میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ: اگر عورت کو بچہ ہو رہا ہو تو اگر بچہ کا سر باہر آ گیا ہے ادھر نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے تو اس حالت میں بھی عورت پر لازم ہے کہ نماز پڑھے، وضوء نہ کر سکتی ہو تو تیمّم کرے، رکوع نہ کر سکتی ہو تو بچہ کی حفاظت کرتے ہوئے بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھ لے، قضاء نہ کرے‘‘۔ (۱/۱۴۷)

اس مسئلے پر ایک عالم و مفتی صاحب نے اشکال کیا جو مسئلہ ’’فتاوی رحیمیہ‘‘ میں اس طرح ہے: ’’ولادت کے وقت بچہ کا سر باہر ہو اس وقت بھی لزوم نماز کے مسئلہ پر ایک مشہور مدرسہ کے شیخ الحدیث و مفتی صاحب کا اشکال اور اس کا جواب‘‘۔

اشکال اول: ...... یہ پورا مسئلہ پڑھا لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ بچہ کے سر کے ساتھ خون (دم نفاس) بھی ہوگا، پھر ایسی ناپاک حالت میں نماز پڑھنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: وباللہ التوفیق ...... یہ دم نفاس نہیں ہے، دم نفاس کا حکم تب لگتا ہے کہ بچہ نصف یا نصف سے زائد نکل آیا ہو، اس سے پہلے جو خون ہوگا وہ دم استحاضہ ہے، ادھر نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے، ایسی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، قضاء کرنے کی اجازت نہیں ہے، عورت معذور کے حکم میں ہے تو اس خون کے ہوتے ہوئے اگر بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو نماز پڑھنا ضروری ہے، والنفاس هو الدم الخارج عقب الولادة أو خروج اكثر الولد۔ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۸۰)

’’عالمگیری‘‘ میں ہے: لو خرج اكثر الولد تكون نفساء والا لا۔ (۱/۳۷) فقط واللہ اعلم

اشکال دوم: سوال ......(۱۱۳۰): یہ تو ٹھیک ہے کہ ابھی نفاس کا حکم نہیں لگا یہ دم استحاضہ ہے، مگر اشکال یہ ہے کہ یہ عورت معذور کے حکم میں کیسے ہوگئی؟ معذوری کا حکم تو اس وقت لگتا ہے کہ نماز کا پورا ایک وقت اس طرح گذر جائے کہ خون بہتا رہے اور اتنا بھی وقت نہ ملے کہ نماز بطہارت پڑھ سکے، اور یہاں یہ بات نہیں، یہ ظاہر ہے کہ نماز کے ابتدائی وقت میں معذور نہیں تھی (بلکہ پاک تھی) عذر بعد میں پیش آیا ہے، عذر سے پورا وقت گھرا نہیں ہے تو ایسی حالت میں پاک ہوئے بغیر نماز کیسے پڑھ سکتی ہے؟ یہ معذور نہیں ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق ......موجودہ حالت میں عورت اپنے کو معذور ہی تصور کرے، اور نماز پڑھے، قضاء کرنے کی اجازت نہ ہوگی، یہ مسئلہ دوسرا ہے کہ بعد کے وقت میں خون جاری نہ رہا تو معذور نہ ہوگی اور نماز کا اعادہ کرے گی، چنانچہ ''شامی'' میں ہے:

ولو عرض بعد دخول وقت فرض انتظر الی آخرہ ' فان لم ینقطع یتوضأ ویصلی ثم ان انقطع فی اثناء الوقت الثانی یعید تلک الصلاۃ ' وان استوعب الوقت الثانی لا یعید لثبوت العذر حینئذ من وقت العروض ، اھ۔

معذور کے احکام بیان کرر ہے ہیں، فرماتے ہیں:

فرض نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد عذر پیش آیا تو آخری وقت تک انتظار کرے، پھر اگر عذر منقطع نہ ہوا تو وضوء کر کے نماز پڑھ لے۔ اس کے بعد اگر دوسرے وقت میں منقطع ہوگیا تو اس نماز کا اعادہ کرے، اور اگر عذر پورے وقت میں باقی رہے تو اس نماز کا اعادہ نہ کرے کہ اس وقت وہ عذر متحقق ہوگیا۔ (شامی ص ۲۸۱ ج ۱)

حاملہ کی صورت بھی ایسی ہی ہے، لہذا استحاضہ مانع عن الصلوۃ نہ ہوگا، دم استحاضہ مستحاضہ کے حق میں گویا پاک ہے، اس کے ہوتے ہوئے نماز پڑھ سکتی ہے، یہ نہیں کہ حقیقۃً

پاک ہے، یا معاف ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:......اس کے بعد مفتی صاحب کو الحمد للہ تشفی ہوگئی، اور کوئی اشکال نہیں فرمایا۔

(۲۶۹/۴)

دعائے ماثورہ میں اضافہ خلاف سنت ہے: اس پر اشکال وجواب

ایک سوال کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا:

فرض نماز کے بعد کی مسنون ادعیہ میں اپنی طرف سے ان الفاظ: ''والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام'' کے اضافہ کی عادت خلاف سنت ہے۔

(۲۴۲/۱)

اس پر ایک صاحب نے اشکال کیا:

مگر ''نظام الفتاوی'' ص ۱۶۵/ میں ہے:

''اس کو دعا میں بعد نماز کے شامل کر لینا نا جائز و نا درست یا خلاف تعلیم نبوی علیہ السلام نہ ہوگا''۔ اب آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت مفتی صاحب نے اس کا یہ جواب رقم فرمایا:

الجواب:...... ''فتاوی رحیمیہ'' کا فتوی احتیاط پر مبنی ہے، دعائے ماثورہ کے درمیان اضافہ یا رد و بدل پسندیدہ نہیں ہے، رسول مقبول ﷺ نے اپنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو دعا تعلیم فرمائی جس میں ''بنبیک الذی ارسلت'' کے الفاظ تھے، صحابی رضی اللہ عنہ نے بغرض تعظیم لفظ نبی کی جگہ لفظ رسول یعنی ''برسولک الذی ارسلت'' پڑھا تو فوراً روک دیا گیا اور اپنے تعلیم فرمودہ کلمات کہنے کی ہدایت فرمائی۔

(ترمذی شریف ص ۱۷۵ ج ۲، باب ما جاء فی الدعاء اذا اوی الی فراشه)

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

دعاء ماثورہ کے جتنے الفاظ حدیثوں میں ثابت اور منقول ہوں، ان کو انہیں الفاظ پر رکھنا چاہئے (الی قولہ)، اسی طرح کسی دعاء ماثورہ میں اپنی طرف سے یہ اضافہ مکروہ ہے۔

محمد کفایت اللہ عفا اللہ عنہ

(کفایت المفتی ص ۱۱۰ تا ۱۱۱ ج ۳)

آپ کا دوسرا فتویٰ:

سوال:...... اذان کی دعاء میں ''والفضیلة'' کے بعد ''الدرجة الرفیعة'' اور بعد ''وعدته'' کے ''وارزقنا شفاعته'' بڑھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:...... ''الدرجة الرفیعة اور وارزقنا شفاعته یوم القیامة'' کا ثبوت نہیں ہے، پس غیر ثابت الفاظ کو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھے، تو مضائقہ بھی نہیں۔ (کفایت المفتی ص ۲۱ ج ۳)

یہ موقع انفرادی دعاء کا ہے، اور فرائض کے بعد کا موقع اجتماعی دعاء کا موقع ہے، اور عوام سے غیر ثابت کلمات کے بارے میں عدم اعتقاد کی توقع رکھنا مشکل ہے، بلکہ وہ تو اس کو مسنون ہی سمجھیں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (ص ۱۴۳ ج ۵)

مسبوق کے تحریمہ کہتے ہی امام نے سلام پھیر دیا: اس پر اشکال اور جواب

''فتاوی رحیمیہ'' میں ایک فتوی ہے:

سوال:...... مسبوق نے تکبیر تحریمہ کہی اور امام نے سلام پھیرا، یعنی قعدہ میں امام کے ساتھ شریک نہیں ہوا، کھڑا ہی ہے تو تکبیر تحریمہ دوبارہ کہے یا وہی کافی ہے؟

الجواب:......امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیرتحریمہ کہہ دی ہے تو جماعت میں شامل ہونے والا شمار ہوگا،تکبیرتحریمہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس پربعض مفتیان کرام کواشکال ہوا کہ جب اس شخص نے قعدہ میں شرکت نہیں کی تو اقتدا کیسے صحیح ہوگی؟

حضرت کی طرف سے یہ جواب دیا گیا:

الجواب:...... جب مسبوق نے امام کے سلام سے پہلے اقتداء کی نیت سے تکبیرتحریمہ کہہ دی تو وہ حرمت صلوۃ میں داخل ہوگیا اور اقتداء صحیح ہوگئی،صحت اقتداء کے لئے اتنی شرکت کافی ہے،قعدہ میں شرکت شرط نہیں،البتہ اگر لفظ سلام کہنے کے بعد تکبیرتحریمہ کہی ہو تو اقتداء صحیح نہ ہوگی،شامی میں ہے:’’(قوله وتنتهي قدوة بالاول) أي بالسلام الاول ‘ قال فی التجنيس : الامام اذا فرغ من صلوته فلما قال السلام جاء رجل واقتدى به قبل ان يقول عليكم لا يصير داخلا فی صلا ته ‘ لانّ هذاسلام ، الخ ‘‘۔(شامی ص۴۳۶ج۱)

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی صورت میں اقتداء صحیح ہے،صحت اقتداء کے لئے ادنی مشارکت کافی ہے’’صغیری‘‘میں ہے:

’’وفي الذخيرة : قال وان سوى ظهره في الركوع يعني حال كون الامام راكعا صار مدركا أى لتلك الركعة قدرعلى التسبيح أولم يقدر اى لا تشترط المشاركة قدر التسبيحة وهذا هو الاصح ‘ لان الشرط المشاركة في جزء من الركن وان قل وادناه ان ينتهي الى حد الركوع قبل ان يخرج الامام عن حد الركوع ، الخ ‘‘۔

(صغیری ص۱۶۵تا۱۶۶)

اس کی تائید میں دوفتاوی پیش کئے جاتے ہیں:

(۱)......مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتوی:

سوال:......مقتدی بہ نیت اقتداء صرف تکبیر تحریمہ ہی کہنے پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو کیا مقتدی اس تحریمہ سے اپنی نماز پوری کرے؟ یا بار دیگر انفرادی نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے؟

الجواب:......اگر سلام سے پہلے مقتدی نے تکبیر تحریمہ ختم کر لی تھی تو وہ نماز میں شریک ہو گیا اور اسی نماز کو پوری کر لے۔ (کفایت المفتی ص ۹۸ ج ۳)

(۲)......حضرت مفتی عزیز الرحمان صاحب سابق مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کا فتوی:

سوال:......زید نے تکبیر تحریمہ کہی اور امام نے سلام پھیر دیا، اور زید نے امام کی شرکت قعود میں بالکل نہیں کی، تو اب زید کو دوبارہ تکبیر تحریمہ کہنی چاہئے یا پہلی تکبیر تحریمہ ہی کافی ہے؟

الجواب:...... پوری تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کہہ چکا ہے تو وہ شریک جماعت ہو گیا، اب اس کو دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں ہے" قال فی الحلیہ عند قول المنیہ : ولا دخول فی الصلوۃ الا بتکبیر الافتتاح "۔(شامی)

(فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ص ۶۹ / جلد ثالث، باب الجماعۃ)

اس کی تائید میں مزید دو فتوے ص ۳۸۴ ج ۶ / پر بھی ہیں۔

سوال:......امام نے نماز ختم کی، پہلا سلام پھیرتے ہوئے ابھی "السلام" کا لفظ بولا "علیکم" نہیں بولا اور کسی نے اقتداء کی اس کی یہ اقتداء صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب:......مذکورہ بالا اقتداء معتبر نہیں، دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے" قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوتہ فلما قال السلام جاء رجل واقتدیٰ بہ قبل ان یقول علیکم لایصیر داخلاً فی الصلوۃ لان ھذا سلام "۔(شامی ص ۴۳۶ ج ۱)

اس جواب پر ایک مفتی صاحب نے یہ اشکال کیا:

’’فتاوی رحیمیہ‘‘ جلد اول (ص ۲۰۵) پر ہے:

’’دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے، الخ‘‘۔

اس جزئیہ سے یہ معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ شرکت صحیح نہیں ہوئی، لیکن دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرنے کی کیا حاجت ہے؟ نماز کے لئے تکبیر تحریمہ تو کہی جا چکی ہے، اور نماز شروع ہو چکی ہے، صرف اس قدر بات ہے کہ امام کے ساتھ شرکت نہیں ہوئی، اس لئے غور فرمائیں اور ترمیم کی ضرورت ہو تو اصلاح کر دی جائے۔

حضرت مفتی صاحب کا جواب:

الجواب:...... بعد سلام مسنون توجہ دلانے کا شکریہ۔ مسئلہ میں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ ’’شامی‘‘ میں ہے: ’’وافاد انه كما لا يصح اقتدائه لا يصير شارعاً في صلوة نفسه ايضا وهو الاصح‘‘۔

یعنی جب اقتداء صحیح نہیں ہوئی تو اس کی اپنی نماز کا آغاز بھی نہیں ہوا، اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اپنی نماز شروع کر دی۔ (ص ۴۴۸ ج ۱)

نمازیوں کی صف اول کے آگے بڑھانے پر اشکال اور اس کا جواب

سوال:......مکرم ومحترم مخدوم عالی جناب حضرت مفتی صاحب زیدت معالیہ

السلام علیکم ورحمته الله وبركاته

عرصہ دراز سے آں محترم کی خبر اور خیریت سے لاعلم ہوں، اس وقت ایک ضروری امر درپیش ہے، وہ یہ کہ آپ کے ’’فتاوی رحیمیہ‘‘ (ص ۴۵ ج ۳) پر یہ مسئلہ بایں صورت مرقوم ہے:

''البتہ اگر پیچھے جماعت خانہ میں یا برآمدہ یا صحن میں بھی جگہ نہ ہو اگر ہو تو بارش یا شدید دھوپ کی وجہ سے کھڑا رہنا دشوار ہو تو پھر کراہت نہیں ہے''۔

ہمارے شہر میں اس ضرورۃً جواز کے مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، امید ہے کہ آنجناب مندرجہ بالا مسئلہ کا حوالہ تحریر فرمائیں گے۔فقط: بینوا توجروا۔

الجواب:...... معظمی ومحترمی جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم، سلام مسنون! گرامی نامہ موصول شدہ کاشف احوال ہوا (جزاکم اللہ تعالی) حق تعالیٰ جناب کو تا دم حیات خدمت دین میں مشغول رکھے اور قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنا دے، آمین بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

جناب کے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ جواز بلا کراہت کا حکم کسی نص کے معارض نہیں ہے، بلکہ نصوص قرآنی اور قواعد فقہیہ کے عین مطابق ہے، قولہ تعالی﴿ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر﴾۔(سورۂ بقرہ)

یعنی اللہ تعالی کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے دشواری منظور نہیں ہے۔

وقولہ تعالیٰ ﴿وماجعل اللہ علیکم فی الدین من حرج﴾۔(سورۂ حج، پ:۱۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تمہارے اوپر تنگی نہیں رکھی۔

''الضرورات تبیح المحظورات'' یعنی حاجت ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہے۔

(الاشباہ والنظائر ص ۱۰۸)

''المشقة تجلب التیسیر'' یعنی سختی سے آسانی ہو جاتی ہے۔(الاشباہ)

اور نصاب الاحتساب میں ہے:''ویکرہ الصلوۃ فوق الکعبة، وکذا الصعود علی سطح المسجد الا لحاجة اصلاح ونحوہ وکذا الصعود علی سطح کل مسجد

مکروہ، ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوق السطح الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ، الخ''۔

یعنی محیط میں ہے کہ: کعبہ شریف کے اوپر اور مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا (بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے) مکروہ ہے، ہاں اگر تعمیر اور مرمت کی ضرورت کی وجہ سے چڑھنا ہو تو مکروہ نہیں ہے، اسی طرح کوئی بھی مسجد ہو تو اس کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے، اور اسی بنا پر یہ بھی مکروہ ہے کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے چھت پر جماعت کریں، مگر یہ کہ مسجد میں نمازیوں کی گنجائش نہ رہے تو پھر مکروہ نہ ہوگا۔ (نصاب الاحتساب قلمی، باب: ۳۲/۱۵)

اسی طرح ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

''الصعود علیٰ سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃفوقہ الا اذاضاق المسجد حینئذ لایکرہ الصعود علیٰ سطحہ للضرورۃ کذافی الغرائب''۔ (فتاوی عالمگیری ص ۳۳۲ ج ۵)

علی ہذا مصلیوں پر نماز پڑھنے کی جگہ تنگ ہو جائے تو ضرورۃً صف اول کا آگے بڑھا لینا بلا کراہت درست ہوگا، فقط: واللہ اعلم بالصواب۔

آفاقی بطریقہ مرور جدہ پہنچ کر مکہ جانا چاہے تو احرام ضروری ہے یا نہیں؟

محترم و مکرم حضرت مفتی صاحب ادام اللہ ظلہم وفیوضہم، بعد سلام مسنون!

آپ کے ''فتاوی رحیمیہ'' (ص ۵۳ ج ۲) میں ہے:

سوال:...... حج کے بعد مدینہ شریف گئے، وہاں سے وطن جانے کے لئے جدہ آئے، لیکن (پانی کے) جہاز کی روانگی میں دیر ہے تو دس پندرہ روز جدہ ٹھیرنے کے بجائے مکہ معظّمہ جا کر قیام کرے اور طواف کرے تو کیا احرام باندھنا پڑے گا؟ یا بغیر احرام باندھے جا سکتے

ہیں؟

الجواب:......احرام باندھنا پڑے گا، عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہوسکتا ہے۔ (قرۃ العینین)

(فتاوی رحیمیہ ص ۵۳ ج ۲)

مگر ''معلم الحجاج'' میں لکھا ہے:

مسئلہ:......آفاقی (یعنی میقات سے باہر رہنے والا) میقات سے آگے کسی ایسی جگہ جو حرم سے خارج ہے اور حل میں داخل ہے، کسی ضرورت سے جانا چاہتا ہے، مکہ جانے اور حج یا عمرہ کرنے کی نیت نہیں ہے تو اس پر میقات سے احرام باندھنا واجب نہیں، اور اس کے بعد وہ اس جگہ سے مکہ بھی بلا احرام جاسکتا ہے، اور اس پر کوئی دم وغیرہ نہیں ہے، اس مقام پر پہنچ کر یہ شخص بھی اس جگہ کے لوگوں کے حکم میں ہوگیا، وہاں سے اگر حج یا عمرہ کا ارادہ کرے تو ان کی میقات یعنی حل سے احرام باندھنا ہوگا۔

(معلم الحجاج ص ۱۰۸/میقات سے بلا احرام باندھے گذرنا)

''فتاوی رحیمیہ'' کے جواب اور ''معلم الحجاج'' کی عبارت میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے، کیا جواب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب:......''فتاوی رحیمیہ'' (ص ۵۳ ج ۲) کا جواب ''قرۃ العینین'' (زبدۃ المناسک... المعروف بہ ''قرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین'' مؤلفہ: مولانا الحاج شیر محمد شاہ صاحب) کے حوالہ سے لکھا گیا ہے، مسائل حج میں یہ کتاب معتبر مانی جاتی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''زبدۃ المناسک'' کی پوری عبارت نقل کردی جائے:

اب کثیرۃ الوقوع یہ مسئلہ ہے کہ: حج کے بعد جو حاجی لوگ مدینہ طیبہ سے وطن کو جانے کے ارادہ سے جدہ میں آتے ہیں اس نیت سے کہ براستہ بحری جہاز یا ہوائی جہاز وغیرہ کے

وطن کو جائیں گے، پس بوجہ فی الحال جہاز وغیرہ نہ ملنے کے جدہ میں بہت روز قیام کرنے کے یہ خیال کرتے ہیں کہ جدہ تو ہمارا میقات نہیں ہے، احرام کہاں سے باندھے، پس چونکہ یہ مدینہ طیبہ سے حج وغیرہ کی نیت کے بغیر محض اپنے وطن کو جانے کی غرض سے جدہ میں آئے ہوئے ہیں، یعنی جدہ میں نہ تو مکہ مکرمہ کے حاضر ہونے کی نیت سے آئے ہیں اور نہ خود جدہ کسی خاص کام کے ارادہ سے آئے ہیں، اس لئے یہ لوگ میقات یا حل والوں کے حکم میں نہیں ہیں کہ ان کا میقات حل ہو، مگر چونکہ یہ لوگ آفاق سے آئے ہوئے ہیں، اور جدہ میں بطریق مرور پہنچے ہیں، کیونکہ وطن کو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اب یہاں سے مکہ مکرمہ یا حد حرم میں جائیں گے تو بغیر احرام نہیں جا سکتے کہ آفاقی ہیں اور ذوالحلیفہ، جحفہ، رابغ سے بغیر احرام گذرنے کی وجہ سے ان پر دم وغیرہ بھی کچھ لازم نہ ہوگا، کیونکہ مکہ مکرمہ اور حرم میں جانے کی نیت نہ تھی۔ (زبدۃ المناسک ص ۵۴ ج ۱)

''معلم الحجاج'' میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس کا محمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفاقی داخل میقات جس جگہ جانا چاہتا ہے وہ مقام اس وقت اس کا مقصود ہے، لہذا وہ شخص جب وہاں پہنچے گا تو اہل حل کے حکم میں ہو جائے گا، اور ''زبدۃ المناسک'' میں جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں اس کا محمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفاقی مکہ مکرمہ پہنچا اور حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوا، اب مدینہ منورہ سے اپنے وطن جانے کے ارادہ سے روانہ ہوا، ہوائی جہاز سے سفر کرنا ہو یا بحری جہاز سے عام طور پر جدہ آنا پڑتا ہے، مگر اس سفر میں جدہ اس کا مقصود نہیں ہے اسے تو آگے روانہ ہونا ہے، اس لئے جدہ پہنچنے کے باوجود اسے اہل حل کے حکم میں داخل نہیں کیا اور کسی وجہ سے اسے جدہ میں ٹھیرنا ہوا، اور جدہ میں ایام گذارنے کے بجائے مکہ مکرمہ حاضری کا ارادہ کر لیا تو چونکہ وہ حلی نہیں ہے، اس لئے مکہ مکرمہ میں داخلہ کے

لئے احرام ضروری قرار دیا ’’معلم الحجاج ‘‘اور ’’زبدۃ المناسک ‘‘میں تطبیق کی یہ صورت ہوسکتی ہے ’’فتاوی رحیمیہ (ص۵۳ ج ۲) میں سوال کی نوعیت وہی ہے جو’’زبدۃ المناسک‘‘ میں ہے، لہٰذا ’’فتاوی رحیمیہ ‘‘اور ’’معلم الحجاج‘‘ میں بھی تعارض نہ رہے گا۔ (ص۲۹۲ ج ۸)

تاخیر سے حج کیا تو تاخیر کرنے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

’’فتاوی رحیمیہ‘‘ (ص۵۳ ج ۲) پر ہے:

سوال:......جس سال حج فرض ہوا اسی سال حج میں جانا ضروری ہے؟ اگر ایک سال مؤخر کر کے جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب:......جس پر حج فرض ہو جائے اس پر ضروری ہے کہ جس قدر ممکن ہو جلد ادا کردے اگر پہلے برس حج ادا نہ کیا گیا دوسرے یا تیسرے سال ادا کیا اس کے بعد مر گیا یعنی حج کر کے مرا تو گنہگار نہ ہوگا۔ فقط

اور ’’بہشتی زیور‘‘ میں لکھا ہے کہ: اگر دو چار برس تاخیر کر کے حج کرلیا تو ادا ہو گیا، لیکن گنہگار رہوگا۔ (بہشتی زیور ص۱۵ ج ۳/ حج کا بیان)

بظاہر دونوں میں تعارض ہے تو کیا جواب ہوگا؟ امید ہے کہ وضاحت فرمائیں گے۔

الجواب:......’’فتاوی رحیمیہ‘‘ میں جو لکھا گیا ہے اس کی تائید ’’شامی‘‘ کی عبارت سے ہوتی ہے، عبارت یہ ہے، درمختار میں ہے: ’’ولذا اجمعوا انه لو تراخی کان اداء‘‘۔

’’شامی‘‘ میں ہے:

’’قوله (کان اداءً) أی ویسقط عنه الاثم اتفاقا ' کما فی البحر قیل المراد أثم تفویت الحج لا اثم التاخیر ' قلت : لا یخفی ما فیه بل الظاهر ان الصواب اثم التاخیر اذ بعد الاداء لا تفویت ' وفی فتح القدیر : ویاثم بالتاخیر عن اول سنی

الامکان فلو حج بعدہ ارتفع الاثم ۱۵، وفی القهستانی : فیأثم عند الشیخین بالتاخیر الی غیرہ بلا عذر الا اذا ادی ولو فی آخر عمرہ فانه رافع للاثم بلا خلاف‘‘۔

(شامی ص ۱۹۲ ج ۲/ کتاب الحج)

گناہ ساقط ہو جاتا ہے، مگر اس کے بھروسہ پر تاخیر کرنا عقل مندی اور دانشمندی نہیں ہے، اور اس کا یہ عمل قابل مذمت ہے، موت کا کوئی وقت معین نہیں، آئندہ سال تک زندہ رہے گا کیا اس کا یقین ہے؟ یا ممکن ہے کہ ایسی کوئی بیماری آجائے جس کی وجہ سے حج پر قدرت نہ رہے، یا مال ہلاک ہو جائے، یہ سب چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہیں، اس لئے بلا عذر شرعی تاخیر کرنا قابل مذمت ہے، اور اگر حج فوت ہو گیا تو بالاتفاق گنہگار ہو گا۔

’’غایۃ الاوطار‘‘ میں ہے: حج ایک بار فی الفور فرض ہے، پہلے سال میں نزدیک ابو یوسف اور امام مالک اور امام احمد کے اور امام اعظم رحمہم اللہ کی اصح روایت میں، اس واسطے کہ احتیاط یہی ہے کہ اول سال امکان میں ادائے حج ہو، کیونکہ سال بھر میں حج کا ایک وقت معین ہے، اور موت کا کوئی وقت معین نہیں تو باوجود قدرت کے تاخیر کرنا گویا معدوم کرنا ہے، ابو یوسف رحمہ اللہ کی وہ حدیث دلیل ہے جو امام احمد اور ابن ماجہ اور بیہقی رحمہم اللہ نے روایت کی کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ: جو حج کا ارادہ کرے اس کو جلدی کرنا لازم ہے، اس واسطے کہ گاہے آدمی بیمار ہوتا ہے، اور راحلہ گم ہو جاتا ہے، اور کوئی حاجت ضروری پیش آجاتی ہے، کذا فی العینی شرح الکنز۔

(غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ص ۵۴۸ ج ۱/ کتاب الحج)

حلال ہونے کے لئے محرم کا اپنے بال یا دوسرے محرم کے بال کاٹنا

سوال:...... محترم المقام حضرت مولانا مفتی صاحب دامت برکاتہم، بعد سلام مسنون مزاج

اقدس بخیر ہوگا، احقر ''فتاوی رحیمیہ'' سے خوب استفادہ کرتا ہے، جزاکم اللہ عنی وعن سائر الامۃ، آمین۔

حضرت والا! ''فتاوی رحیمیہ'' جلد سوم میں ایک فتوی ہے:

سوال:...... حاجی متمتع قربانی ذبح کرنے کے بعد اپنا سر حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کے بال مونڈ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:...... ہاں حاجی متمتع قربانی ذبح کرنے کے بعد اپنا حلق کرا سکتا ہے (سر مونڈ وا سکتا ہے)، اسی طرح اپنا حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کے بال کاٹ سکتا ہے، واللہ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۱۱۴: ۱۱۵ ج ۳)

آپ نے اس پر کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی، اگر کوئی دلیل ہو تو تحریر فرمائیں، بندہ کا ناقص خیال یہ ہے کہ اپنا سر حلق کرانے اور حلال ہونے سے پہلے دوسرے کا سر حلق کرنا صحیح نہ ہو، یہ تو بظاہر محظورات احرام کا ارتکاب کرنا ہے، امید ہے کہ جواب بالصواب مرحمت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

الجواب:...... محترمی ومکرمی! بارک اللہ فی علمکم، بعد سلام مسنون، عافیت طرفین مطلوب ہے، آپ توجہ اور شوق سے ''فتاوی رحیمیہ'' کا مطالعہ کرتے ہیں، اس قدر دانی کا صمیم قلب سے شکریہ۔ آپ نے ''فتاوی رحیمیہ'' کے جس جواب پر اشکال پیش فرمایا ہے، وہ اشکال صحیح نہیں ہے، الحمدللہ ''فتاوی رحیمیہ'' کا جواب صحیح ہے۔ حاجی متمتع ہو یا قارن یا مفرد جب وہ حلق سے پہلے کے تمام ارکان ادا کر چکا ہو، اور سر منڈا کر حلال ہونے کا وقت آ گیا ہو، اسی طرح دوسرا محرم بھی تمام ارکان ادا کر چکا ہو تو اب خود اپنے بال کاٹنا یا دوسرے کے بال کاٹنا اس کے حق میں محظورات احرام سے نہیں ہے، لہذا یہ محرم خود اپنا بھی حلق کر سکتا ہے اور اپنا

حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کے بال بھی کاٹ سکتا ہے۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

''بخاری شریف'' میں ہے:'' فلما رأوا ذالک قاموا فنحروا و جعل بعضهم يحلق بعضا حتى كاد بعضهم يقتل بعضاً غماً ، الخ''۔

(بخاری ص ۳۸۰ ج ۱، كتاب الشروط ، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب و كتابة الشروط مع الناس بالقول)

حدیث کے اس ٹکڑے کا تعلق صلح حدیبیہ کے واقعہ سے ہے، جب صلح مکمل ہوگئی اور آپ ﷺ نے قربانی کی اور حلق کیا تو آپ کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی قربانی کی اور ایک دوسرے کا حلق کیا باوجودیکہ وہ محرم تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کرنے کے بعد محرم ایک دوسرے کا حلق کر سکتے ہیں۔

مسائل حج سے متعلق مشہور کتاب ''غنیۃ الناسک'' میں ہے:

''ولو حلق رأسه أو رأس غيره من حلال أو محرم جاز له الحلق ولم يلزمهما شيء''۔ (غنیۃ المناسک ص ۹۳ / فصل في الحلق)

''فتاوی اسعدیہ'' میں ہے:

السوال: ......في المحرم في اوان التحلل هل له ان يحلل غيره قبل ان يحلق رأس نفسه ام لا ؟ أفتونا۔

الجواب: ......نعم له ذلك على الصحيح كما ذكره شيخنا في شرحه على منسك ملتقى الابحر، والله اعلم۔ (فتاوی اسعدیہ ص ۲۱ ج ۱ / كتاب الحج)

''معلم الحجاج'' میں ہے:

مسئلہ: ......حلال ہونے کے وقت محرم کو اپنا یا کسی دوسرے شخص کا خواہ محرم ہو سر مونڈنا یا کترنا

جائز ہے، اس سے جزا واجب نہ ہوگی۔ (معلم الحجاج ص۱۹۲ ر حلق وقصر یعنی بال مونڈانا یا کتروانا)

''زبدۃ المناسک'' میں ہے:

مسئلہ:...... کسی محرم کے ہاتھ سے حلق نہ کرائے، پس اگر محرم سے حلق کرایا تو دیکھنا چاہئے کہ وہ محرم اگر ایسا ہے کہ جو کام حلق سے پہلے کرنے تھے وہ کر چکا ہے، باقی فقط حلق ہی رہتا ہے، اور یہ حلق کرانے والا بھی ایسا ہی ہے یعنی دونوں ایسے ہیں کہ اب ان کو کوئی ایسا کام نہیں جو حلق سے پہلے کرنا ہو، اب فقط حلق ہی کرنا ہے، یا اصل میں حلال ہے یا مفرد بالحج ہے، اور رمی کر چکا ہو، تو اب یہ اپنے حلال ہونے سے پہلے دوسرے کا حلق کرے تو جائز ہے، اور دونوں پر کچھ چیز لازم نہ ہوگی، کیونکہ اب یہ حلق کرنا ان کو مباح ہے۔ (غنیۃ، حیات)

لیکن حلق سے پہلے لبیں و ناخن نہ لے ورنہ جزا لازم ہوگی۔

مسئلہ: ۲...... اور اگر دونوں محرم ایسے ہیں کہ ان کو حلق سے پہلے جو کام کرنے تھے وہ باقی ہیں تو اگر ایک دوسرے کا حلق کریں گے تو مونڈنے والے پر صدقہ اور مونڈانے والے پر دم لازم ہوگا۔ (''حیات القلوب'' از: ''منیۃ الناسک'' علامہ ابن الضیاء حنفی، اور شرح اللباب)

اور ''غنیۃ الناسک'' میں بھی ایسا ہی ہے، اور ''بخاری شریف'' میں ''باب الجهاد'' میں صلح حدیبیہ کے احصار میں یہ حدیث صریح اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے جن کو حلق سے پہلے جو کام کرنے تھے کر چکے تھے، تو دوسرے کا حلق کر سکتے ہیں ''وجعل بعضهم یحلق بعضاً، الخ''۔ (ناقل) (زبدۃ المناسک ص ۱۷۶: ۱۷۷ ج ار حلق کرنے کا بیان)

منیٰ میں اسلامی بینک کے توسط سے جانور ذبح کرانا اور ترتیب کے سقوط پر حضرت کی رائے گرامی

سوال:...... فتاوی رحیمیہ (ص۱۲۰ ج ۹) میں منیٰ میں حجاج کرام کا اسلامی بینک کے توسط

سے قربانی کرانے کے متعلق آپ کا جو فتویٰ شائع ہوا ہے، وہ بغور پڑھا، آپ سے اس فتوی پر مزید غور وفکر کی درخواست ہے۔

آج کل حجاج کی کثرت اور بے پناہ ہجوم کی بنا پر حنفی فقہاء میں سے صاحبین (مع ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ) کے قول پر سقوط ترتیب بین الرمی والنحر والحلق کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

حال ہی میں شیخ الہند ہال دیوبند میں ''المباحث الفقہیہ'' کے تحت ہونے والے اجتماع میں بھی اس مسئلہ پر غور ہوا، اس میں بضرورۃ مبتلیٰ بہ کو صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش کی تجویز منظور ہوئی ہے، اس کا متن ملاحظہ فرمائیں:

تجویز۳:...... رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب: متمتع اور قارن کے لئے ذبح اور حلق کے درمیان امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر جو مفتی بہ ہے، ترتیب لازم ہے، اس کے ترک سے دم واجب ہوتا ہے، جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے، اس کے ترک پر دم واجب نہیں ہے۔

آج کل حجاج ازدحام یا پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

(تجاویز: چھٹا فقہی اجتماع، ادارۃ المباحث الفقہیہ، جمعیۃ علمائے ہند: ۱۶:۱۷:۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ مطابق: ۲۶:۲۷:۲۸/ مارچ ۱۹۹۷ء۔ بمقام شیخ الہند ہال دیوبند)

امید ہے کہ حضرت والا اس مسئلہ پر مکرر غور فرما کر کوئی واضح فتوی صادر فرمائیں گے، سمع خراشی کے لئے معذرت خواہ ہوں، والسلام۔

(مولانا) برہان الدین (صاحب...... لکھنؤ)

الجواب:.......آنجناب نے اپنے: ۴؍صفر المظفر ۱۴۱۸ھ کے مکتوب گرامی میں ’’ترتیب بین الرمی والنحر والحلق‘‘ پر مزید غور فکر کرنے کے لئے تحریر فرمایا ہے، چنانچہ غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔

آج کل بے پناہ ہجوم اور دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر سقوط ترتیب کے متعلق آپ کا اور دیوبند کے فقہی اجتماع کا فیصلہ غلط تو نہیں ہے، مگر یہ عام فتوی نہیں ہوسکتا، معذورین کے لئے مخصوص ہونا چاہیے، استطاعت ہوتے ہوئے دم دینے میں احتیاط ہے،

’’الا انه عليه الصلوٰة والسلام عذرهم للجهل ، وامرهم ان يتعلموا مناسكهم وانما عذرهم با لجهل لان الحال كان اذ ذاک فی ابتداء ه واذا احتمل كلاً منهما فالاحتياط اعتبار التعين ' والاخذ به واجب فی مقام الاضطراب فيتم الوجه لابی حنيفة ، ويؤيده ما نقل عن ابن مسعود رضی الله عنه : من قدم نسكا علی نسک فعليه دم ، بل هو دليل مستقل عندنا ، وفی بعض النسخ ابن عباس وهو الاعرف رواه ابن ابی شيبة عنه ولفظه : من قدم شيئاً من حجه أو اخره فليهرق دماً ، وفی سنده ابراهيم بن مهاجر مضعف ، واخرجه الطحاوی بطريق آخر ليس ذلک المضعف ، حدثنا ابن مرزوق حدثنا الخصيب حدثنا وهيب عن ايوب عن سعيد بن جبير عن ابن عباس مثله ، قال : فهذا ابن عباس احد من روی عنه عليه الصلوة والسلام : افعل ولا حرج ، لم يكن ذلک عنده علی الاباحة بل علی ان الذی فعلوه كان علی الجهل با لحكم فعذرهم و امرهم ان يتعلموا مناسكهم ، الخ‘‘۔

(فتح القدیر مع الکفایہ ص ۶۲ / ۶۳ ج ۳)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک نہایت قوی ہے، رمی اور نحر ج کے عظیم مناسک میں سے

ہے، لہذا ان کو ان کی شایان شان طریقہ کے مطابق ادا کرنا چاہئے، اور ان کے لئے شایان شان طریقہ یہی ہے کہ حاجی کو اس بات کا یقین ہو کہ اس نے یہ مناسک حالات احرام میں ادا کئے ہیں، ترتیب ملحوظ نہ رکھنے اور اسلامی بینک کے ذریعہ قربانی کرانے میں اس پر عمل نہ ہو سکے گا، اور بڑی فضیلت سے محرومی ہوگی، اور اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت: "من قدم نسکاً علی نسک" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت: "من قدم شیئاً من حجه أو اخر فلیهرق دماً" سے بھی ہوتی ہے۔ حج عمر بھر میں ایک مرتبہ ادا کیا جاتا ہے، اس لئے اس طرح ادا ہونا چاہئے جو اس کا حق ہے، لہذا نوجوان صحت مند اور باہمت لوگ مفتی بہ قول پر ہی عمل کرنے کی کوشش کریں، اور جو حضرات ضعیف، کمزور اور معذور ہوں اور وہ لوگ ہجوم اور اپنی معذوری کی وجہ سے مفتی بہ قول پر عمل کرنے سے قاصر ہوں تو ایسے ضعیف اور معذور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کر لیں تو اس کی گنجائش ہے، اور حکومت، معلمین، منتظمین اور پولیس کے ذریعہ اس کا انتظام کرے، اور بڑے پیمانے پر اسکی تشہیر بھی کرے کہ ضعفاء اور کمزور و معذور حضرات پیچھے رہیں اور نوجوان اور باہمت لوگوں کو حکومت کی جانب سے ایسا نشان دیا جائے کہ وہ بلا تکلف حج کے مناسک بالترتیب ادا کرسکیں، اور ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے از خود قابل اعتماد طریقہ پر قربانی کا انتظام کریں، ضعفاء اور معذورین ان کے لئے آڑ اور رکاوٹ نہ بنیں، بلکہ ان کے آگے بڑھنے میں ان کا تعاون کریں، پولیس بھی ان کی مدد کرے، اور ان کے لئے سہولتیں مہیا کرے۔

"رسائل الارکان" میں ہے:

"ثم الترتیب بین الرمی والذبح والحلق واجب عند الامام ابی حنیفة، لان

الـرمـی مـن المناسک وکذا الذبح فیکونان قبل الخروج من الاحرام ‘ فیجب عند فـوات التـرتیـب الـمـذکـور الـدم عـنـده ‘ وقـال الامام ابو یوسف والامام محمد : التـرتیـب سـنة ولا یـجب بفواته شئ ، وهذا اشبه بالصواب ‘ لما روی الشیخان عن ابـن عبـاس ان النبی صلی الله علیه وسلم قیل له فی الذبح والحلق والرمی والتقدیم والتـاخیـر ‘ فـقال : لا حرج ، وقد روی الشیخان عن عبد الله بن عمر و بن العاص : ان رسـول الـلـه صـلـی الـله علیه وسلم وقف فی حجة الوداع بمنی للناس یسئلونه فـجاء رجل فقال لم اشعر فنحرت قبل ان ارمی ، فقال ارم ولا حرج ، فما سئل النبی صلی الله علیه وسلم یومئذ عن شئ قدم ولا اخر الا قال افعل ولا حرج ، والله اعلم با لصواب ۔(رسائل الارکان ص ۲۵۵/الرسالة الرابعة فی الحج بیان الذبح والحلق)

”ہدایہ اولین“ میں ہے:”وکذا الخلاف فی تاخیر الرمی وفی تقدیم نسک علی نسک کـالـحـلق قبل الرمی ونحر القارن قبل الرمی والحلق قبل الذبح ‘ لهما ان ما فـات مستـدرک بـالـقـضاء ولا یجب مع القضاء شئ اخر ، وله حدیث ابن مسعود رضی الله عنه انه قال : من قدم نسکاً علی نسک فعلیه دم ‘ لان التاخیر عن المکان یـوجـب الـدم فی ما هو موقت با لمکان کالاحرام فکذا التاخیر عن الزمان فی ما هو موقت بالزمان“۔(هدایہ)

”فتح القدیر“ میں ہے:

”(قـولـه لهما ان ما فات مستدرک بالقضاء ، الخ) ولهما ایضاً من المنقول ما فـی الـصـحـیـحـیـن : انـه علیه الصلوة والسلام وقف فی حجة الوداع فقال رجل : یا رسـول الـلـه ! لـم اشعر فحلقت قبل ان اذبح ، قال : اذبح و لا حرج و، قال اخر : یا

رسول الله ! لم اشعر فنحرت قبل ان ارمی ، قال : ارم ولا حرج ، فما سئل عن شئ قدم ولا اخر الا قال : افعل ولا حرج ، والجواب ان نفی الحرج یتحقق بنفی الاثم والفساد فیحمل علیه دون نفی الجزاء ' فان فی قول القائل لم اشعر ففعلت ما یفید انه ظهر له بعد فعله انه ممنوع من ذالک فلذا قدم اعتذاره علی سواله والا لم یسئل او لم یعتذر لکن قد یقال یحتمل ان الذی ظهر له مخالفة ترتیبه لترتیب رسول الله صلی الله علیه وسلم ، فظن ان ذلک الترتیب متعین فقدم ذلک الاعتذار وسئل عما یلزمه به فبین علیه الصلوة والسلام فی الجواب عدم تعیینه علیه بنفی الحرج وان ذلک الترتیب مسنون لا واجب ، والحق انه یحتمل ان یکون کذالک وان یکون الذی ظهر له کان هو الواقع''۔

اس طرح عمل کرنے میں دونوں طبقہ والوں کے لئے سہولتیں پیدا ہو جائیں گی، اگر اس پر عمل نہیں کیا گیا تو مفتی بہ قول ہمیشہ کے لئے متروک العمل ہو جائے گا، اور ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت کا ترک لازم آئے گا۔ (صاحبین رحمہما اللہ کا جو استدلال ہے صاحب فتح القدیر نے اس کا جواب دیا ہے، ملاحظہ فرما لیا جائے) اور معاندین کے لئے لوگوں کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور فقہ سے بدظن کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے گا، جس کے لئے وہ ہمیشہ کمربستہ رہتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:......اگر یہ کہا جائے کہ حجاج اپنے طور پر قربانی کرتے ہیں تو ہزاروں جانوروں کا گوشت ضائع ہو جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کی ناقدری ہے، اس کے برعکس اگر دوسرے قول پر عمل کر لیا جائے (جس میں ترتیب واجب نہیں) تو اس عظیم نعمت کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکتا ہے، ایک لقمہ گر جانے پر اس کو اٹھا کر کھا لینے کی، اسی طرح کھانے

کے برتن کو صاف کرنے کی ہدایت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام موجود ہے، تو جب ایک لقمہ کی اتنی اہمیت ہے تو ہزاروں مذبوحہ جانوروں کی کتنی اہمیت ہوگی؟

تو جواباً عرض ہے کہ: حجاج کرام قربانی کرنے کے بعد خدانخواستہ اپنے مسافرانہ حالت کی وجہ سے گوشت کا صحیح انتظام نہ کرسکیں تو اسے نعمت کی ناقدری نہیں کہا جاسکتا، اور نہ نعمت کی ناقدری مقصود ہے، لقمہ گر جانے پر قدرت کے باوجود نہ اٹھانا، اسی طرح برتن صاف نہ کرنا نعمت کی ناقدری ہی ہے، صورت مسئولہ میں حاجی کا مقصد اپنی ایک اہم عبادت غیر مشتبہ طور پر ادا کرنا ہے، اس کے بعد اگر وہ خدانخواستہ گوشت کا صحیح انتظام نہ کر سکے تو وہ معذور شمار ہوگا، اسے ناقدرا نہیں کہا جائے گا ''انما الاعمال با لنیات '' یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ قربانی اراقۃ دم کا نام ہے، اور اراقۃ دم ہی سے عبادت ادا ہو جاتی ہے، اور حجاج کرام صحیح طور پر عبادت ادا کرنے کے مکلّف ہیں، اس کے بعد گوشت کا انتظام کرنا حجاج کرام (جو عموماً مسافر ہوتے ہیں اور شریعت میں مسافر کے لئے بہت ساری رخصتیں ہیں) کی ذمہ داری نہیں، یہ انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے، حجاج کرام بمنزلہ مہمان اور حکومت بمنزلہ میزبان کے ہے، مہمان کی ضروریات کا انتظام کرنا میزبان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حکومت اس کے انتظام سے قاصر ہے تو یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی جو حکومت ایک شب و روز میں ہزاروں خیموں کا انتظام کرسکتی ہے (جیسا کہ امسال منیٰ میں آگ کے حادثہ میں ہوا) کیا وہ ان جانوروں کے گوشت کا انتظام نہیں کرسکتی؟

آزادانہ ذبح کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے جس کا خود احقر نے اپنے سفر حج میں مشاہدہ کیا، مقامی غرباء (حبشی وغیرہ) پہاڑ پر بیٹھے رہتے ہیں، اور جب کوئی حاجی قربانی کرتا ہے وہ غرباء فوراً دوڑ کر پورا جانور یا بقدر ضرورت لیجاتے ہیں، اگر تمام ہی لوگ حکومت کے زیر

نگرانی مذبح میں قربانی کرانے لگیں تو ان غرباء کا کیا ہوگا؟ وہ بیچارے محروم رہیں گے۔

(فتاوی رحیمیہ ص ۱۸۴ تا ۱۹۰ ج ۱۰)

بیوی کے شوہر کی لڑکی سے نکاح کے فتوی پر اشکال کا جواب

سوال:...... حامد نامی آدمی نے ایک ایسی عورت سے شادی کی جو اپنے ساتھ اگلے شوہر سے اپنی لڑکی لائی تھی، کچھ مدت کے بعد حامد نے اپنی عورت کو طلاق دیدی اور اس لڑکی سے تعلق قائم کرلیا، اور اس سے ایک بچہ بھی ہوا ہے، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حامد اس لڑکی کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی ماں اس کی مدخولہ ہے: ﴿ و ربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھنّ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ رشتۂ زوجیت قائم نہیں رکھ سکتا، اور ''فتاوی رحیمیہ'' جلد ثانی (کے ص ۱۰۸) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کو جمع کرسکتا ہے، جو بظاہر قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے اس کا جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب:...... ''فتاوی رحیمیہ'' (ص ۱۰۸ ج ۲) کے سوال وجواب کی عبارت یہ ہے:

سوال:...... ایک آدمی اپنی عورت کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟

الجواب:...... کرسکتا ہے۔ (شرح وقایہ ص ۱۵ ج ۲)

''شرح وقایہ'' کی عبارت یہ ہے: ''لا بین امرأۃ و بنت زوجھا '' یعنی حرام نہیں ہے عورت کے ساتھ اس کے شوہر کی بیٹی کو جمع کرنا، اس لئے کہ یہ بیٹی اس عورت کی نہیں ہے، بلکہ اس کے اگلے شوہر کی بیٹی ہے دوسری بیوی سے، ان دونوں کو جمع کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ اپنی بیوی کی بیٹی جو پہلے شوہر سے ہے وہ حرام ہے، الغرض ''فتاوی رحیمیہ''

جلد دوم کی صورت جداگانہ ہے، آپ کی پیش کردہ صورت میں حامد کا اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے، نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، تفریق ضروری ہے ''عمدۃ الرعایۃ'' میں ہے:

''قولہ لا بین امرأۃ الخ ای لا یحرم الجمع بین امرأۃ و بنت زوجھا من زوجتہ الاخری''۔ (عمدۃ الرعایہ علیٰ شرح الوقایۃ ص۱۵ ج ۲۔ فتاوی رحیمیہ ص۲۶۲ ج ۵)

شوہر شیعہ بن جائے تو تفریق ضروری ہے یا نہیں؟

''فتاوی رحیمیہ'' ۵ (ص۲۵۳ ج ۵) میں ہے:

سوال: ...... بوقت نکاح شوہر اور بیوی دونوں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے تھے، مگر دو برس ہوئے شوہر شیعہ ہوگیا ہے، بیوی اپنے عقیدے پر قائم ہے، شوہر بیوی پر شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے، بیوی انکار کر رہی ہے، اس وجہ سے دونوں میں اختلاف شدت اختیار کر گیا ہے، جس کی بنا پر لڑکی اپنے میکے چلی آئی ہے، اور خاوند کے گھر جانے سے انکار کر رہی ہے، تو اس صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ لڑکی کو اس کے خاوند کے گھر بھیجا جائے یا کوئی اور صورت اختیار کی جائے؟

الجواب: ھو الموفق للصواب ...... شیعوں کے مختلف العقائد فرقے ہیں، بعض فرقوں کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں، اور باقی مبتدع اور گمراہ ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو'' فتاوی رحیمیہ'' ص۱۳۵ ج ۳۔ اہل سنت والجماعت کا مسلک چھوڑ کر شیعہ مسلک اختیار کرنے والا مردود ہے، اس نے مسلک حق کی توہین کی ہے، اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، لہٰذا جب تک تائب ہو کر مسلک حق اختیار نہ کرے عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے پاس رہے، عورت کو چاہئے کہ مسلم پنچایت میں اپنا مقدمہ دائر کرے، اور تفریق کا مطالبہ کرے، تحقیقات کے بعد جو شرعی فیصلہ ملے اس کے مطابق عمل کرے۔

حضرت اقدس کے اس جواب پر ایک صاحب نے درج ذیل اشکال کیا:

سوال:......زوجین سنی تھے، کچھ عرصہ کے بعد شوہر شیعہ بن گیا، اور اس نے اپنے گمراہ پیر کو سجدہ کیا، اور اس کو بولتا قرآن سمجھنے لگا، اور قرآن مجید کو گونگا قرآن کہنے لگا، اور بیوی سنیہ ہے، تو کیا ان کا نکاح فسخ ہو گیا؟ اگر فسخ ہو گیا تو وہ عورت دوسری جگہ شادی کرنے کے لئے متارکت زوج یا تفریق امارت شرعیہ کی محتاج ہے یا نہیں؟ ''الدر المختار'' کی عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء قاضی کی ضرورت نہیں ہے: ''وارتداد احد الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء''۔ (شامی ص۳۹۲ ج۲)

لیکن ''فتاوی رحیمیہ'' ص۲۵۳ ج۵ / سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ براہ کرم تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

اس اشکال کا حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ:

الجواب:......شیعوں میں مختلف العقائد فرقے ہیں، جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) خدا سمجھتے ہیں اور خدا تعالی کے ساتھ قدرت وغیرہ میں شریک مانتے ہیں، جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت محمد ﷺ کو پہنچائی، اور جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر (معاذ اللہ) زنا کی تہمت لگاتے ہیں، اور جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرتے ہیں وغیر ذلک کفریہ عقیدہ رکھنے والوں کو فقہائے کرام نے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے: ''نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله تعالی عنها ' أو انکر صحبة الصدیق رضی الله عنه ' أو اعتقد الالوهیة فی علی رضی الله عنه ' أو ان جبریل غلط فی الوحی ' أو نحوذلک من الکفر الصریح المخالف

للقرآن''۔(شامی ص ۴۰۶ ج ۳۔فتاوی عالمگیری ص ۲۶۴ ج ۲)

اور جن کے عقیدے حد کفر تک نہیں پہنچے وہ مبتدع اور گمراہ ہیں۔(فتاویٰ رحیمیہ ۱۳۵/۳)

''فتاوی رحیمیہ'' (ص ۲۵۳ ج ۵) کے جس فتوی کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس کے سوال میں شوہر کے صرف شیعہ ہونے کا تذکرہ ہے، اس کے ایسے کوئی عقیدہ یا قول اور فعل کا تذکرہ نہیں جو موجب کفر ہو، اس لئے احتیاطاً نکاح فسخ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا گیا، اور یہ لکھا گیا کہ عورت اپنا معاملہ مسلم پنچایت میں داخل کرے، مسلم پنچایت کے اراکین شیعہ شوہر کے عقائد کی تحقیق کر کے فیصلہ کرے، اور عورت کو اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا، مگر چند سال قبل خمینی کی کتابیں اور اس کا لٹریچر سامنے آیا، جس سے شیعوں اور خاص کر اثنا عشریہ کے عقائد کھل کر سامنے آئے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم کی تحریک پر یہ مسئلہ اٹھا اور علمائے کرام نے متفقہ طور پر ان کے کفر کا فیصلہ کیا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم نے الفرقان کی خصوصی اشاعت اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء مطابق صفر المظفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ میں اسے شائع کیا، جس کا نام ''خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ'' ہے، جس میں احقر کے بھی تصدیقی دستخط ہیں، لہذا اب اگر کوئی شخص شیعہ بنے گا تو اسے مرتد قرار دے کر فسخ نکاح کا حکم لگایا جائے گا۔

''الحیلۃ الناجزۃ'' میں ہے: اگر کسی عورت کا خاوند معاذ اللہ اسلام سے، پھر جائے اور مرتد ہو جائے تو باجماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، قضائے قاضی اور حکم حاکم کی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ ارتداد شوہر اگر خلوت صحیحہ سے قبل ہوا ہے تو نصف مہر خاوند کے ذمہ ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب ہے، نیز اس مرتد پر عدت کا نفقہ بھی لازم ہے:

''لما فی الدر المختار : (وارتداد احدهما) أی الزوجین (فسخ) فلا ینقض عدداً (عاجل) بلا قضاء فللموطوئة ولو حکماً کل مهرها ' لتاکده به ولغیرها نصفه لو سمی أوالمتعه لو ارتد وعلیه نفقة العدة ، وفی رد المحتار : قوله (بلا قضاء) أی بلا توقف علی قضاء القاضی ' وکذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بها ، کما فی البحر''۔(شامی،ص ۴۲۵ ج ۳/باب نکاح الکافر۔الحیلۃ الناجزۃ ص ۹۲/۹۳)

تین طلاق سے حکم حرمت ثابت ہوتا ہے؟

سوال:......''انڈین نیوز''۱۹/اکتوبر ۱۹۶۰ء کے شمارہ میں جناب اسماعیل اعظم عابد نے آپ کے ایک فتوی پر تنقید کی ہے۔فتویٰ اور تنقید دونوں عرض خدمت ہے، ملاحظہ فرما کر خلاصہ درج فرمائیں؟

فتوی:......اپنے حنفی مذہب میں اجتماعاً ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا بدعت اور حرام ہے، (چند حدیثیں نقل کرنے کے بعد تحریر ہے:) مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ طلاق ہوجاتی ہے۔

تبصرہ وتنقید:......ہم جیسے جہلاء وعوام کی سمجھ میں یہ بات غیر قانونی ہے کہ ایک کام جس میں خدا کی نافرمانی ہوتی ہے، جس میں کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کی ناراضگی پائی جاتی ہے، اور جس کام کو خود حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ حرام کہتے ہیں، باوجود ان کے وہ جائز ہے، اور طلاق ہوجاتی ہے، یہ کس طرح ممکن ہے؟ قرآن حکیم میں شراب نوشی، سود لینا یہ بھی حرام ہے، لیکن آج تک کسی عالم نے ایسا نہیں بتلایا کہ یہ سب کام حرام ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، لیکن جائز ہے، تو پھر طلاق کی بابت کیوں جواز کا حکم صادر کرتے ہیں؟۔

الجواب:...... بے شک حنفی مذہب میں ایک ساتھ تین طلاقیں دینا بدعت اور حرام ہے:
''الطلاق ثلا ثا مجتمعا بدعة حرام''۔(تفسیر مظہری ص۳۰۲ ج ۱)

الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو ان کے احکام میں تفصیل ہے، مگر اس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی، اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی''شامی'' میں ہے:''وذهب جمهور الصحابة و التابعين ومن بعدهم من الائمة المسلمين الى انه يقع ثلا ثا''۔(ص۵۷۶ ج ۱)

(۱)......حدیث میں ہے کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: اگر میں تین طلاقیں دوں تو رجوع جائز ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: نہیں عورت تجھ سے علیحدہ ہو جائے گی، اور تو اپنے رب کا نافرمان ہوگا۔

(تفسیر مظہری ص۳۰۱ ج ۱)

(۲)......عن عبادة بن الصامت : ان اباه طلق امرأة له الف تطليقة ' فانطلق عبادة فسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال : با نت بثلث فى معصية الله۔

(شرح النقایہ ص۲۸ ج ۲)

یعنی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے والد نے اپنی عورت کو ہزار طلاق دیں، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: خدا کی نافرمانی بھی ہوئی، ساتھ ساتھ تین طلاقیں بھی پڑ گئیں۔

(حوالہ مذکور۔ نیز''زجاجۃ المصابیح''ص۴۷۰ ج ۲)

(۳)......عن مجاهد قال : كنت عند ابن عباس ' فجاء ه رجل فقال : انه طلق امرأته ثلا ثا قال : فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ' ثم قال : ينطلق احدكم فيركب

الحموقة ثم يقول : يا ابن عباس ، وان الله قال : ﴿ ومن يتق الله يجعل له مخرجا ﴾ وانک لم تتق الله ' فلا اجد لک مخرجا ' عصيت ربک ' وبانت منک امرأتک، الخ ۔(ابوداؤد شریف ص ۳۰۶ ج ۱)

(۴)......حدیث میں ہے کہ: ایک آدمی نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دیں، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پاس حکم پوچھنے کے لئے آیا، آپ نے فرمایا: تو اپنے رب کا نافرمان ہوا، اور تجھ سے تیری عورت جدا ہوگئی۔ (طحاوی شریف)

(۵)......''مؤطا امام مالک'' میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ (ص ۱۹۹)

تین طلاقیں ہوئی اس پر اجماع صحابہ ہے۔ (شرح معانی الآثار ص ۳۲ ج ۲)

(۶)......''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: ''فان فعل وقع الطلاق وكان عاصيا'' یعنی یہ طلاق بالاجماع واقع ہوجاتی ہے، اور طلاق دینے والا گنہگار رہتا ہے۔ (ص ۳۴۹ ج ۱)

(فتاوی خیریہ ص ۳۶ ج ۱)

یہ تنقید وتبصرہ کرنے والے صاحب جب عالم نہیں، قرآن وحدیث اور فقہ واصول فقہ، تفسیر وحدیث وغیرہ علوم انہوں نے نہیں پڑھے، نہ ان علوم سے ان کو مس ہے، تو ان کو دینی احکام میں اور ایسے نازک مسائل میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ ایسے لوگوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: آجکل کے تعلیم یافتہ ایسے متکبر ہوتے ہیں کہ انگریزی پڑھ کر اپنے کو دین کا بھی محقق سمجھتے ہیں، احکام شرعیہ میں رائے دیتے ہیں، مولویوں کی تو ہستی کیا ہے؟ رسول کی بات بھی رد کردیتے ہیں۔ (محاسن اسلام ص ۴۹)

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وانما حق العوام ان یومنوا و یسلموا ویشغلوا بعبادتھم و معایشھم و یترکوا العلم للعلماء، فا لعامی لوزنی وسرق کان خیرا له من ان یتکلم فی العلم، فانه من تکلم فی الله وفی دینه من غیر اتقان العلم وقع فی الکفر من حیث لا یدری، کمن یرکب لجة البحر وھو لا یعرف السباحة''۔(احیاء العلوم ص۳۴ ج ۳)

یعنی عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لاکر اپنی عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں، علم کی باتوں میں مداخلت نہ کریں، اس کو علماء کے حوالہ کردیں، عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا زنا اور چوری سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے، کیونکہ وہ شخص جو دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہیں رکھتا، وہ اگر اللہ تعالی اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اس کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ جو اس نے سمجھا ہے وہ کفر ہے، اس کی مثال اس شخص کی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو اور سمندر میں اپنی ناؤ (کشتی) ڈال دے۔

عام مسلمانوں کو شرعی حکم معلوم کرکے ان پر عمل کرنا ضروری ہے، باریکیوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا کہ: یا رسول اللہ! آپ مجھے علمی دقائق بتلائیے، آپ ﷺ نے چند سوالات کئے:

(۱)......تو خدا کی معرفت حاصل کرچکا؟

(۲)......تو نے اللہ کے کتنے حقوق ادا کئے؟

(۳)...... تجھے موت کا علم ہے؟

(۴)......تو موت کی تیاری کر چکا؟ آخر میں آپ نے فرمایا: تو جا! اولاً بنیاد مضبوط کر پھر آ، تو میں تجھ کو علمی حقائق سے باخبر کروں۔ (جامع بیان العلم ص ۱۳۳)

غرض علمی باتوں میں مداخلت عوام کا کام نہیں ہے، جہاں تک صورت مسئولہ کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ یہاں تنقید کی بنیاد ہی غلط ہے، فتوے میں ''جائز ہے'' کا لفظ نہیں ہے، غور فرمائیں، ایک ساتھ تین طلاقیں دیدینے کو میں نے جائز نہیں لکھا، تنقید کرنے والے صاحب نے لفظ جائز اپنی طرف سے بڑھایا ہے، اور یہ اضافہ کر کے غلط طریق سے شراب وسود کی مثال دی ہے، یہ مثال یہاں بے محل و بے موقع اور نامناسب ہے، میں نے تین طلاق اجتماعاً کو ناجائز اور گناہ کا کام تحریر کیا ہے، میرے الفاظ یہ ہیں:

''مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اجتماعا تین طلاق دینا قرآن کریم کے ساتھ مذاق کرنے کے برابر ہے، نیز خدا کی اور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کا سبب ہے، لہذا ناجائز اور گناہ کا کام ہے، مگر طلاق ہو جاتی ہے''۔

طلاق ہونے کے دلائل اوپر لکھ چکا ہوں، اجماعاً تین طلاق ناجائز اور حرام ہونے کے باوجود واقع ہو جاتی ہے، اس میں کوئی تعجب نہیں ہے، چنانچہ:

(۱)......حالت حیض میں عورت کو طلاق دینا شرعاً منع ہے، گناہ کا کام ہے، لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (حدیث)

(۲)......ظہار (یعنی اپنی عورت کو ماں کی طرح اپنے اوپر حرام قرار دینا) شرعاً منع اور گناہ ہے، بعض علماء گناہ کبیرہ کہتے ہیں، قرآن میں ظہار کرنے کو ﴿منکراً من القول و زورا﴾ فرمایا ہے، مگر ظہار ہو جاتا ہے اور کفارۂ ظہار لازم آتا ہے۔ (قرآن کریم)

(۳)......حلالہ کے لئے شرط کر کے نکاح کرنا کرانا ناجائز اور موجب لعنت ہے، لیکن نکاح

صحیح ہے۔

(۴)......حالت حیض میں وطی حرام ہے، لیکن حلالہ کے لئے کافی ہوجاتی ہے۔

(۵)......حرام مال سے حج کرنا حرام ہے، لیکن حج ہوجاتا ہے (اگر چہ غیر مقبول ہے)۔

(۶)...... بدون خاوند و محرم کے عورت کو حج کے لئے جانا حرام ہے، لیکن حج ہوجاتا ہے۔

(۷)......حالت عدت میں عورت کو حج کے لئے جانا جائز نہیں گناہ ہے، تاہم حج ہوجاتا ہے۔

(۸)......مسافر کے لئے بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھنا ناجائز ہے گناہ ہے، لیکن نماز ہوجاتی ہے، (بشرطیکہ دوسری رکعت پر قعدہ کیا ہو) اگر چہ واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

(۹)......آب زمزم سے استنجاء کرنا مکروہ ہے، اور بعض کے نزدیک حرام ہے، لیکن استنجاء پاک ہوجاتا ہے۔

(۱۰)......مسجد میں غسل جنابت کرنا حرام ہے، لیکن غسل ہوجاتا ہے۔

(۱۱)......حالت نجاست میں قرآن پاک لکھنا حرام ہے، لیکن جو لکھا گیا وہ قرآن ہے، اس میں تلاوت موجب ثواب ہے، اور اس کی بے حرمتی حرام۔

(۱۲)......زنا حرام ہے، مگر اس حرام سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک تاثیر ہے، جب وہ بات عمل میں آتی ہے تو وہ اپنا اثر لامحالہ کرتی ہے، عمل صحیح طور سے ہوا ہو یا غلط طریقہ پر مثلاً عمداً قتل کرنا حرام ہے، مگر قتل لامحالہ ہوجاتا ہے۔

(۱۳)......زہر کھا کر مرنا حرام ہے، لیکن پھر بھی مرجاتا ہے۔

(۱۴)......اسی طرح ایک ساتھ تین طلاق دینا حرام ہے، لیکن طلاق واقع ہوجاتی ہے، یعنی

نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اور عورت مغلظہ ہو جاتی ہے، جو حلالہ کے بغیر دوبارہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، اب سمجھ میں نہ آئے تو قصور کس کا ہے؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ترجمہ:......اگر چمگاڈر کی آنکھ آفتاب کی روشنی نہ دیکھ سکے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور؟

جماعت خانہ میں لعاب دانی رکھنے: پر اشکال اور اس کا جواب

''فتاوی رحیمیہ'' (ص ۱۲۰ ج ٦) پر ایک فتویٰ ہے:

سوال:......ہماری مسجد میں لعاب دانی (تھوک دانی) رکھی جاتی ہے، اور نمازی اس کا استعمال کرتے ہیں، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:......لعاب دانی (اگالدان) صبح وشام وقتاً فوقتاً صاف کی جاتی ہو، بدبودار نہ رہتی ہو تو مسجد میں رکھ سکتے ہیں، ورنہ اجازت نہ ہوگی، مجبوری کے وقت ہی استعمال کی جائے، مجبوری نہ ہو تو باہر جا کر تھوکنا چاہئے، یا رومال میں تھوک لینا چاہئے۔

حضرت کے اس جواب پر ایک بزرگ اہل علم نے اشکال فرمایا، وہ اشکال اور حضرت والا کا تحقیقی اور تفصیلی جواب ملاحظہ فرمائیے:

سوال:......''فتاوی رحیمیہ'' ص ۱۲۰ ج ٦ ؍ پر جماعت خانہ میں لعاب دانی رکھنے کے متعلق آپ کا فتوی دیکھا، آپ نے بچند شرائط لعاب دانی رکھنے کی اجازت دی ہے، مگر تجربہ یہ ہے کہ جہاں جہاں اسے دیکھا گیا شرائط کی پابندی نہیں ہوتی، بعض جگہ کافی بدبو محسوس ہوئی، بعض اکابر اہل فتوی نے اس کو مطلقا منع کیا ہے، احقر کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اس پر غور فرمالیں، پھر جو رائے ہو مطلع کیجئے، بینوا توجروا۔

الجواب:......مسجد میں لعاب دانی (اگالدان) رکھنے کو مطلقا ممنوع قرار دینے میں تنگی لازم

آئے گی، اور نمازیوں کو سہولت سے محروم رکھنا ہوگا، ضرورۃ اس شرط کے ساتھ اجازت دینا مناسب ہوگا کہ اس میں پانی ریت یا مٹی ڈالی ہوئی ہو، اور صبح وشام اس کی صفائی کی جاتی ہو، اگر صفائی کا اہتمام نہ ہوسکے تو پھر اجازت نہ ہوگی۔ نزلہ زکام اور کھانسی کی بیماری میں انسان تھوکنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور اس کی ضرورت پیش آجاتی ہے، مجبوری کے وقت ہی استعمال کی جائے، اور صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے، حدیث میں ہے:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : اذا قام احدكم الى الصلوة فلا يبصق امامه ' فانما يناجی الله ما دام فی مصلاه ' ولا عن يمينه ' فان عن يمينه ملكا ' وليبصق عن يساره أو تحت قدمه فيدفنها ، وفی رواية ابی سعيد : تحت قدمه اليسری ، متفق عليه۔

(مشکوۃ شریف ص۶۹/باب المساجد و مواضع الصلوۃ)

ترجمہ:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے، اس لئے کہ جب تک وہ نماز میں ہے، اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اور نہ اپنی داہنی طرف تھوکے کہ اس کے داہنی طرف فرشتہ ہے، اور چاہئے کہ وہ اپنے بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے۔ (حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے) پھر اسے دفن کردے۔

''ترمذی شریف'' میں حدیث ہے:

حدثنا محمد بن بشار ...عن طارق بن عبد الله المحاربی قال : قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : اذا كنت فی الصلوة فلا تبزق عن يمينک ' ولكن خلفک

أو تلقاء شمالک أو تحت قدمک الیسری۔

ترجمہ:...... حضرت طارق بن عبداللہ محاربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جب تم نماز پڑھ رہے ہوتو اپنی داہنی طرف مت تھوکو (اور اگر ضرورت ہی پیش آجائے تو) اپنے پیچھے یا اپنے بائیں طرف یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکو۔(ترمذی شریف ص۷۴ ج۱، باب فی کراهیة البزاق فی المسجد ، ابواب السفر)

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت نماز کی حالت میں بھی تھوکا جا سکتا ہے، البتہ تھوکنے کے آداب بیان فرمائے، ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے تھوکنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مطلقا ممانعت نہیں ہے، اور یہ دونوں حدیثیں اپنے عموم کے اعتبار سے مسجد اور غیر مسجد دونوں کو شامل ہیں۔ دوسری حدیث کے متعلق تو ''الکوکب الدری'' میں صراحت ہے: ''وهذا الحدیث بعمومه شامل للمسجد وغیره فیظهر مناسبته للباب''۔ (الکوکب الدری ص۲۱۸ ج۱ رمطبوعہ سہارن پور)

مسجد میں تھوکنے سے اگالدان میں اور رومال میں تھوکنا اخف ہوگا، اس میں بھی صفائی کے التزام کے ساتھ مجبوری کی بھی قید لگی ہوئی ہے، ''فتاوی رحیمیہ'' جلد ششم کے جواب میں احقر نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے'' فتاوی رحیمیہ'' کا جواب بغور ملاحظہ فرمائیں:

الجواب:...... لعاب دانی (اگالدان) صبح وشام وقتاً فوقتاً صاف کی جاتی ہو، بدبودار نہ رہتی ہوتو مسجد میں رکھ سکتے ہیں، ورنہ اجازت نہ ہوگی، مجبوری کے وقت ہی استعمال کی جائے، مجبوری نہ ہوتو باہر جاکر تھوکنا چاہئے یا رومال میں تھوک لینا چاہئے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص۱۲۰ ج۶)

مذکورہ جواب ملاحظہ فرمائیں، کئی شرطوں کے ساتھ اجازت دی ہے، صفائی پر زور دیا

جائے، اور جہاں صفائی کا اہتمام نہ ہو، اگالدان رکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح ''میں ''فتح الباری'' کے حوالہ سے جو تحقیق نقل فرمائی ہے وہ بھی دل کو لگتی ہے۔اہل علم کے استفادہ کے لئے عبارت نقل کی جاتی ہے:

قوله : البزاق فی المسجد خطیئة و کفارتها دفنها " قال القاضی عیاض : انما یکون خطیئة اذا لم یدفنه ، أما من اراد دفنه فلا ، ورده النووی فقال :هو خلاف صریح الحدیث۔

قلت : وحاصل النزاع ان ههنا عمومین تعارضا وهما قوله " البزاق فی المسجد خطیئة " وقوله " ولیبصق عن یساره أو تحت قدمه " فالنووی یجعل الاول عاما ویخص الثانی بما اذا لم یکن فی المسجد والقاضی بخلافه یجعل الثانی عاما ویخص الاول بمن لم یرد دفنها ' وقد وافق القاضی جماعة منهم ابن مکی فی التنقیب والقرطبی فی المفهم وغیرهما ویشهد لهم ما رواه احمد باسناد حسن من حدیث سعد بن ابی وقاص مرفوعا ' قال من تنخّم فی المسجد فیغیب نخامته ان تصیب جلد مئومن أو ثوبه فتؤذیه واوضح منه فی المقصود ما رواه احمد ایضا والطبرانی با سناد حسن من حدیث ابی امامة مرفوعا قال : من تنخّع فی المسجد فلم یدفنه فسیئة وان دفنه فحسنة ، فلم یجعله سیئة الا بقید عدم الدفن ، ونحوه حدیث ابی ذر عند مسلم : وجدت فی مساوی اعمال امتی النخاعة تکون فی المسجد لا تدفن ، وروی سعید ابن منصور عن ابی عبیدة بن الجراح : انه تنخم فی المسجد لیلة فنسی ان یدفنها حتی رجع الی منزله ' فاخذ شعلة من نار ثم جاء

فطلبها حتى دفنها ' ثم قال الحمد لله الذى لم يكتب على الخطيئة الليلة ، وعند ابى داؤد من حديث عبد الله ابن الشخير انه صلى مع النبى صلى الله عليه وسلم فبصق تحت قدمه اليسرى ثم دلكه بنعله ، اسناده صحيح ، فتح البارى۔

(التعليق الصبيح ص۳۱۲ج۱/باب المساجد ومواضع الصلوة)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنے کے متعلق دو قول ہیں:

(۱)......قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسجد میں تھوکنا اس وقت گناہ ہے، جبکہ اس کو دفن نہ کرے (نہ چھپائے) اور جو شخص (ضرورت کی وجہ سے) تھوکنے کے بعد دفن کرنے (چھپانے) کا ارادہ رکھتا ہو اس کے حق میں تھوکنا گناہ نہیں۔

(۲)......امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی تردید فرمائی ہے، اور فرمایا کہ: یہ حدیث کے خلاف ہے، صاحب فتح الباری فرماتے ہیں: حاصل نزاع یہ ہے کہ یہاں دو عام حدیثیں (بظاہر) متعارض ہیں: ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے، اور دوسری حدیث میں یہ فرمایا کہ: (نماز میں) اپنے بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے۔

امام نووی رحمہ اللہ پہلی حدیث کو عمومیت پر باقی رکھتے ہوئے دوسری حدیث کا مصداق یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ شخص مسجد میں نماز نہ پڑھ رہا ہو، اور قاضی عیاض رحمہ اللہ اس کے برعکس فرماتے ہیں، وہ دوسری حدیث کو عام قرار دیتے ہیں اور پہلی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ: مسجد میں تھوکنا اس شخص کے لئے گناہ ہے جو اس کو دفن کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ ابن مکی اور قرطبی اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے قاضی عیاض کی موافقت فرمائی ہے، اور ان کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد نے اسناد حسن کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی ہے کہ: جو شخص مسجد میں تھوکے پس اپنا تھوک

اس وجہ سے چھپادے کہ کسی مومن کے بدن پر یا اس کے کپڑے پر لگے گا تو اسے تکلیف ہوگی۔ اور اس سے زیادہ واضح روایت وہ ہے جسے احمد اور طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مسجد میں تھوکے پھر اسے دفن نہ کرے تو یہ گناہ ہے، اور اگر دفن کردے تو نیکی ہے۔ آپ نے تھوکنے کو اس وقت گناہ قرار دیا جب کہ دفن نہ کرے، اور اسی کے مانند حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں یہ (بھی) پایا مسجد میں تھوکنا اور اسے دفن نہ کرنا۔ اور سعید بن منصور نے حضرت ابوعبیدۃ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ایک رات انہوں نے مسجد میں (ضرورت کی وجہ سے) تھوک دیا اور اسے دفن کرنا بھول گئے، گھر پہنچ کر انہیں یاد آیا تو کچھ روشنی کا سامان لیکر مسجد میں تشریف لائے اور وہ جگہ تلاش کر کے تھوک کو دفن کیا، پھر فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ آج رات میرے نامۂ اعمال میں یہ گناہ نہ لکھا گیا،۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے (ضرورت کی وجہ سے) اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکا، پھر اپنے نعل سے اسے ملایا۔ اس کی سند صحیح ہے۔

چرم قربانی کے متعلق ایک اشکال کا جواب

سوال:...... ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۸۶/جلد دوم ''کتاب الاضحیۃ'' میں ہے کہ: قربانی کی کھال اس کو دے سکتے ہیں جس کو گوشت دے سکتے ہیں، ایک صاحب نے سوال کیا کہ گوشت تو امیر کو بھی دیتے ہیں اور کافر کو بھی۔ تو اس فتوی میں وضاحت کی ضرورت ہے کہ جسے صدقہ دے سکتے ہیں اسے دے سکتے ہیں، وضاحت فرمائیں۔ (حیدرآباد)

الجواب:...... چرم قربانی مالدار کو بھی ہبۃً دینا جائز ہے، اس کا صدقہ واجب نہیں ہے،

استحبابی ہے، جیسے گوشت کا، البتہ اگر کھال بیچ دی جائے تو اس کی قیمت واجب التصدق ہے، جس طرح کسی نے قربانی کا گوشت بیچ دیا تو اس کی قیمت بھی واجب التصدق ہے، وہ قیمت صرف مستحقین زکوۃ ہی کو دی جاسکتی ہے، درمختار میں ہے:'' (فان بیع اللحم او الجلد به) أی بمستهلك (أو بدراهم تصدق بثمنه)''(درمختار مع شامی ص ۲۸۷ ج ۵)

بینک کا سود رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے: اس فتوے پر تنقید، اس کا جواب اور اکابر علماء کی تائیدات

حضرت مفتی صاحب مدظلہ، بعد سلام مسنون! ''فتاویٰ رحیمیہ'' ص ۱۹۲ ج ۲/ پر بینک کے سود کے متعلق فتوی ہے کہ:

الجواب:...... مسئلہ مختلف فیہ ہے، غریب مسکین کو دینا اولی ہے، سڑک وغیرہ رفاہ عام کے کاموں میں لگانے کی گنجائش ہے، مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ مسجد کے بیت الخلاء کی مرمت میں لگا سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اس پر ماہنامہ ''تبلیغ'' (گجراتی) میں (ایک) مفتی صاحب نے سخت تنقید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ: بینک کی سودی رقم رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، یہ لقطہ کے حکم میں ہے، اور واجب التصدق ہے، اس میں زکوۃ کی طرح تملیک شرط اور رکن ہے، لفظ صدقہ وتصدق جب مطلق بولا جاتا ہے، تو عرف فقہاء میں وہ واجب التملیک ہوتا ہے، اور حوالہ ''اشباع الکلام فی مصرف الصدقة من المال الحرام'' کا دیا ہوا ہے، آپ کی طرف سے اس کا خلاصہ شائع ہونا ضروری ہے، لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ فقط والسلام۔

(الحاج) احقر: عمر جی منوبری

دار العلوم کنتھاریہ (بھروچ)

خلاصہ:......بحمد اللہ تعالی وسبحانہ: ’’فتاوی رحیمیہ‘‘ کا مسئلہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے، دلیل کے لئے یہ عبارت کافی ہے،: ’’وقال وما اوجف المسلمون علیہ من اموال اھل الحرب بغیر قتال یصرف فی مصالح المسلمین کما یصرف الخراج ‘ قالوا ھو مثل الاراضی‘‘۔(ہدایہ ص ۵۶۷ ج ۲/ کتاب السیر)

اس فتوی کی موافقت میں علمائے محققین ومفتیان شرع متین کے متعدد فتاوی پیش کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱): الجواب......زائد رقم کو رفاہ عام کے قومی کام میں دیدی جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(الجمعیۃ: ۱۶، ۵/ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق: ۲/ دسمبر ۱۹۲۷ء ص ۳)

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کے فتاوی:

(۲): الجواب......جمع شدہ روپیہ کا سود بنک سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کام میں دیدیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(الجمعیۃ: ۱۷۔ ۹/ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق: ۶/ دسمبر ۱۹۲۷ء ص ۳/۴)

(۳)......استفتاء: منجانب مولوی عبدالحی صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ، آگرہ ۱۹۲۶ء۔

اس زمانہ میں دیانت مفقود اور بھروسہ معدوم ہے، بارہا تجربہ ہوا کہ امین مرتکب خیانت ہوا، الا ماشاء اللہ، پس اس فتنہ وفساد کے زمانہ میں کسی مسجد یا اوقاف کی آمدنی بغرض حفاظت بینک میں رکھی جائے تو جو رقم بنام سود بینک والے دیتے ہیں اگر نہ لی جائے تو اس کو عیسائیت کی اشاعت میں صرف کرتے ہیں، اور ہزاروں کو عیسائی بناتے ہیں، اگر سود کی رقم کو لیکر کسی کار خیر یا اشاعت اسلام میں خرچ کر دیا جائے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ...... بینک کے پاس سودی رقم نہ چھوڑنی چاہئے، کیونکہ وہ مسیحی مشنری کو دی جاتی ہے، اور تبلیغ مسیحیت میں خرچ ہوتی ہے، اور جمع کرنے والے کا روپیہ اس کا سبب ہوتا ہے، اور یہ بھی اس گناہ میں شریک ہوتا ہے، پس اس سود کی رقم کو لیکر تبلیغ واشاعت دین میں خرچ کیا جائے۔ فقط: محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(رسالہ ''عمدۃ الوسیلہ در جواز اخذ الربوا بالحیلہ'' ص ۳)

(۴): الجواب ...... یہ سود ہے، مگر ڈاکخانہ سے وصول کر لینا چاہئے، وصول کر کے خود کسی قومی کام میں خرچ کر دینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(الجمعیۃ: دوشنبہ: ۳/ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ ۲۰/ جولائی ۱۹۳۱ء۔ کالم نمبر ۳/۴)

(۵): الجواب ...... پوسٹ آفس کے سیونگ بنک اور سرکاری بنکوں سے سود لینا اس لئے جائز بتایا گیا ہے کہ نہ لینے کی صورت میں سود کی رقم مسیحی مشنریوں کو دیدی جاتی ہے، اور تبلیغ مسیحیت پر خرچ ہوتی ہے، مسلمان ڈاکخانہ کے سیونگ بنک اور سرکاری بنکوں سے وصول کرلیں، اور رفاہ عام کے قومی کاموں میں خرچ کر دیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

(الجمعیۃ دہلی یوم یکشنبہ: ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ۔ کالم: ۳، ص ۳)

(۶): الجواب ...... بنک سے وصول کر کے اس رقم کو قومی اور رفاہ عام کے کاموں میں بہ نیت رفع وبال خرچ کر دینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۲۹/ الجمعیۃ: ۴/ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق: ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

(۷): الجواب ...... جو روپیہ بنکوں میں جمع کیا جائے اس کا سود بنکوں سے وصول کر لیا جائے، تاکہ اس کے ذریعہ سے مسیحی مذہب کی تبلیغ اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کا گناہ نہ ہو، وصول کرنے کے بعد اس روپیہ کو امور خیر میں جو رفاہ عام سے تعلق رکھتے ہوں، مثلاً یتامی و

مساکین اور طلبائے مدرسۂ اسلامیہ کے وظائف اور امداد کتب وغیرہ میں خرچ کرنا یا مسافر خانہ یا کنواں، سڑکوں پر روشنی کرنا، یہ سب صورتیں جائز ہیں، البتہ مسجد پر خرچ نہ کیا جائے کہ یہ تقدس مسجد کے لئے مناسب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(یہ فتویٰ جامعہ حسینیہ راندیر کے کتب خانہ میں محفوظ ہے)

(۸): الجواب......بنکوں کا سود رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے، اور اپنے صرف میں لانے سے احتیاط کی جائے۔ بندہ احمد سعید عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح: محمد کفایت اللہ

(الجمعیۃ ۷: ۸۔۵ر شعبان المعظم ۱۳۴۶ھ مطابق: ۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مفتی اعظم مظاہر علوم کا فتوی:

استفتاء:......کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کے پاس بنک یا بیمہ کمپنی وغیرہ کا سود کا روپیہ ہو تو اسے کیا کرے؟ رفاہ عام کے کاموں میں سڑک اور کنواں مسجد کا بیت الخلاء وغیرہ بنانے میں صرف کیا جا سکتا ہے یا اس میں تملیک شرط ہے۔

الجواب:......فقراء کو دینا زیادہ بہتر ہے، مسجد کے علاوہ بیت الخلاء وغیرہ میں بھی صرف کرنے کی گنجائش ہے، یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ سعید احمد غفرلہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا فتوی:

(۹)......شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''ہندوستان میں جو بنک قائم ہیں ان میں سے بعض اہل یورپ کے ہیں جو اسلام کے مخالف اور دشمن ہیں، یہ لوگ سود کی رقمیں پادریوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ان کے تبلیغی مشن کو دیتے ہیں، جبکہ سود کی رقموں کا مطالبہ روپیہ جمع کرنے والے نہیں کرتے، اس لئے

سود کی رقم نہ لینا، ایک بڑے فتنہ وفساد کا سبب ہے، لہذا ارباب فتاوی نے فیصلہ کیا ہے کہ سود کی رقمیں ضرور لینا چاہئے، بلکہ سمندر میں پھینک دینا بنک میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۱۹ ج ۱)

(۱۰): دوسرا فتوی...... سرکاری بنکوں میں اوران بنکوں میں جن کے مالک غیر مسلم ہیں، روپیہ جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس روپیہ سے وہ کاروبار کر کے مالی استفادہ کرتے ہیں، اور اسی کے منافع کو اسلام اور مسلمانوں کی تخریب پر صرف کیا جاتا ہے، لیکن جمع کرنے کے بعد اس کا سود نہ لینا اور اس کو بنکوں میں چھوڑ دینا جائز نہیں ہے، اس روپیہ کو جو بنکوں سے سود کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں صرف کر دینا چاہئے۔

''عالمگیری'' میں ہے:''وما اوجف المسلمون علیه من اموال الحرب بغیر قتالٍ یصرف فی مصالح المسلمین، الخ''۔ (کتاب السیر ص ۲۱)

تفصیل کے لئے''ردالمحتار''۳/۳۷۔ اور''شرح سیر الکبیر'' (۳/۲۱۴:۲۱۷:۲۲۶: ۲۲۸:۳۲۹)''عالمگیری'' (ص ۲۱۰) وغیرہ ملاحظہ فرمائیے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ۷۶ ج ۲)

شعبۂ اشاعت وتبلیغ جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد کی طرف سے شائع شدہ پوسٹر بنام ''چند مسائل زندگی'' سے ماخوذ ایک مسئلہ:

(۱۱): مسئلہ:...... ڈاکخانوں اور بنکوں میں روپیہ جمع کر کے اس کا سود لینا حرام ہے، لیکن وہاں چھوڑنے کے بجائے وصول کر کے سڑکوں، پیشاب خانوں، پاخانوں اور نالیوں کی تعمیر جیسے رفاہ عام کے کاموں میں لگا دینا چاہئے، یا اس سے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں، مظلوموں اور مقروضوں کی امداد بھی درست ہے، اوران مظلوموں کی امداد بھی جائز ہے جن کو ناحق مقدمہ میں ماخوذ کر لیا گیا ہو، مگر ثواب کی نیت سے نہ ہو، کیونکہ حرام مال کسی کو دینے

سے ثواب نہیں ملتا۔ (چند مسائل زندگی، مسئلہ:۴)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہم کا فتوی:

سوال:...... زید نے ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا اور قانون کے مطابق اس کو سود ملا، وہ اس سود کو اپنے کام میں لا سکتا ہے یا نہیں؟۔

الجواب:...... بہتر یہ ہے کہ وہ غرباء پر صدقہ کر دے، اس نیت سے کہ اللہ تعالی اس کے وبال سے مجھے بچائے، بعض کے قول پر اس کو اپنے کام میں لانے کی بھی گنجائش ہے۔

(ماہنامہ ''نظام'' کانپور، بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ جنوری ۱۹۶۴ء)

رسالہ ''اشباع الکلام فی مصرف الصدقۃ من المال الحرام'' میں یہ تشریح بھی ہے کہ: مال حرام اور خبیث کو صدقہ کرنے کا حکم ایک خاص اصل پر مبنی ہے، وہ یہ کہ جن اموال کے مالک معلوم نہ ہوں یا ان تک پہنچانا متعذر ہو وہ بحکم لقطہ ہو جاتے ہیں، اور حکم لقطہ کا یہی ہے: کہ جب مالک کے ملنے سے مایوسی ہو جائے تو مالک کی طرف سے اس کا صدقہ کر دیا جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، امداد المفتین ص ۱۰۷)

بنک کی رقم لقطہ کے حکم میں نہیں ہے، اس کے مالک نا معلوم اور لاپتہ بھی نہیں ہیں، اور ان کو پہنچانا متعذر بھی نہیں ہے، اور یہ رقم واجب الرد بھی نہیں ہے، بلکہ واجب الاخذ ہے، بنک سے لے لینا ضروری ہے، لیکر غرباء کو دیدی جائے یا مصالح المسلمین پر صرف کر دی جائے، پھر لقطہ کیسے ہوا؟۔

بالیقین بنک میں روپیہ بعینہ محفوظ نہیں رہتا، کاروبار میں لگا رہتا ہے، لہذا وہ امانت نہیں ہے، بلکہ قرض ہو جاتا ہے، اور نفع کے وہ مالک ہو جاتے ہیں، لہذا یہ رقم بحکم لقطہ نہیں ہے۔

''امداد الفتاوی'' میں ہے:

بنکوں میں جو رقم جمع کی جاتی ہے، اس کے قواعد میں یہ امر یقینی اور معروف ہے کہ وہاں بعینہ امانت نہیں رکھی جاتی، بلکہ ان سے کاروبار کیا جاتا ہے، اور بقاعدہ المعروف کالمشروط جمع کرنے والوں کی جانب سے اس کی اجازت کہا جائے گا، اور تصرف کا اذن دینا اقراض ہے۔ (ص ۵۰۳ ج ۲)

لفظ صدقہ اور تصدق جب مطلق بولا جائے تو وہ واجب التصدق اور واجب التملیک ہوتا ہے، یہ کلیہ نہیں ہے، صدقہ اور تصدق عام ہے، واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے، دلیل اور قرینہ موقع اور محل سے متعین ہوگا، چنانچہ ''کتاب الاضحیۃ'' میں ہے: '' فیتصدق بجلدها، وتصدق بثمنه''۔ (جوہرۃ۔ شرح وقایہ۔ درمختار وغیرہ)

یعنی قربانی کا چمڑا صدقہ کیا جائے، اور اگر اس کو فروخت کر دیا گیا تو قیمت کو صدقہ کرنا ہوگا، جلد کا صدقہ مستحب ہے، خود بھی رکھ سکتا ہے، مالدار کو بھی دیا جا سکتا ہے بخلاف اس کی قیمت کے کہ اس کا صدقہ واجب ہے، خود نہیں رکھ سکتا، مالدار کو دینا بھی جائز نہیں، فیصدق اور تصدق مطلق ہے، لیکن ایک جگہ استحبابی حکم ہے، اور دوسری جگہ وجوبی، علی ہذا صدقہ واجب اور تصدق واجب میں بھی فرق کیا گیا ہے، دونوں کا ایک حکم نہیں ہے'' الطرائف والظرائف'' میں ہے:

نکتہ فقہیہ:...... فرق بين الصدقة الواجبة والتصدق الواجب فلا يعطى احد حكم الاخر، فلا يلزم ان من لا يكون مصرف الاول لايكون مصرف الثاني، كاللقطة يجوز صرفها الى بني هاشم مع عدم كونهم مصرف الصدقة الواجبة ۔ (ص ۴۲ ج ۱)

اگر اس کو لقطہ بھی مان لیا جائے تا ہم رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی گنجائش

نکلے گی، فقہاء رحمہم اللہ نے بیت المال کی چار قسمیں کی ہیں:

(۱)......الغنائم والکنوز والرکاز۔

(۲)......بیت المال المتصدقین۔

(۳)......خراج الاراضی وغیرہ۔

(۴)......بیت المال ضوائع۔

یعنی لقطوں کا مصرف مانند ان اشیاء کے کہ نہ ہو ان کا کوئی وارث، یا ہو لیکن اس پر رد نہ ہوسکتا ہو، اس کا مصرف وہ صورتیں ہیں جن میں نفع تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے، لیکن ''ہدایہ'' اور ''زیلعی'' میں ہے: کہ جو مصالح مسلمین میں صرف ہوتا ہے، وہ تیسری قسم کا ہے، یعنی خراج الاراضی وغیرہ، اس سے معلوم ہوا کہ لقطوں کے مصرف میں اختلاف ہے، صاحب درمختار وغیرہ نے لقطوں کا مصرف مصالح مسلمین (رفاہ عام) قرار دیا ہے، اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے کہا ہے کہ جو مصالح مسلمین میں صرف ہوتا ہے، وہ خراج الاراضی وغیرہ ہے،

(درمختار شامی: ۴۔ غایۃ الاوطار جلد: ۴۔ ۲۶۰ ج ۳)

نعل شریف کے متعلق فتوی پر اشکال اور اسکا حل

سوال:......''فتاوی رحیمیہ'' جلد سوم کا سوال نمبر: ۱۰۵۶ ؍ جو ص: ۲۰۸: ۲۰۹ ؍ پر ہے، اس میں سائل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کے رسالہ ''زاد السعید'' کے آخر میں ''نعل شریف'' کے متعلق اجابت دعا کے لئے جو عمل بتایا گیا ہے، اسی کے متعلق سوال کیا گیا ہے، آپ نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا ہے وہ بظاہر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بتائے ہوئے عمل کے معارض معلوم ہوتا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ معارضہ اختلاف رائے پر مبنی ہے یا پھر تطبیق کی کوئی

صورت ہے؟ امید ہے کہ مذکورہ اشکال کا حل فرمائیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:......آپ نے نعل شریف کے متعلق فتوی پر جو اشکال فرمایا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اسی قسم کا سوال مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ سے کیا گیا تھا، آپ نے اس کا جواب تحریر فرمایا، وہ ملاحظہ ہو:

جواب:......آپ ﷺ کے آثار متبرکہ طیبہ سے برکت حاصل کرنا تو علمائے متقدمین اور صحابہ وتابعین سے ثابت ہے، لیکن آثار اور اشیاء متبرکہ سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کے متعلق یہ بات ثابت ہو کہ وہ حضور انور ﷺ کی استعمال کی ہوئی اشیاء (مثلاً: جبہ مبارک یا قمیص مبارک یا نعل مبارک) یا حضور ﷺ کے جسم اطہر کے اجزاء (مثل موئے مبارک) یا حضور ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ مس کی ہوئی چیزیں ہیں، لیکن ان میں سے کسی چیز کی تصویر بنا کر اس سے برکت حاصل کرنے کا معتمد اہل علم وارباب تحقیق سے ثبوت نہیں۔

اگر تصویر سے تبرک حاصل کرنا بھی صحیح ہو تو پھر نعل مبارک کی کوئی تخصیص نہ ہوگی، بلکہ جبہ مبارک، قمیص شریف، موئے مبارک اور قدم شریف کی کاغذ پر تصویریں بنانے اور ان سے تبرک وتوسل کرنے کا حکم اور نقشۂ نعل مبارک سے تبرک وتوسل کا حکم ایک ہوگا، اور ایک ماہر بالشریعۃ اور ماہر نفسیات اہل زمانہ اس کے نتائج سے بے خبر نہیں رہ سکتا، جن بزرگوں نے نعل مبارک کے نقش کو سر پر رکھا، بوسہ دیا، اس سے توسل کیا، وہ ان کے وجدانی اور انتہائے محبت بالنبی ﷺ کے اضطراری افعال ہیں، ان کو تعمیم حکم اور تشریع للناس کے موقع پر استعمال کرنا صحیح نہیں۔

نیز اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ نعل مبارک کا یہ نقشہ حضور ﷺ کے نعل مبارک کی صحیح تصویر ہے، یعنی حضور ﷺ کے نعل مبارک کے درمیانی پٹھے (شراک) کے وسط میں

اور آگے کے تسموں (قبالین) پر ایسے ہی پھول اور نقش ونگار بنے تھے جیسے اس نقشے میں بنے ہوئے ہیں، اور بلا ثبوت صورت و ہیئت کے حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنا بہت خوفناک امر ہے، اندیشہ ہے کہ "من کذب علیّ متعمدا ، الخ " کے مفہوم کے عموم میں شامل نہ ہو جائے ، کیونکہ اس ہیئت کے ساتھ اس کو مثال نعل مصطفیٰ ﷺ قرار دینے کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اس کو مثال قرار دینے والا یہ دعوی کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسی نعل مبارک استعمال کی تھی جس کے پٹھوں اور اگلے تسموں پر اس قسم کے پھول بنے تھے، اور اس طرح کے نقش ونگار بھی تھے۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ یہ نقش ونگار ریشم سے بنائے گئے تھے یا کلابتوں اور زری کے تھے یا محض ٹھپہ تھا؟ اور ان تمام امور میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت مہیا نہ ہوگا، اور اختلاف ہواء سے مختلف حکم لگائے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال تصویر کو اصل کا منصب دینا اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا احکام شرعیہ سے ثابت نہیں، اگر حضور ﷺ کی نعل مبارک جو حضور ﷺ کے قدم مبارک سے مس کر چکی ہو کسی کو مل جائے تو زہے سعادت، اس کو بوسہ دینا، سر پر رکھنا سب صحیح، مگر نعل کی تصویر اور وہ بھی ایسی تصویر جس کی اصل سے مطابقت کی بھی کوئی دلیل نہیں ، اصل نعل مبارک کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ (کفایت المفتی ص ۵۹/۶۰ ج ۲)

اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

جواب:...... اگر آنحضرت ﷺ کی استعمال کی ہوئی نعل شریف کسی کو مل جائے تو زہے سعادت، اور فرط محبت سے اس کو بوسہ دینا، سر پر اٹھالینا بھی موجب سعادت ہے، مگر یہ تو اصل نعل نہیں، اس کی تصویر ہے، اور یہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے یا

نہیں،اور تصویر کے ساتھ اصل شیٔ کا معاملہ کرنا شریعت میں معہود نہیں، ورنہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک، موئے مبارک، اور قمیص مبارک، جبہ مبارک کی تصویریں بھی بنائی جاسکتی ہیں، اور اگر ان میں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت سے قطع نظر کرلیا جائے تو پھر آج ہی بے شمار تصویریں بن جائیں گی، اور ایک فتنۂ عظیمہ کا دروازہ کھل جائے گا، جن بزرگوں نے اس تصویر کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا وہ ان کے والہانہ جذبات محبت کا نتیجہ تھا، مگر دستور العمل قرار دینے کے لئے حجت نہیں ہوسکتا۔(کفایت المفتی ص ۶۱ ج ۲)

مذکورہ بالا دو فتوؤں کے بعد بھی حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں مختلف سوالات آئے، مفتی صاحب نے دیکھا کہ اختلاف وشقاق بین المسلمین کا نیا دروازہ کھل رہا ہے، تو حضرت مفتی صاحب نے مناسب سمجھا کہ اسی وقت اس کا تدارک کرلیا جائے، چنانچہ حضرت ممدوح نے اپنے یہ دونوں جواب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں ایک مکتوب کے ساتھ روانہ کردیئے، اس کے بعد جانبین سے خط و کتابت ہوئی، وہ خط و کتابت ’’اتمام المقال فی بعض احکام التمثال‘‘ کے نام سے رسالہ کی صورت میں شائع ہوئی، اور’’کفایت المفتی‘‘ جلد دوم’’کتاب السلوک والطریقۃ‘‘ کے فصل سوم’’توسل‘‘ میں بھی شائع ہوگئی ہے، حضرت تھانوی قدس سرہ نے جو جواب تحریر فرمائے اختصار کے پیش نظر اس کے چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں، تفصیل درکار ہو تو ’’کفایت المفتی‘‘ کا مطالعہ کیا جائے۔

(۱)...... بعد الحمد والصلوۃ، احقر نے دونوں جواب پڑھے جو بالکل حق ہیں، اور صحت معنی کے ساتھ اسلوب کلام میں ادب کی رعایت خاص طور پر قابل داد ہے، جس کی ایسے نازک مسائل میں سخت ضرورت ہے۔(بحوالہ: کفایت المفتی ص ۶۲ ج ۲)

(۲)...... یہ سب تفصیل حکم فی نفسہ کی ہے، ورنہ جہاں احتمال غالب مفاسد کا ہو وہاں نقشہ تو کیا خود اصل تبرکات کا انعدام بھی بشرط عدم اہانت و بشرط عدم لزوم ابقاء مطلوب و مامور بہ ہوگا، جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ قطع شجرہ کا منقول ہے۔

(۳)...... یہ تو طالب علمانہ کلام ہے جس میں جانبین کو بہت وسعت ہے، ہر جواب پر شبہ اور ہر شبہ کا جواب ہوسکتا ہے، لیکن شیخ شیرازی کا ارشاد یاد آتا ہے ؎

ندانی کہ مارا سر جنگ نیست وگرنہ مجال سخن تنگ نیست

اس لئے مناظرانہ کلام کو بند کر کے ناظرانہ عرض کرتا ہوں کہ گو احتیاطی تحریرات میں ہمیشہ شائع کرتا رہا، چنانچہ ''مکتوبات'' کے حصہ سوم بابت: ۳۳ھ کے ص: ۱۵/ میں بھی ایک صاف مضمون ہے، مگر مسئلہ میں تردد نہ ہوا تھا، لیکن اب مجھ کو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہوگیا، پھر اس کے ساتھ عوام کے اختلاف اہوا سے جس سے میرا ذہن خالی تھا، مصالح دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ بحکم ''دع ما یریبک الی ما لا یریبک''۔(الحدیث)

اپنے رسالہ ''نیل الشفا'' سے رجوع کرتا ہوں، اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہوگیا ہو، اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلہ کا استحضار اور تکرار کرتا ہوں ؎

علی اننی راض بان احمل الھوی واخلص منہ لا علی ولا لیا

(کفایت المفتی ص ۶۸ ج ۲)

امید ہے کہ اب اشکال رفع ہوجائے گا۔

صحابہ کو حدث فی الاسلام سے زیادہ کوئی شئ مبغوض نہ تھی پر اشکال

حضرت مفتی صاحب نے میلاد میں قیام کے متعلق ایک فتوی میں ''ترمذی شریف'' کی

درج ذیل حدیث نقل فرمائی، اور اس کا ترجمہ بھی لکھا۔

''ترمذی شریف'' میں ہے:

عن ابن عبد الله بن مغفل قال : سمعنی ابی وانا فی الصلوة اقول : بسم الله الرحمن الرحیم ، فقال لی : ای بنی ! محدث ایاک والحدث ، قال : ولم ار احدا من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کان ابغض الیه الحدث فی الاسلام' یعنی منه۔ (ترمذی شریف ص ۳۳ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے نماز میں سورہ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر پڑھی تو حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بولے: اے میرے پیارے بیٹے! یہ بدعت ہے اس سے بچتے رہو، میں نے صحابۂ کرام میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی چیز سے اس قدر عداوت رکھتے ہوں جتنا وہ بدعت سے رکھتے تھے۔

حضرت کے اس ترجمہ پر ایک مفتی صاحب نے اشکال کیا، وہ اشکال و جواب درج ہے:

سوال:......احقر کے خیال ناقص میں ''فتاوی رحیمیہ'' (۲۸۴ ج ۲) میں جو حدیث ''ترمذی شریف'' کا ترجمہ کیا گیا ہے، اس پر نظر ثانی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے، شروح اربعہ ترمذی شریف شرح سراج احمد ص ۲۶۸/ پر ہے:

''گفت ابن عبداللہ ندیدم ہیچ کس را از صحابہ کہ بود مبغوض تر بسوی وے نو پیدا در اسلام یعنی از پدر من''۔

نیز ملاحظہ ہو ''تحفۃ الاحوذی''۔ (ص ۲۰۴ ج ۱)

الجواب:......''فتاوی رحیمیہ'' (ص ۲۸۴ ج ۲) کی جس حدیث کے ترجمہ کے بارے میں

حضرت والا نے نظرِ ثانی کی ضرورت بتلائی ہے، اس کے متعلق جناب کا بے حد ممنون ہوں، آئندہ بھی مطالعہ میں جو بات قابل اصلاح معلوم ہو بلا تأمل تحریر فرمائیں، مگر معاف فرمایئے، واقعہ یہ ہے کہ جو ترجمہ کیا گیا ہے، وہی ٹھیک ہے کہ: تمام صحابہ کو حدث فی الاسلام سے زیادہ کوئی شئ مبغوض نہ تھی، ضمیر غائب ''الحدث'' کی طرف راجع ہے، اور قال ولم ار ...کا فاعل حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ ہیں، اور یعنی سے کوئی نیچے کا راوی تفسیر کر رہا ہے، اور اس کا فاعل حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ ہیں، گویا یزید اپنے والد کے تین مقولے حدیث میں نقل کر رہے ہیں، اور حضرات نے بھی اس حدیث کا یہی ترجمہ کیا ہے، کہ صحابہ کرام کے نزدیک حدث فی الاسلام سے زیادہ کوئی شی مبغوض نہ تھی۔

''نور المصابیح ترجمہ زجاجۃ المصابیح'' مولفہ: حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب محدث حیدر آبادی ملاحظہ ہو:

عبداللہ بن مغفل کے صاحبزادے سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: میرے والد عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے مجھ سے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے ہوئے سنا تو کہا: بیٹا یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو، پھر کہا: میں نے اصحاب نبی ﷺ سے زیادہ کسی کو بدعت سے عداوت ونفرت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (ص۲۹۶ ج۱)

''سبع سنابل فی تصریح المسائل'' مؤلفہ: حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب محدث راندیری میں ہے:

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے فرمایا کہ: میرے والد نے مجھ کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہر سے پڑھتے ہوئے سنا، تو فرمایا: اے بیٹے! بدعت ہے اس سے بچ، اور فرمایا کہ: میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ بدعت سے

زیادہ اور کسی چیز سے بغض رکھتے ہوں۔ (ص ۱۶)

''انوار الباری شرح صحیح البخاری'' اردو جلد اول مؤلفہ: حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب مدظلہ (فاضل دیوبند) میں ہے:

امام ترمذی نے بسم اللہ کا باب قائم کر کے حدیث یزید بن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ روایت کی کہ: میں نے نماز میں الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھی، تو میرے والد نے فرمایا کہ: بیٹا! یہ محدث و بدعت ہے، اور صحابہ کرام کو سب سے زیادہ مبغوض اسلام میں نئی باتوں کا پیدا کرنا تھا۔ (ص ۵۴ ج ۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''ویمکن ان یکون مرجع الضمیر الحدث ' والغرض اظهار تقدیر من قبل الحدث ' ویکون تقدیر الکلام کان ابغض الیه شی من الحدث فی الاسلام ' والمقصود منه ان کلام ابن عبد الله لا یصح بظاهره اذ المقصود اظهار ابغضیة الحدث فی الاسلام للصحابة ' والذی یظهر من الکلام نقیضه ' لانه یدل علی ان الحدث لم یکن مبغوضا الی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فبین ان الحدث ههنا مفضل علیه ' والمقصود انهم لم یکن شی ابغض الیهم من الحدث فی الاسلام ' وهذا لا یفید ارجحیة ابیه فی بغض الحدث ' بل یقتضی ابغضیة الحدث بالنسبة الی سائر الاشیاء الی الصحابة رضی الله عنهم اجمعین ، افاده : الشیخ الجلیل الحبر النبیل مولانا السید خلیل، ۱۲ منه ،

قلت : هذه العبارة مکتوبة علی هامش التقریر من کلام الشیخ مولانا خلیل احمد شارح ابی داؤد ' اولها مکتوبة بید الشیخ وآخرها بید الوالد المرحوم نور الله

مرقدهما''۔(الکوکب الدری ص۱۲۶ ج ۱۔ص ۲۵۰ ج ۳)

لفظ''علی حرف'' کے ترجمہ پر تبصرہ نگار الفرقان کا اشکال اور اس کا جواب

حضرت مفتی صاحب نے گجرات کے ایک غیر مقلد کے تعاقب میں استدلال کرتے ہوئے''ابوداؤد شریف'' کی ایک حدیث نقل فرماکر اس کا ترجمہ کیا، اس ترجمہ پر ماہنامہ ''الفرقان'' میں تبصرہ نگار نے اشکال کیا، حضرت نے اس کا جواب مرحمت فرمایا، حدیث ابوداؤد کا جو ترجمہ کیا گیا ہے، وہی صحیح ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

''انما كان هذا الحى من الانصار ' وهم اهل وثن مع هذا الحى من يهود وهم اهل كتاب ' فكانوا يرون لهم فضلا عليهم فى العلم ' فكانوا يقتدون بكثير من فعلهم وكان من امر اهل الكتاب ان لا يأتوا النساء الا على حرف ' وذلك استر ما تكون المرأة ' وكان هذا الحى من الانصار قد اخذوا بذالك من فعلهم ' فكان هذا الحى من قريش يشرحون النساء شرحا منكراً ويتلذذون منهن مقبلات و مدبرات و مستلقيات ' فلما قدم المهاجرون المدينة تزوج رجل منهم امرأة من الانصار فذهب يصنع بما ذلك ' فا نكرته عليه ' وقالت انما كنا نؤتى على حرف ' فا صنع ذلك ' والا فاجتنبنى حتى شرى امرهما ' فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فانزل الله عز و جل :﴿ نسائكم حرث لكم فا توا حرثكم انى شئتم ﴾ أى مقبلات و مدبرات و مستلقيات يعنى بذلك موضع الولد''۔(ابوداؤد ص ۳۰۱ ج ۱)

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: مدینہ میں جن حضرات نے الانصار کا خطاب حاصل کیا وہ پہلے مشرک تھے، یہودیوں کے ساتھ رہا کرتے تھے، چونکہ یہودیوں کے پاس آسمانی کتاب (توریت) تھی تو مشرکین سمجھتے تھے کہ یہود کو علمی فضیلت

حاصل ہے، اس لئے وہ بہت سی باتوں میں یہودیوں کا چلن اختیار کر لیا کرتے تھے، مجامعت اور ہم بستری کے سلسلہ میں یہودیوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ صرف چت لیٹ کر ہی مجامعت کیا کرتے تھے،اس سے عورت کی پردہ پوشی زیادہ ہوتی تھی، انصار بھی ان کے اسی چلن پر چلا کرتے تھے،ان کے برخلاف قریش کا طریقہ یہ تھا کہ وہ عورتوں سے خوب کھیلتے تھے،ان کا سینہ اپنی طرف کر کے ان کی پشت اپنی طرف کر کے ان کو چت لٹا کر غرض ہر طرح لذت اندوز ہوتے تھے، جب حضرات مہاجرین مدینہ میں آئے تو کسی مہاجر نے انصاری عورت سے شادی کر لی، اس نے اپنے طریق (مختلف کیفیات) سے صحبت کرنا چاہا، تو اس انصاریہ نے ناپسند کیا اور کہا صرف چت لیٹ کر ہی جماع کیا جاتا ہے، لہذا آپ بھی ایسا ہی کیجئے، ورنہ مجھ سے دور رہئے، اس میں بات طول پکڑ گئی، یہاں تک کہ حضور ﷺ تک بات پہنچ گئی تو خدا تعالی نے آیت کریمہ نازل فرمائی ﴿نسائکم حرث لکم﴾ الخ، یعنی تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں، سو اپنے کھیت میں جس طرح سے چاہو جاؤ (یعنی چاہے آگے سے پیچھے سے چاہے چت لٹا کر وغیرہ، بشرطیکہ وہ جگہ ہو جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے)

لفظ علیٰ حرف کی تحقیق

سوال:...... ماہنامہ ''الفرقان'' (لکھنؤ) ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ کے شمارہ میں ''فتاوی رحیمیہ'' کی تقریظ (ریویو) میں لکھتے ہیں کہ (ص۲۴ ج۲) میں ''ابوداؤد'' کی ایک حدیث میں دو جگہ لفظ علیٰ حرف کا ترجمہ چت لیٹنا کیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ کروٹ پر لیٹنا یہ ترجمہ صحیح ہے، اس بارے میں تفصیل مطلوب ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:...... مذکورہ حدیث میں ''علیٰ حرف'' کا ترجمہ اور مفہوم چت لیٹنے کا صحیح ہے، کروٹ پر لیٹنے کا ترجمہ صحیح نہیں ہے، ''ابوداؤد'' میں دونوں جگہ بین السطور چت لیٹنے کی تفصیل ہے،

’’ای طرف یعنی یجامعون علی طرف واحد هی حالة الاستلقاء‘‘ (چت لیٹنا)

’’ابوداؤد‘‘ کی مشہور اور مستند شرح ’’بذل المجہود‘‘ میں بھی چت لیٹنے کی تشریح ہے: ’’ای علی هیئة واحدة وهی الاستلقاء‘‘ (چت لیٹنے کی حالت)۔ (ص ۱۵ ج ۳)

حضرت کے اس جواب پر تبصرہ نگار ’’الفرقان‘‘ نے نہ صرف یہ کیا کہ حضرت کا شکریہ ادا کیا، بلکہ دوبارہ ’’الفرقان‘‘ میں اپنی غلطی کا اعلان فرمایا۔ وھوھذا:

استدراک:...... ’’الفرقان‘‘ بابت ماہ ذی الحجہ: ۸۹ھ مطابق مارچ کے عنوان ’’نئ مطبوعات‘‘ کے تحت تبصروں میں حضرت مولانا سید عبدالرحیم لاجپوری کے ’’فتاوی رحیمیہ‘‘ جلد دوم میں منقول ایک حدیث کے ایک لفظ (علیٰ حرف) کے ترجمہ سے اختلاف کیا گیا تھا، مولانا نے اس پر ہمیں تحریر فرمایا ہے کہ: ’’سنن ابی داؤد‘‘ میں جہاں یہ حدیث آئی ہے، وہاں بین السطور اس لفظ کے وہی معنی بتائے گئے ہیں، جو ترجمہ میں انھوں نے اختیار فرمائے ہیں، نیز ’’بذل المجہو د شرح ابی داود‘‘ میں بھی یہی تشریح ہے۔ تبصرہ نگار حضرت مولانا کا مشکور ہے کہ زمانہ طالب علمی سے ذہن میں پڑی ہوئی ایک غلط فہمی ان کی بدولت دور ہوگئی، جزاهم الله خیر الجزاء۔ (ماہنامہ ’’الفرقان‘‘ لکھنؤ، بابت: ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ)

(فتاوی رحیمیہ ص ۲۶۷ ج ۳)

”فتاوی رحیمیہ“

اور دلائل عقلیہ

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

بسم الله الرحمن الرحيم

احکام شرعیہ کے ثبوت کے لئے نصوص وافی وکافی ہیں، ان احکامات کی حکمتیں اور عقلی دلائل کا مطالبہ مؤمن کی شان تسلیم کے خلاف ہے۔ مگر اس زمانہ میں جسے ترقی یافتہ دور کہا جاتا ہے ہر چیز کو عقل کے ترازو میں تولے جانے کا بھوت انسانوں پر ایسا سوار ہے کہ مسلمان بھی احکامات شرعیہ میں جب تک کیوں کا جواب نہ جان لیں اپنے آپ کو مطمئن نہیں پاتے۔

عالم اسلام میں عقلیت کا یہ دور بارہویں صدی کے بعد ہی شروع ہوا کہ ہر حکم کے اسرار ومصالح کی جستجو کا ذوق عام ہو گیا۔

ویسے الحمد للہ علمائے اسلام کا امت پر یہ بھی بڑا احسان ہے کہ اس نازک سے نازک موضوع پر بھی ان کے قلم سے ایسی بے مثال تالیفات وتصنیفات وجود میں آئیں جو ایک حق پسند اور سلیم الطبع انسان کے لئے اپنے اندر پوری تشفی کا سامان رکھتی ہیں، جن میں امام غزالی رحمہ اللہ کی ''احیاء العلوم'' شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ' اور ہمارے اس قریبی دور میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ''المصالح العقلية للاحكام النقلية'' بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

راقم الحروف کو جن اکابر کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ان میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ اور موصوف کے خلیفہ حضرت العلام مولانا سید ابرار احمد صاحب رحمہ اللہ کو حق تعالی نے اس فن میں قابل رشک ملکہ عطاء فرمایا تھا۔ اس موقع پر فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جنہیں حق تعالی نے الزامی اور عقلی جواب دینے کا گویا امام بنایا تھا، جس کو

''ملفوظات فقیہ الامت'' کے مطالعہ کا موقع ملا ہو وہ میری اس بات پر تعجب نہیں کرے گا۔

فخر گجرات حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری مد ظلہم کی شخصیت میرے تعارف کی محتاج نہیں، حضرت کے فتاوی کو حضرت کی حیات ہی میں الحمد للہ عالم گیر شہرت وقبولیت حاصل ہوئی، اور جس نے فقہ کی دنیا میں اپنا لوہا منوا کر ایک امتیازی مقام حاصل کرلیا ہے ''فتاویٰ رحیمیہ'' میں بھی سائل کے اس سوال پر کہ ''ایسا کیوں'' حضرت مفتی صاحب مد ظلہم کے قلم سے جو جواب وجود میں آیا اس نے نہ صرف یہ کہ راقم کو متأثر کیا، بلکہ دل میں یہ داعیہ پیدا کر دیا کہ ایسے جوابات کو یکجا جمع کر دیا جائے، یہ چند صفحات اسی داعیۂ قلبی کا نتیجہ ہیں جو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ امید ہے ناظرین ان صفحات کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے۔

مکتبہ الاحسان سے شائع شدہ نسخہ پر اظہار تعجب اور شکایت

مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری مد ظلہ نے ''فتاوی رحیمیہ'' اپنے مکتبہ ''الاحسان'' سے پانچ جلدوں میں نئی ترتیب سے شائع کی۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ طباعت اور مرتب ہونے کی وجہ سے اس سے استفادہ زیادہ آسان ہوگیا، مگر موصوف کی خدمت میں مجھے یہ شکایت ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے میرا یہ رسالہ یا مضمون اپنے فتاوی کی جلد: ۹/نمبر/ص ۳۹۷/ پر خود شائع فرمایا، اور اس پر اپنا تأثر بھی تحریر فرمایا، نئی ترتیب میں موصوف کو چاہئے تھا کہ اس کو برقرار رکھتے، اور اسے بھی شائع فرماتے، نہ معلوم کیوں مولانا مفتی محمد امین صاحب مد ظلہ نے مفتی صاحب کے فتاوی میں اس طرح کا ردوبدل کیا؟ کیا یہ علمی خیانت نہیں؟ میری موصوف سے درخواست ہے کہ آئندہ اشاعت میں اس پر توجہ دیں پاکستان کے جدید نسخہ میں اس طرح کی خیانت نہیں کی گئی ہے۔ مرغوب احمد لاجپوری

حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب رحمہ اللہ کا تأثر اور حوصلہ افزا کلمات

حامدا و مصلیا و مسلما: ہمارے ایک قدیم دوست مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری رحمہ اللہ تھے، مرحوم جید عالم اور تجربہ کار مفتی تھے، رنگون میں برسوں افتاء کی خدمت انجام دی، ان کے ایک پوتے جن کا نام بھی اپنے جد امجد کے نام پر ''مولوی مرغوب احمد'' ہے، اس وقت ڈیوزبری برطانیہ میں مقیم ہیں، ماشاء اللہ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے دادجان رحمہ اللہ کے فتاوی کی ترتیب میں مشغول ہیں، صاف ستھرا علمی ذوق رکھتے ہیں، ''فتاوی رحیمیہ'' کے بڑے دلدادہ ہیں ''فتاوی رحیمیہ'' کے مطالعہ کے دوران جو دلائل عقلیہ ان کی نظر سے گذرے جن کے متعلق ان کا تأثر ان کی زبانی یہ ہے:

''فتاوی رحمیہ'' میں سائل کے اس سوال پر کہ ''ایسا کیوں'' حضرت مفتی صاحب مد ظلہم کے قلم سے جو جواب وجود میں آیا اس نے نہ صرف یہ کہ راقم کو متأثر کیا بلکہ دل میں یہ داعیہ پیدا کر دیا کہ ایسے جوابات کو یکجا جمع کر دیا جائے۔ یہ چند صفحات اسی داعیۂ قلبی کا نتیجہ ہیں جو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ امید کہ ناظرین ان صفحات کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے''۔

حسن اتفاق سے دیوبند میں ''فتاوی رحیمیہ'' جلد نہم کی کتابت جاری ہے، اور وہاں سے خط موصول ہوا کہ مزید کچھ شامل کرنا ہو تو جلد بھیج دیا جائے۔ خیال ہوا کہ موصوف کا یہ مضمون ''فتاوی رحیمیہ'' جلد نہم میں شامل کر دیا جائے، موصوف کی حوصلہ افزائی ہوگی، اور انشاء اللہ ناظرین بھی مستفید ہوں گئے۔ اللہ پاک موصوف کی اس علمی کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور علم و عمل میں خوب برکت اور مزید دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے آمین، بحرمة النبی الامی صلی الله علیه وسلم۔ احقر: سید عبد الرحیم لاجپوری غفرلہ

فتاوی رحیمیہ'' جدید کی طباعت کے بعد لکھا گیا

عریضہ بنام: حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از: مرغوب احمد لاجپوری

محترم المقام حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری مدظلہم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج سامی بخیر ہوگا، میں بھی اللہ تعالی کے فضل وکرم سے خیریت سے رہ کر بارگاہ ایزدی میں آپ کی خیر وعافیت کے لئے دست بدعا ہوں، اللہ تعالی آنجناب کے سایہ کوامت پر تادیر بصحت وعافیت قائم رکھے، آمین۔

غرض تحریر یہ کہ ''فتاوی رحیمیہ'' کا نیا نسخہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم کی ترتیب وبعض مواقع پر تحقیق وتعلیق اور آپ کی تصحیح وترقیم کے ساتھ مزین ہوکر طبع شدہ موصول ہوا، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالی آپ حضرات کو اس عظیم خدمت کا دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ واقعی آپ نے حسن کتابت ومعیاری طباعت و ظاہری حسن وخوبی سے اس عظیم فتاوی کو اس کی شایان شان بنا کرامت کے ہاتھوں پہنچایا ہے۔ یقیناً آپ اس مبارک کام پر علماء وارباب افتاء کی طرف سے عموماً اور اہالیان گجرات کی طرف سے خصوصاً شکریہ کے مستحق ہیں۔ میں دلی مبارکباد دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں، جزاکم اللہ۔

دوران مطالعہ چند باتیں قابل تحریر سمجھی گئیں تو مناسب معلوم ہوا کہ آپ کو براہ راست ایک عریضہ لکھ کر ان باتوں کی طرف توجہ دلاؤں، امید کہ آپ میری معروضات کو خالی

الذہن ہوکر ملاحظہ فرمائیں گے اور مناسب سمجھیں تو ان پر عمل کی کوشش کر کے اپنے وسعت ظرفی کا ثبوت مرحمت فرمائیں گے۔ جو درج ذیل ہیں:

(۱)......حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے جن جلدوں کے شروع میں جو پیش لفظ ''تشکر و واتنان'' وغیرہ کے عنوان سے تحریر فرمائے ہیں' وہ تمام نئی طباعت میں شامل ہونے چاہئے تھے۔ ان کے شامل نہ ہونے سے بعض باتیں مخفی رہ جائیں گی، مثلاً:

جلد ۸/صفحہ ۱۸/ پر:

''مولوی رشید احمد ابن جناب اسماعیل (عرف بھائی میاں) لاجپوری دام مجدہ وحبہ (متعلم دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) جو فتاوی رحیمیہ کے بڑے قدردان ہیں، درمیان مطالعہ انہوں نے احساس کیا کہ فتاوی رحیمیہ گجراتی میں ایسے بہت سے فتاوی ہیں جو اردو میں شائع نہیں ہوئے ہیں، ایسے فتاوی کی انہوں نے فہرست مرتب کی، ان فتاوی کا اردو میں ترجمہ کی خدمت مفتی عبدالقیوم کاٹھیاواڑی دام مجدہ' رفیق دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے مفتی احمد خانپوری صاحب کی زیرنگرانی انجام دی وہ فتاوی شامل اشاعت ہیں''

اور جلد ۹/صفحہ ۱۶/ پر: ''اس جلد میں بھی بہت سے گجراتی فتاوی اردو میں ترجمہ کر کے شامل کئے گئے ہیں، ترجمہ کی خدمت مفتی عبدالقیوم کاٹھیاواڑی' رفیق دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے مفتی احمد خانپوری صاحب کی زیرنگرانی انجام دی'' الخ۔

اسی طرح اور کئی محسنین کا تذکرہ رہ جائے گا۔

(۲)......زکوۃ کا باب تیسری جلد میں صرف چند صفحات میں ہے بقیہ چوتھی جلد میں ہے، کاش کہ پورا باب ہی چوتھی جلد میں آجاتا۔ مناسب سمجھیں تو آئندہ طباعت میں پورا باب چوتھی جلد میں مکمل فرمالیں۔

(۳)......''فتاوی رحیمیہ'' میں کئی سوالات کے جوابات مستقل ایک رسالہ کی شکل میں آ گئے ہیں ان کو مستقل رسالے کی شکل میں شائع کیا جاتا، اس طرح کہ ہر رسالہ علیحدہ صفحہ سے شروع ہوتا اور سرورق پر رسالہ کا نام جلی حروف سے، مصنف کا نام وغیرہ عام رسائل کی طرح تو بہت اچھا ہوتا، مثلاً ''اسلام میں سنت کی عظمت و بدعت کی قباحت'' طلاق ثلاثہ'' ''تراویح'' صلہ رحمی'' وغیرہ۔

(۴)......ص ۶۷ ج ۴ / پر'' تبصرہ نگار الفرقان (لکھنو) کے اشکال کا جواب'' کا عنوان صحیح ہے یا قابل اصلاح؟ میرے خیال میں اس عنوان کو بدلنے کی ضرورت ہے، آپ بھی مزید غور فرمالیں۔

(۵)......پہلی جلد میں ''اہل حق اور فرق باطلہ کا بیان'' کے عنوان سے تمام فرقوں کو ایک ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، اگر قادیانی' شیعہ' وغیرہ عنوان سے سوالات کو اگر علیحدہ علیحدہ فصل پر تقسیم کر دیا جاتا تو تلاش میں زیادہ آسانی رہتی۔

(۶)......''فتاوی رحیمیہ'' (قدیم) جلد ۹ / صفحہ ۴۱۳ / پر'' برطانیہ کے سفر کے دوران'' رویت ہلال کمیٹی جمعیت علماء برطانیہ کی دعوت پر احقر کی زیر صدارت اجلاس کی مختصر روداد اور متفقہ فیصلہ کی عکسی نقل'' حضرت کی تفصیلی تحریر نئی طباعت میں باوجود تلاش کے نہیں مل سکی۔ کیا واقعی آپ نے جان کر اسے حذف فرما دیا ہے، یا سہوا چھوٹ گئی، یا ہے اور مجھے نہیں ملی۔

میری حقیر رائے میں اس تحریر کو ضرور نقل کرنا چاہئے کہ مصنف کی تحریر بغیر اس کی اجازت کے حذف کرنا شاید شرعا بھی صحیح نہ ہو؟

(۷)......فتاوی رحیمیہ (قدیم ص ۳۹۶ سے لے کر ۴۱۲ / تک) فتاوی رحیمیہ اور دلائل عقلیہ'' کے عنوان سے راقم کا مضمون جسے حضرت رحمہ اللہ نے خود اپنے اہتمام اور ایک صفحہ

کے حوصلہ افزا تحریر کے ساتھ شائع کیا تھا وہ بھی راقم کو باوجود تلاش کے نہ مل سکا۔ کیا واقعی یہ مضمون بھی عمداً حذف کر دیا گیا ہے یا سہواً، اگر سہواً ہو تو آئندہ طباعت میں اسے ضرور شامل فرمالیں اور اگر عمداً اسے حذف کیا گیا ہو تو' راقم بڑے ادب سے التجا کرتا ہے کہ آپ کو حضرت رحمہ اللہ کی کتاب میں اس طرح تصرف کرنے کا شرعاً حق ہے؟

(۸)...... دوران مطالعہ کمپوزنگ کی کم ہی اغلاط نظر آئیں، جو نظر سے گذریں وہ درج ذیل ہیں، تاکہ آئندہ طباعت میں اصلاح کی جاسکے:

ص ۶۷ ج ۴ر سطر ۱۶ر پر ''لاجپوری'' کے بجائے ''لاچپوری'' ہو گیا ہے۔ ص ۳۶ ج ۵ سطر ۱۷ر پر ''رومال'' کو ''رومان'' کر دیا گیا ہے۔ ص ۳۷ ج ۵ر سطر ۹ر پر ''اتوار'' کو ''اتور'' لکھ دیا گیا ہے۔

یہ چند باتیں دوران مطالعہ نظر سے گذریں تو خیال آیا کہ آپ کی خدمت میں بلا تکلف عرض کر دوں، امید کہ میری تحریر میں کوئی بات خلاف ادب آگئی ہو تو درگذر فرمائیں گے۔ اور نمبر ۶ و ۷ر کے متعلق جو عرض کیا گیا امید کہ بار خاطر نہ ہوگا۔

راقم کا یہ عریضہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہم ودامت برکاتہم کی خدمت میں پیش فرمادیں تاکہ حضرت والا بھی اپنی رائے عالی سے کوئی مناسب مشورہ عنایت فرمانا چاہیں تو عنایت فرسکیں۔

اسی طرح حضرت والا کے نام میرا عریضہ جو ارسال خدمت ہے' آپ بھی اسے ملاحظہ فرمالیں تاکہ آپ بھی ان معروضات پر غور فرماسکیں۔ آخر میں پھر عرض کرتا ہوں کہ کوئی بات خلاف ادب لکھ دی گئی ہو تو معاف فرما کر ممنون فرمائیں، فقط والسلام: مرغوب احمد

۱۱ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۷ر دسمبر ۲۰۱۱، بدھ

لونڈی اپنے مالک کیلئے بغیر نکاح کیوں حلال ہے؟

(۱)......کسی صاحب کے اس سوال پر ''لونڈی اپنے مالک کے لئے بغیر نکاح کے بھی حلال ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ اور اس میں کیا حکمت ہے؟۔

حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا:

اگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام لونڈیوں کی حلت کے لئے نکاح لازم فرماتے تو خود لونڈیوں کو بڑی دشواری پیش آتی، قرآن مجید میں ہے کہ: حق تعالیٰ تمہارے لئے سہل اور آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں، اور تمہیں دشواری اور مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے: ﴿ یرید الله بکم الیسر ﴾۔ (الآیۃ، بقرۃ)

یاد رہے کہ شریعت میں مالک کے لئے لونڈی کی حلت کا حکم کسی خراب منشاء و برے مقصد کے لئے نہیں، بلکہ وہ سراسر معاشرتی وتہذیبی مصلحت اور لونڈیوں کی خیر خواہی ہے۔

لونڈی کے لئے نکاح کی حاجت اس لئے نہیں کہ شریعت نے لونڈی کی ملکیت کو جواز وطی کے لئے نکاح کا قائم مقام بنا دیا ہے، جس طرح ایجاب وقبول سے نکاح کا انعقاد اور ملک بضعہ حاصل ہو جاتا ہے، یعنی حق تمتع (منکوحہ سے وطی کا حق) محض اعتبار شرعی ہے، اسی طرح لونڈی کے ملک میں آ جانے سے حق تمتع کا حاصل ہو جانا بھی شرعی اعتبار ہے، تو اس کے جواز میں شرعاً و عقلاً کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ واضح کر دینا بھی مناسب ہے کہ اعتبار کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں، مثلاً بکریوں وغیرہ حیوانات اور پرندوں کے حلال ہونے کے لئے ذبح کرنا (بسم الله الله اکبر، کہہ کر کاٹنا) شرط اور ضروری ہے، بغیر ذبح کے حلال نہیں ہو سکتے، برخلاف مچھلی کے کہ اس کی حلت کے لئے ذبح شرط نہیں ہے، ذبح کے بغیر بھی کھا سکتے ہیں، مچھلی کا قبضہ میں آ جانا اور اس کا مالک

ہو جانا ہی اس کے ذبح کے قائم مقام ہے، حالانکہ دونوں قسم کے حیوانات جاندار ہیں، لیکن ایک کے لئے ذبح شرط ہے، دوسرے کے لئے ذبح شرط نہیں، تو آزاد عورت کی حلت کے لئے نکاح شرط ہوا اور لونڈی کی حلت کے لئے نکاح شرط نہ ہوا اور اس کی ملکیت کو قائم مقام نکاح کے سمجھا جائے تو اس میں کیا خلاف عقل ہے؟۔ ؎

اب یہ بات کہ مملوکہ لونڈی نکاح کے بغیر کیوں حلال ہے؟ یہاں ایجاب وقبول اور نکاح کی قید کیوں نہیں؟ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی ضرورت ہی نہیں، یعنی نکاح میں ایجاب وقبول اس لئے ہوتا ہے کہ ایک خاص طرح کا فائدہ جس کا آپ کو حق نہیں ہے، شرعاً آپ کو اس کا حق حاصل ہو جائے، یہاں جب خریداری اور ملکیت کے باعث آپ پوری باندی اور اس کے جملہ حقوق کے مالک ہو گئے تو اس فائدہ کے بھی مالک ہو گئے جو نکاح کے ذریعہ حاصل ہوا کرتا ہے، اب نکاح تحصیل حاصل اور قطعاً فضول ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے: ﴿ ان تبتغوا باموالکم ﴾ یعنی خواتین کی حرمت کا لحاظ کرتے ہوئے کلام الٰہی نے یہ شرط قرار دیا ہے کہ کچھ مال پیش کیا جائے جس کو ''مہر'' کہا جاتا ہے، اب اگر باندی کا نکاح کسی غیر شخص سے کیا جائے تو یہ مال (مہر) باندی کا مالک لے گا، لیکن اگر باندی کا نکاح خود مالک سے ہو تو سوال یہ ہے کہ مال یعنی مہر کون دے گا اور کون لیے گا؟۔

باندی جب تک باندی ہے حق ملکیت سے محروم ہے، وہ کسی چیز کی مالک نہیں ہو سکتی، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ مالک کا ہے، اب کیا مالک سے لیکر مالک کو دیدے، اور مالک

؎......مچھلی بغیر ذبح کیوں حلال ہے؟ اس عنوان کا ایک فتوی حضرت رحمہ اللہ کے ''فتاوی رحیمیہ'' (ص ۳۳۷ ج ۶) میں ہے: اس میں ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ: مچھلی میں دم مسفوح نہیں ہے۔

خود ہی مطالبہ کرنے والا بھی ہو، اور خود ہی ادا کرنے والا بھی، یہ ایک مذاق ہے، شرعی حکم اور قانون نہیں بن سکتا۔

اس میں اور بھی دقتیں ہیں، جس بنا پر نکاح کی قید خلاف حکمت تھی، مثلاً یہ کہ جب یہ باندی آزاد کا کفو نہیں تو اس کو شوہر میسر آنا مشکل ہوگا جس کا اثر یہ ہوسکتا ہے کہ جنسی آوارگی پیدا ہو، جس کو کتاب اللہ میں فاحشہ اور فحشاء فرمایا گیا ہے، جو عند اللہ غیر محبوب اور بدترین خصلت ہے، پس شریعت نے یہ صورت تجویز فرمائی جو اگرچہ فی الحال نکاح کی صورت نہیں رکھتی، مگر نتیجہ کے لحاظ سے نکاح کی شان پیدا کرتی ہے، کیونکہ باندی سے بچہ پیدا ہونے کے بعد مالک کی ملکیت ناقص ہو جاتی ہے، یعنی اس کو فروخت کرنا جائز نہیں رہتا، وہ اس کے یہاں بچوں کی ماں، گھر کی گھر ستن اور اپنے مالک کی بیوی کی طرح رہے گی، اور مالک کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے گی، وارثوں کو نہیں دی جاسکتی، نہ فروخت کی جاسکتی ہے۔

(ص۵۴/۵۵/۵۶ ج۱)

حالت حیض میں صحبت کے متعلق

(۲)......ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ: ایک حدیث نظر سے گذری جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: حائضہ سے صحبت کرے تو نصف دینار خیرات کرے۔ (مشکوٰۃ)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حالت حیض میں صحبت کرنی ہو تو نصف دینار خیرات کر کے کرے، لہذا اس کی وضاحت فرما کر ممنون کریں۔

جوابا فرمایا:......آپ نے حدیث کا جو مطلب سمجھا کہ حالت حیض میں نصف دینار خیرات کر کے صحبت کر سکتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، نصف دینار خیرات کرنا بطور فیس کے نہیں، بطور جرمانہ اور سزا کے ہے، اور غضب خداوندی سے بچنے کے لئے ہے۔ کتب فقہ میں ہے

کہ کوئی رمضان المبارک میں حالت صوم میں صحبت کرے تو کفارہ لازم ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزہ کی حالت میں صحبت کرنی ہو تو کفارہ دیکر کر سکتے ہیں۔ (ص۶۴ ج ۱)

نماز کے بعد جہری دعا کا حکم

(۳)......ایک شخص نے پوچھا کہ: فرض با جماعت کے بعد دعا آہستہ مانگے یا زور سے؟ اگر آہستہ کا حکم ہے تو کس قدر؟ اور اگر زور سے مانگنے کا حکم ہے تو کس قدر؟ دونوں میں کونسا افضل ہے؟ حدیث میں نماز کے بعد کس قدر دعائیں مانگنا وارد ہے؟ وہ سنے بغیر کس طرح مروی ہیں، لہذا افضل کیا ہے؟ مطلع فرمائیں؟

حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے جواب عنایت فرماتے ہوئے فرمایا:......سری دعا افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کرلے جائز ہے، ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے، حدیثوں میں جس طرح دعا کے متعلق روایتیں ہیں: کہ آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی ایسے ہی یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' اور سجدہ میں ''سبحان ربی الاعلی'' پڑھا، لیکن جس طرح رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کی روایتوں سے جہر نہیں ثابت ہوتا دعا کی روایتوں سے بھی جہر نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ (ص۱۸۳ ج ۱)

جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے میں محلّہ کی مسجد کی بے حرمتی ہے؟

(۴)......ایک صاحب کے اس استدلال پر کہ نماز جمعہ جامع مسجد میں پڑھی جائے تو مسجد محلّہ ویران پڑی رہے گی، اور مسجد کی بے حرمتی ہوگی، کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

جس طرح نماز عید کے لئے جامع مسجد بند کر کے عیدگاہ جانے میں جامع مسجد کے

احترام میں کچھ خلل نہیں آتا ہے، یہی نہیں بلکہ اس سے اسلامی شان وشوکت میں اضافہ ہوتا ہے، (ویسے ہی محلّہ کی مسجد بند کرنے میں مسجد کی بے حرمتی نہیں ہے)۔ (ص۲۵۴ ج۱)

حاضرین عربی نہیں سمجھتے اس لئے خطبہ غیر عربی میں پڑھنا کیسا ہے؟

(۵)......خطبہ جمعہ وعیدین عربی میں پڑھا جانا چاہئے، اس پر بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ چونکہ عام لوگ عربی سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لئے خطبہ سمجھ میں نہیں آتا، اس پر رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اگر خطبہ عربی سمجھ میں نہیں آتا تو نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ بھی کہاں سمجھ میں آتا ہے؟ قرأت بھی ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں؟ تو کیا ان تمام کو اردو کا جامہ پہنایا جائے؟ اس مرض کا اصلی علاج یہ ہے کہ عربی اتنی سیکھ لی جائے کہ خطبہ وغیرہ کا مطلب سمجھ سکیں، عبادت کی صورت مسخ کرنا یہ اس کا علاج نہیں ہے۔ (ص۲۷۰ ج۱)

روزہ کی غلطی معاف ہے لیکن نماز اور حج کی غلطی کیوں معاف نہیں؟

(۶)......سوال: حدیث میں ہے کہ جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لیا تو وہ اپنے روزہ کو پورا کرلے، کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے، بخلاف نماز اور حج کے کہ ان میں بھول مقاف نہیں، اس کی کیا وجہ؟

الجواب:......اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہیئت نہیں ہے، جو روزہ کو یاد دلاتی ہو، اس لئے روزہ میں معاف سمجھا گیا، بخلاف نماز اور حج کے کہ نماز میں استقبال قبلہ نماز کو یاد دلانے والی ہیئت ہے، اور حج میں احرام یعنی بغیر سلا ہوا کپڑا پہننا وغیرہ ہیئت مذکرہ ہے، اس لئے حج اور نماز میں معذور نہیں سمجھا گیا۔ (۴۶/۲)

سود کے مسئلہ میں ایک مضمون نگار کا تعاقب

(۷)......ایک مضمون نگار نے سود کے متعلق بکواس کرتے ہوئے لکھا کہ: ''ظلم نہ ہوتا ہوتو سود حرام نہیں ہے'' مضمون نگار کا دعوی یہ ہے کہ سود لینا غریب سے حرام ہے، سرمایہ داروں سے سود لینا حرام نہیں، اور قرآنی حکم ﴿ وان تصدقوا خیر لکم ﴾ سے اپنی سمجھ کے مطابق یہ نئی تفسیر گھڑی، مضمون نگار کے نظریہ کا خلاصہ ان کے الفاظ میں یہ ہے:

''قرآن مجید کی آیات میں سود کا خلاصہ کر کے لینے دینے کو حرام قرار دیا ہے، وہ ایسا سود ہے جو زکوۃ، خیرات وغیرہ کی امداد کے حقدار ہوں، ایسے غریب حاجت مندوں کے پاس سے وصول کر کے اس پر ظلم کیا جائے''۔

اس باطل نظریہ کا جو رد حضرت مفتی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے، وہ قابل داد ہے، اس تفصیلی جواب کے آخر میں ''مقالہ نگار صاحب کی جدت'' کے عنوان سے جو عقلی جواب ہے، وہ میرے موضوع کا مقصد ہے۔ وھوھذا:

''یہاں صدقہ کا لفظ آ گیا ہے بقول: ''دیوانہ را ہوئے بس است'' مقالہ نگار صاحب نے اسی لفظ کو لیکر یہ اجتہاد کر ڈالا کہ سود لینا مالداروں سے حرام نہیں ہے، صرف ان غریبوں سے سود لینا حرام ہے، جو خود مستحق صدقہ ہوں۔

مقالہ نگار صاحب نے قرآن شریف کے ایک لفظ کو اختراعی اور مصنوعی معنی پہنا کر ان تمام آیتوں پر خط نسخ کھینچ دیا جو پہلے آ چکی ہیں، اگر مقالہ نگار صاحب کا یہی اجتہاد کارفرما رہا تو ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ مقالہ نگار صاحب نماز بھی غریبوں سے معاف کراویں گے، کیونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ الفاظ ہیں: ﴿ اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ ﴾ (نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو) تو مقالہ نگار صاحب غالبا یہی فیصلہ کریں گے کہ نماز اس پر فرض ہے

جس پر زکوۃ فرض ہوتی ہے اور جس پر زکوۃ فرض نہیں ہے اس پر نماز بھی فرض نہیں، پھر وہ شاید جوئے کو جائز قرار دیں، بلکہ ممکن ہے فرض کہنے لگیں، کیونکہ ''بخاری شریف'' میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص دوسرے سے کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اس پر ضروری ہے کہ وہ صدقہ کرے۔

مقالہ نگار صاحب کو کہہ دینا چاہئے کہ جوا اس کے لئے حرام ہے جو صدقہ کر سکے اور جو غریب صدقہ نہ کر سکے اس کے لئے جوا حرام نہیں، معاذ اللہ اگر اسی کا نام تحقیق ہے تو پھر کسی لغت کی کتاب میں دیکھنا پڑے گا کہ (معاذ اللہ) قرآن پاک کی توہین اور آیات اور احادیث سے استہزاء کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ معاذ اللہ۔ (ص ۲۱۸/۲۱۹ ج ۲)

ایک حدیث سے قربانی کے سنت ہونے کا استدلال صحیح ہے؟

(۸)......سوال: ایک غیر مقلد کا قول ہے کہ قربانی واجب نہیں محض سنت ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ: آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے ''جو کوئی ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور اس کا ارادہ قربانی کا ہو تو وہ اپنے بال ناخن تاوقتیکہ قربانی کر لے نہ کاٹے''۔

''قصد وارادہ'' ہو یہ لفظ بتلاتا ہے کہ قربانی واجب نہیں صرف سنت ہے، کیا یہ دلیل برابر ہے؟

الجواب:......قربانی محض سنت نہیں واجب ہے، سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: جو صاحب نصاب مستطیع ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے:

''عن ابی هريرة: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا''۔ (ابن ماجہ ص ۲۳۲)

یعنی جو کشائش پاوے اور قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ کے پاس نہ بھٹکے (نہ جائے)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی واجب ہے۔

باقی یہ کہ حدیث شریف میں لفظ ''اراد'' آیا ہے تو یہ ایک محاورہ اور عام بول چال ہے، یہ وجوب کے خلاف نہیں، حج کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے، حدیث میں ہے: ''من اراد الحج فلیتعجل''یعنی جو حج کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ جلدی کرے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۲)

تو کیا حج بھی سنت ہے؟ فرض نہیں؟ خلاصہ یہ کہ قربانی واجب ہے محض سنت نہیں۔

(ص ۱۷۹ ج ۳)

حفاظ کی عزت افزائی کے لئے پھولوں کا ہار پہنانا

(۹)......سوال: تراویح میں ختم قرآن کی رات حافظ صاحب کی عزت افزائی کے لئے پھولوں کا ہار پہنانا کیسا ہے؟

الجواب:......ختم قرآن کی شب حفاظ کو پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے، یہ رواج برا اور قابل ترک ہے، اور اس میں اسراف بھی ہے، اگر حفاظ کی عزت افزائی مقصود ہے تو ان کو عربی رومال یا شال کیوں نہیں پہناتے؟۔ (ص ۴۲۵ ج ۴)

غروب سے پہلے چاند نظر آ جائے تو افطار کا حکم

(۱۰)......عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے نظر آ جائے تو روزہ افطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے فتوی لکھا کہ: روزہ افطار نہیں کر سکتے، اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کا فتوی یہ تھا:

''کسی عورت کو اگر اس دن اخیری وقت میں حیض آ جائے تو اس کو افطار کر لینے کا حکم ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے مذکورہ حالت میں بھی ایسا کر سکتے ہیں، یعنی روزہ افطار کر لینا چاہئے''۔

کسی صاحب نے ان دونوں فتاوی میں تعارض پر یہ سوال کیا کہ دونوں میں صحیح کون ہے؟اس پر جواباً تحریر فرمایا:

''بحمد اللہ'' فتاوی رحیمیہ'' کا فتوی صحیح ہے الی قولہ، آپ نے جو فتوی نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، اور نہ اس پر عمل جائز ہے، حائضہ پر قیاس کرتے ہوئے روزہ افطار نہیں کر سکتے، حیض آتے ہی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اس پر قضا لازم ہے، بحالت حیض روزہ رکھنا حرام ہے، اگر چاند دیکھ کر روزہ افطار کرنا جائز ہو تو مغرب کی نماز بھی جائز ہونی چاہئے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ (ص۱۹۳ ج ۵)

مطلقہ کے نفقہ کی شرعی حیثیت پر عجیب استدلال

(۱۱)...... مطلقہ عورت کا نفقہ شوہر پر کب تک لازم ہے، شرعی فیصلہ کو چھوڑ کر حکومت کے قانون کا سہارا لیکر نکاح ثانی تک نفقہ کا مطالبہ کرنا کیسا ہے؟ اس کا تفصیلی جواب تو فتاوی میں ہے، اس میں ایک عجیب استدلال سے اپنے مدعی کا ثبوت قابل داد ہے۔

''شرعی اصطلاح میں نفقہ سے مراد خوراک، پوشاک اور رہنے کا گھر ہے، شوہر پر عورت کے نفقہ کے وجوب کا سبب ازدواجی تعلق کا قیام ہے، لہذا نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہو جاتا ہے، اور جب تک یہ ازدواجی تعلق قائم رہے گا شوہر پر اس کا نفقہ لازم رہے گا، اور جب یہ تعلق ختم ہو جائے گا تو سبب کے فوت ہونے کی وجہ سے نفقہ کا لزوم بھی نہ رہے گا، جس طرح نوکری اور سرکاری ملازمت کے قائم ہونے کی وجہ سے تنخواہ کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے، اور ملازم کی بدعہدی و نافرمانی کے سبب ملازمت کا تعلق ختم ہو جانے پر تنخواہ کی ادائیگی موقوف ہو جاتی ہے، اس کے بعد وہ ملازم تا حیات یا دوسری ملازمت ملنے تک تنخواہ کا مستحق نہیں ہوتا، ملازم کیا کرے گا؟ کہاں سے کھائے گا؟ جوئے باز اور چور بن کر

معاشرہ کو تباہ و برباد کرے گا، ان باتوں کی طرف کسی کا خیال نہیں جاتا، تو جس عورت کو اس کی بدزبانی، بدخلقی، بے وفائی اور نشوز (نافرمانی) کی وجہ سے نکاح سے الگ کر دیا گیا ہو، یہ خیال کر کے کہ وہ کہاں سے کھائے گی، کہاں جائے گی، بدچلن بن جائے گی، شوہر پر اس کی زندگی تک یا نکاح ثانی کرنے تک اسک کا نفقہ لازم کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟

(ص ۴۱۷ ج ۵)

قبر پر اذان دینے والوں کے ایک استدلال کا عمدہ رد

(۱۲)......قبر پر اذان دینے والوں کے اس استدلال پر کہ ''اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے، مردہ اس کی شرارت سے محفوظ رہتا ہے'' رد فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جہاں شیطان شرارت کرے وہاں اذان دینا چاہئے، حدیث میں ہے: ''انّ الشیطان یجری من الانسان مجری الدم''۔ (متفق علیہ)

شیطان انسان کے بدن میں داخل ہو کر خون کی طرح دوڑتا ہے (اور انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸/ باب فی الوسوسۃ)

اہل بدعت بتلائیں کیا اس وقت اذان دینا مسنون ہے؟۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ: جب میاں بیوی صحبت کرتے ہیں تو شیطان شرارت کرتا ہے، اور شامل ہونے کی کوشش کرتا ہے، اسی لئے حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ صحبت سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے: ''بسم اللہ اللھم جنّبنا الشیطان، وجنّب الشیطان ما رزقتنا''۔

اے اللہ تو ہمیں شیطان سے دور رکھ، اور جو اولاد تو عطا کرے اسے بھی شیطانی اثر سے محفوظ رکھ۔

اور بوقت انزال دل میں یہ دعا پڑھنے کی ہدایت فرمائی: ''اللھم لا تجعل للشیطان فیما رزقتنی نصیبا''۔ (حصن حصین ص ۱۲۰)

اے اللہ! جو کچھ تو ہمیں عطا فرمائے اس میں شیطان کا حصہ مت رکھ۔

کیا اہل بدعت بوقت مصاحبت اذان دیتے ہیں؟ اگر نہیں دیتے تو کیا وجہ ہے؟

اسی طرح حدیث میں ہے: کہ بیت الخلاء میں خبیث جنات مرد اور عورتیں رہتی ہیں جو انسان کی شرمگاہ سے کھیلتے ہیں، اور شرارت کرتے ہیں، اسی لئے حضور ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی کہ بیت الخلاء جانے سے پہلے یہ دعا پڑھیں: ''اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث''۔

کیا یہ بدعتی بیت الخلاء میں جاتے وقت شیطانی شرارت سے محفوظ رہنے کے لئے اذان دیتے ہیں؟ اگر نہیں دیتے تو کیا وجہ؟ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ: ان مواقع میں اذان دینا ثابت نہیں، اس لئے نہیں دیتے، اسی طرح قبر پر اذان دینا ثابت نہیں، اس لئے قبر پر اذان نہیں دیتے اور نہ اسے مسنون سمجھتے ہیں۔ (ص ۲۳۵ ج ٦)

زوجین کی شرمگاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے اسلئے چومنے کی اجازت ہے؟

(۱۳)......سوال: مرد وعورت کی شرمگاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر بوقت ہمبستری عورت مرد کی شرمگاہ کو منھ میں لیوے یا مرد عورت کی شرمگاہ کے ظاہری حصہ کو زبان لگائے، چومے تو ایسی حرکتوں میں قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب:...... بے شک شرمگاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر پاک چیز کو منھ لگایا جائے، اور منھ میں لیا جائے، اس کو چوما جائے اور چاٹا جائے، ناک کی رطوبت پاک ہے تو کیا ناک کے اندرونی حصہ کو زبان لگانا اس کی رطوبت کو منھ میں لینا پسندیدہ

چیز (خصلت) ہوسکتی ہے؟ اور اس کی اجازت ہوسکتی ہے؟۔ مقعد (پاخانہ کا مقام) کا ظاہری حصہ بھی ناپاک نہیں، پاک ہے تو کیا اس کو چومنے کی اجازت ہوگی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسی طرح عورت کی شرمگاہ کو چومنے اور زبان لگانے کی اجازت نہیں، سخت مکروہ اور گناہ ہے، کتوں، بکروں وغیرہ حیوانات کی خصلت کے مشابہ ہے۔ (ص ۲۷۰ ج ۶)

نوٹ:...... یہ پورا سوال و جواب قابل دید ہے، اس سوال کا جو جواب حضرت نے اپنی شان فقاہت سے دیا ہے، یہ واقعی آپ ہی کا حصہ ہے۔

خصی کلمہ گو ہے پھر اسکی امامت کیوں مکروہ ہے؟

(۱۴)...... حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے فتوی (خصی اور ہجڑے کو امام بنانا جائز نہیں نماز مکروہ ہوتی ہے) پر ایک صاحب نے یہ اشکال کیا کہ جو نسبندی کرا رہا ہے وہ کلمہ گو تو ہے، اس کا ایمان تو صحیح ہے، پھر اس کے پیچھے نماز کیوں درست نہیں؟ اس پر تحریر فرمایا کہ:

''ہر کلمہ گو کی امامت درست ہو یہ ضروری نہیں ہے، عورت بھی کلمہ گو ہے، لیکن اس کی امامت درست نہیں ہے، نابالغ بھی کلمہ گو ہے، مگر اسے امام بنانے کی شرعاً اجازت نہیں، اسی طرح از راہ رغبت (اپنی مرضی سے) خصی بننے والے کو امامت کا اعلی منصب عطا کرنا درست نہیں، خصی ہونا حرام ہے، ملاحظہ ہو۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۲۳۶ ج ۲۔ اور ص ۳۳۶ ج ۶)

طلاق میں مرد کیوں مختار ہے؟

(۱۵)...... سوال: طلاق دینے میں مرد کیوں مختار ہے؟ جب کہ نکاح کے وقت عورت کی مرضی معلوم کی جاتی ہے، تو طلاق کے وقت کیوں معلوم نہیں کی جاتی؟۔

الجواب:...... اس سوال پر تفصیلی بحث تو فتاوی میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، مضمون کے متعلق کی چند سطریں نقل کی جاتی ہیں۔

آ قا ملازم رکھتا ہے تو معاملہ دونوں کی رضامندی سے طے ہوتا ہے، لیکن جب ملازم آ قا کے کام کا نہیں رہتا، دونوں میں ان بن ہو جاتی ہے، تو آ قا اسے علیحدہ کر دیتا ہے، ملازم رضامند ہو یا نہ ہو، اسی طرح جب ملازم کا دل ملازمت سے اچاٹ ہو جاتا ہے تو وہ استعفی دے کر علیحدگی اختیار کر لیتا ہے، یہ دنیوی قاعدہ ہے، جسے بخوشی قبول کیا جاتا ہے، تو شرعی قانون قبول کرنے میں کیوں تأمل ہے؟۔(ص۳۴۹ج۶)

حجر اسود کا بوسہ دینے میں اس کی عبادت کا شائبہ ہے

(۱۶)......سوال: غیر مسلم اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان حجر اسود کو بوسہ دے کر اس کی پوجا کرتے ہیں، ان کو کیا جواب دیا جائے؟

الجواب:......حجر اسود کو بوسہ محبت کی غرض سے دیا جاتا ہے (الی قولہ) آدمی اپنی اولاد اور بیوی کو بھی بوسہ دیتا ہے، تو کیا انہیں معبود سمجھ کر دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔(ص۳۲ج۸)

مصلیوں تک آواز پہنچانے کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

(۱۷)......سوال: امام کی تکبیرات انتقال کی آواز بذریعہ مکبرین مصلیوں تک پہنچ جاتی ہے، مگر امام کی قرات کی آواز مصلی حضرات تک نہیں پہنچتی، لہذا نماز عید میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیسا ہے؟

الجواب:......صحت صلوۃ کے لئے امام کی قراءت کا سننا ضروری نہیں، ظہر اور عصر میں امام کی قراءت کہاں سنائی دیتی ہے؟ ایسے ہی مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری و چوتھی رکعت میں قراءت نہیں سنائی دیتی، اس کے باوجود نماز صحیح ہو جاتی ہے۔(ص۱۷۰ج۸)

عورت کا بغیر محرم حج کرنا

(۱۸)...... چند عورتیں بغیر محرم کے قافلہ کی شکل میں حج میں جاسکتی ہیں؟ اس پر تفصیلی بحث فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

صرف عورتیں ہی عورتیں ہونے کی صورت میں خوف فتنہ بڑھ جائے گا، سڑک پر ایک چھوٹے بچہ کے لئے گاڑی، گھوڑے وغیرہ کا جو خطرہ رہتا ہے، اس کے ساتھ دو چار بچے اور ہو جانے سے اندیشہ ختم ہو گا یا بڑھے گا؟۔

تقلید کی حیثیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے

(۱۹)...... دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت کی جائے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اسی لئے واجب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے قول و فعل سے احکام الہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کونسی چیز حلال ہے، کونسی چیز حرام ہے، کیا جائز ہے، اور کیا ناجائز، ان تمام معاملات میں اطاعت تو صرف خدا کی کرنی ہے، مگر چونکہ آپ ﷺ ان معاملات کے مبلغ اور پہنچانے والے ہیں، اس لئے ہم آنحضرت ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں، اور حضور ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے، ارشاد خداوندی ہے: ﴿ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ﴾ لہذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ضروری ہے، اور جو شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو تو یہ یقیناً مذموم ہے، لہذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے احکام کی پاسداری اور اطاعت کرے۔

قرآن وحدیث (سنت) میں بعض احکام ایسے ہیں جو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ

سے صراحۃً ثابت ہیں، جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے، اس قسم کے احکام اور مسائل ''منصوصہ'' کہلاتے ہیں، لیکن بعض احکام ایسے ہیں جن میں کسی قدر ابہام و اجمال ہے، اور بعض آیات و احادیث ایسی ہیں جو چند معانی کا احتمال رکھتی ہیں، بعض محکم ہیں، اور بعض متشابہ، کوئی مشترک ہے تو کوئی مؤول، اور کچھ احکام ایسے ہیں کہ بظاہر قرآن کی کسی دوسری آیت یا کسی دوسری حدیث سے متعارض معلوم ہوتے ہیں، اس کی چند مثالیں بیان فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ٹھنڈے دل سے اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ تقلید ایک امر فطری ہے، اور ایک قدرتی ناگزیر ضرورت ہے جو انسان کے ساتھ مثل سائے کے لگی ہوئی ہے، غیر مقلدین بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں، ان کے گھروں میں چھوٹے بچے گھر کے بڑوں کو ہی دیکھ کر نماز پڑھتے ہیں، اور دوسرے اعمال کرتے ہیں اور ان کے گھر میں مستورات محدثہ، عالمہ فاضلہ نہیں ہوتیں، مردوں ہی سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتی ہیں، اور خود غیر مقلدین عالم فاضل محدث نہیں ہوتے، وہ بھی اپنے بڑوں ہی سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے ہیں، اور اس پوچھ پوچھ کر عمل کرنے کو مذموم نہیں سمجھا جاتا، اس کو شرک بدعت اور گناہ نہیں کہا جاتا، اور معمولی صنعت و حرفت میں بھی بغیر تقلید کے کام نہیں چلتا، طب کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انسان حکیم اور ڈاکٹر نہیں بن جاتا، اور ایسا شخص اگر مطب کھول کر بیٹھ جائے تو اسے مجرم کہا جاتا ہے، اور جو اس سے علاج کرائے وہ اس سے بڑا نادان سمجھا جاتا ہے، مثل مشہور ہے:

''نیم حکیم خطرۂ جان و نیم ملا خطرۂ ایمان''

بہر حال دنیا کے ہر کام میں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن دین کے معاملہ میں چند حدیث کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر اپنے آپ کو علوم قرآن و حدیث کا ماہر سمجھنے لگنا، اور ائمہ

ہدی و اسلاف عظام کے ساتھ بدگمانی کرنا، ان کی شان میں بدزبانی اور گستاخی کرنا، اور ان کی تقلید کو شرک و بدعت کہنا، اور اپنی ناقص فہم و عقل پر اعتماد کرنا، اور ہوائے نفسانی کی اتباع کو عین توحید سمجھنا، یہ کہاں کا انصاف ہے؟۔

''بریں عقل و دانش بباید گریست''

اگر ہمارے غیر مقلدین بھائی ہٹ دھرمی کٹ حجتی اور ضد کو چھوڑ کر دیانت داری' سنجیدگی، اور ٹھنڈے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے عقیدے پر جمے رہیں، اور اپنی پہلی روش پر ندامت اختیار نہ کریں۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۱۸۲ ج ۴)

ایک مثال سے بدعت کی قباحت کی وضاحت

(۲۰)......حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی نے اپنے ایک رسالہ ''اسلام میں سنت کی عظمت اور بدعت کی قباحت'' میں بدعت کی مذمت و قباحت اور بدعت سے سنت پر کیا اثر ہوتا ہے، اس کو ایک مثال سے اس طرح بیان فرمایا کہ بات دل میں اتر جاتی ہے، اور اس کے سوا دوسری بات نہیں رہتی کہ یوں کہا جائے کہ بدعت کا ترک ہی لازم اور ضروری ہے تا کہ امت سنت کے انوار سے اپنے اعمال کو منور کرے، اور سنت کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

بدعت سے سنت کو عظیم نقصان پہنچتا ہے، بدعت سنت کی جگہ لے لیتی ہے، اور بالآخر سنت نیست و نابود ہو جاتی ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھئے!

گیہوں' چاول' باجرہ وغیرہ کے کھیت میں گھاس اور بیکار قسم کے پودے اگ آتے ہیں، اور وہ جس قدر بڑھتے ہیں اس قدر فصل اور کھیتی کو نقصان پہنچتا ہے، اس نقصان سے حفاظت کے لئے کسان ان گھاس اور پودوں کو جڑ سے نکال دیتا ہے، تو گیہوں وغیرہ کے

پودے پھلتے پھولتے ہیں، اور فصل عمدہ ہوتی ہے، اگر وہ گھاس اور پودے اکھاڑے نہ جائیں تو کھیتی اور فصل کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، یہی حال بدعت کا ہے، بدعت گھاس اور بیکار قسم کے پودوں کے مانند ہے جو سنت کو پھلنے پھولنے نہیں دیتی، اسے دبائے رکھتی ہے، اگر ابتداء ہی سے بدعت کی نشاندہی نہ کی جائے اور امت کو اس سے روکا نہ جائے، تو بالآخر بدعت غالب آجاتی ہے، اور سنت کی جگہ لیکر سنت کو نیست و نابود کردیتی ہے۔ (اسلام میں سنت کی عظمت اور بدعت کی قباحت: ص ٦)

غیر حافظ کا حافظہ عورت سے شادی کرنا

(۲۲)...... ایک شخص نے سوال کیا کہ غیر حافظ لڑکا حافظ قرآن لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن پر کسی اور چیز کو رکھنا جائز نہیں، لہذا نکاح نہیں ہوسکتا۔ حضرت اقدس نے جواباً تحریر فرمایا:

نکاح کرسکتا ہے، عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، سوال میں جو دلیل ذکر کی گئی ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ قرآن مجید محسوس صورت میں ہو تو اس وقت قرآن مجید پر کوئی اور کتاب یا کوئی اور چیز رکھنا جائز نہ ہوگا، اور صورت مسئولہ میں یہ بات نہیں ہے۔ ورنہ اس شخص کی دلیل کے پیش نظر اس حافظ لڑکی کا بیت الخلاء جانا، استنجاء کرنا بھی جائز نہ ہونا چاہیئے کہ قرآن مجید کو بیت الخلاء میں لے جانا اور قرآن مجید کے سامنے ستر کھولنا لازم آئے گا، حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

’’فتاوی رحیمیہ‘‘

کے چند قابل غور مسائل

اس رسالہ میں ’’فتاوی رحیمیہ‘‘ کے: ۸/ مسائل قابل غور سمجھ میں آئے، تو انہیں ایک رسالہ کی شکل میں علیحدہ شائع کرنا مناسب سمجھا، تاکہ ناظرین بھی ان پر غور کریں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات کفلیتہ

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''فتاوی رحیمیہ'' کے مطالعہ کے دوران چند فتاوی ایسے نظر آئیں جن پر راقم کو کچھ شبہ ہوا، جب ان مسائل کی تحقیق کی گئی تو ان میں نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایسے مسائل کو اس رسالہ میں جمع کیا گیا ہے۔

راقم نے مناسب سمجھا کہ اس رسالہ کو شائع کرنے سے پہلے چند بزرگوں کی خدمت میں اسے ارسال کر کے ان کی رائے بھی معلوم کرلوں: ایک حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم، چونکہ حضرت کا تعلق صاحب فتاوی کے ساتھ بہت گہرا تھا، اور ''فتاوی رحیمیہ'' کی ترتیب میں بھی حضرت کا تعاون بھی مثالی رہا۔ دوسرے حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب رحمہ اللہ کے مخلص خادم اور معاون خاص اور مرتب فتاوی حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب مدظلہ، تیسرے مولانا مفتی یوسف ساچا صاحب مدظلہ، چنانچہ ان حضرات کی رائے کے بعد اس کو شائع کیا جارہا ہے۔

میں نے ''فتاوی رحیمیہ'' کی جدید طباعت کے بعد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی ایسے چند مسائل کی نشاندہی کر کے ان سے ان پر حاشیہ کی درخواست کی تھی اور درج ذیل عریضہ لکھا تھا:

محترم المقام حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم و مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج سامی بخیر ہوگا، میں بھی اللہ تعالی کے فضل وکرم سے خیریت سے رہ کر بارگاہ ایزدی میں آپ کی خیر و عافیت کے لئے دست بدعا ہوں، اللہ تعالی آنجناب کے سایہ

کو امت پر تا دیر بصحت و عافیت قائم رکھے، آمین۔

غرض تحریر یہ کہ آپ کا ترتیب دادہ جدید ''فتاوی رحیمیہ'' کا نسخہ موصول ہوا، ماشاء اللہ عمدہ طباعت سے مزین ہو کر یہ قیمتی تحفہ امت کے ہاتھوں میں پہنچا۔ اللہ تعالی آپ کو اس عظیم خدمت کا دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے، یقیناً حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ زندہ ہوتے تو دھیڑوں دعاؤں سے نوازتے اور قلبی فرحت و مسرت کا اظہار فرماتے۔

دوران مطالعہ محسوس ہوا کہ چند جگہوں پر ''فتاوی رحیمیہ'' میں تسامح ہوا ہے۔ مجھے امید تھی کہ حضرت والا جدید طباعت کے وقت ان مواقع پر بطور حاشیہ تصحیح فرمالیں گے، مگر جب یہ نسخہ پہنچا تو محسوس ہوا کہ وہ جگہیں ابھی بھی تشنہ طلب ہی ہیں۔ امید کہ آئندہ طباعت میں حضرت والا خود تحقیق فرما کر ان فتاوی کی تصحیح فرمادیں گے۔

مگر اس عریضہ کا کوئی جواب نہ ملا، معلوم نہیں حضرت کی خدمت میں میرا عریضہ پہنچا بھی یا نہیں؟۔

اللہ تعالی اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے، اور ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

۱۰ / محرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق ۳۱ / اگست ۲۰۲۰ء

بروز اتوار

(۱)......حائضہ کا نماز کے اوقات میں باوضو ذکر کرنا، اور حدیث کی تحقیق

مسئلہ:......حائضہ کے لئے مستحب ہے کہ جب نماز کا وقت ہو تو وضو کر کے اپنے گھر کی مسجد میں بیٹھ کر تسبیح وغیرہ کرے۔ اور اتنی مقدار بیٹھے جتنا وقت نماز ادا کرتے ہوئے لگتا تھا۔ اور حکمت اس کی یہ ہے کہ نماز اور عبادت کی عادت میں خلل واقع نہ ہو۔

ایک حدیث بھی بعض کتابوں میں نقل کی گئی ہے۔ ''فتاوی رحیمیہ'' میں ہے:

مستحب ہے کہ (حائضہ) ہر نماز کے وقت وضو کر کے مصلے پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی مقدار ''سبحانک استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم'' پڑھے تو اس کے نامہ اعمال میں ہزار رکعات لکھی جاتی ہیں، اور ستر ہزار گناہ معاف ہوتے ہیں، اور درجات بڑھ جاتے ہیں، اور استغفار کے ہر لفظ کے پر ایک نور ملتا ہے، اور جسم کے ہر رگ کے عوض حج و عمرہ لکھے جاتے ہیں۔ (مجالس الابرار: عربی ص ۵۶۷)

شیخ احمد رومی رحمہ اللہ کی ''مجالس الابرار'' میں یہ حدیث ہے، اور اسی کے حوالے سے صاحب فتاوی رحیمیہ حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ (مجالس الابرار (اردو) ص ۶۹۸ مجلس: ۹۸۔ فتاوی رحمیہ ص ۱۹۶ ج ۱)

''فتاوی تاتارخانیہ'' میں یہ حدیث اس طرح نقل کی گئی ہے:

''قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اذا استغفرت الحائض فی وقت کل صلوة سبعین مرة کتب لها الف رکعة ، وغفر لها سبعون ذنبا ، ورفع لها سبعون درجة ، و اعطی لها بکل حرف من استغفارها نور ، و کتب الله بکل عرق فی جسدها حجة و عمرة''۔ (تاتارخانیہ)

ترجمہ:...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حائضہ ہر نماز کے وقت میں ستر مرتبہ استغفار

پڑھے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک ہزار رکعت لکھی جاتی ہیں، اور اس کے ستر گناہ معاف کئے جاتے ہیں، اور اس کے ستر درجے بلند کئے جاتے ہیں، اور اس کو استغفار کے ہر لفظ کے بدلے نور ملتا ہے، اور اس کے جسم کے ہر رگ کے عوض حج اور عمرہ کا ثواب اللہ تعالی (کی طرف سے) لکھا جاتا ہے۔

مگر اس حدیث کا ثبوت مشکل ہے۔ مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ نے بھی اس حدیث کی تخریج میں تحریر فرمایا کہ: مجھے بھی یہ حدیث نہیں ملی "لم اجد هذا الحديث فی الكتب التی بين يدی"۔

(تاتارخانیہ ص ۴۷۸ ج ۱، نوع آخر فی الاحکام التی تتعلق بالحیض، رقم المسئلة: ۱۲۷۵)

اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ حائضہ ہر نماز کے وقت میں وضو کر کے ذکر کرے تاکہ نماز کی عادت باقی رہے، اور وضو و ذکر پر اجر بھی ضرور ملے گا۔

باقی جو فضائل اوپر حدیث میں منقول ہیں ان کا ثبوت مشکل ہے، اس لئے ان کو نہ نقل کیا جائے نہ ان فضائل کا استحضار ہو۔ حدیث کے بارے میں محدثین کا قول معتبر ہے۔ فقہاء اور مفسرین کا میدان اور ہے، اور ان کی نقل کردہ احادیث میں بعض مرتبہ سقم پایا جاتا ہے، اس لئے ان کی تحقیق ضروری ہے۔

حائضہ کا نماز کے وقت میں تسبیح پڑھنا اور اکابر کی رائے اختلاف

حائضہ کے لئے نماز کے وقت میں وضو کر کے تسبیح پڑھنے کے بارے میں حضرات اکابر کی رائے مختلف ہے۔

حضرت قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے اس کی کوئی اصل نہیں پائی۔ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ عمل بدعت ہے۔ حضرت حکم اور حضرت حماد رحمہما اللہ سے

اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو مکروہ قرار دیا۔

(۱)......قيل لابی قلابة : الحائض تسمع الاذان و تُكبِّر و تُسبِّح ، قال : قد سألنا عن ذلک فما وجدنا له اصلا۔

(۲)......وعن قِلابة قال : لم نجد له اصلا۔

(۳)......عن ابراهيم قال : بدعة۔

(۴)......عن شعبة قال : سألت الحكم و حمّادا عنه فكرهاه۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۹۹ ج۵، الحائض هل تسبّح ؟ كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۷۳۴۴/ ۷۳۴۵/۷۳۴۶/۷۳۴۷)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ حائضہ عورت کو اس بات کا حکم دیا کرتے تھے کہ وہ نماز کے وقت میں وضو کرے اور مسجد کے صحن میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرے۔

حضرت ابو جعفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم حائضہ عورتوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ: وہ ہر نماز کے وقت وضو کریں، پھر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں، اور اس کا ذکر کریں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حائضہ ہر نماز کے وقت وضو کرے گی، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گی۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حائضہ عورت نماز کے اوقات میں صاف ہوگی اور ایک جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گی۔

(۱)......عن عقبة بن عامر : انه كان يأمر المرأة الحائض فی وقت الصلوة ان تتوضأ و تجلس بفناء المسجد وتذكر الله و تهلّل و تسبّح۔

(۲)......عن ابی جعفر قال : انا لنأمر نسائنا فی الحیض ان یتوضّأن فی وقت کل صلوۃ ثم ' یجلسن و یُسبِّحن و یذکرن اللّٰہ۔

(۳)......عن الحسن قال : سمعتُہ یقول فی الحائض توضأ عند کل صلوۃ وتذکُر اللہ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۹ ج ۵، من کان یأمر بذلک ، کتاب الصلوۃ ، رقم الحدیث: ۷۳۴۸/۷۳۴۹/۷۳۵۰/۷۳۴۳)

(۲)......تراویح کے امام کے ذمہ نماز معین کر کے تنخواہ دینا حیلہ ہے

مسئلہ:......تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لئے نائب امام بنایا جائے اوراس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کی جائے تو اس مذکور حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہو جائے گا، کیونکہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مفتیِ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے:

اگر رمضان المبارک کے مہینے کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے، اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین (مقرر) کردی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے، کیونکہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ مفتی مظاہر علوم فرماتے ہیں:

اصل مذہب تو عدم جواز ہی ہے، لیکن حالت مذکورہ میں حیلۂ مذکورہ کی گنجائش ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۴۹ ج ۱۔ اور ص ۳۹۲ ج ۴)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ:......تراویح کے امام کے ذمہ ایک دو نمازیں معین کر کے اس کو تنخواہ دینا اس وقت

جائز ہے جب امامت ہی مقصود ہو، حالانکہ یہاں مقصود تراویح ہے، اور یہ محض ایک حیلہ ہے، دیانات میں جو کہ معاملہ فی ما بین العبد و بین اللہ ہے حیل مفید جواز واقعی کو نہیں ہوتے، لہذا یہ ناجائز ہے۔

اس پر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قاعدہ ہے: ''الامور بمقاصدھا'' پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لئے تراویح کا امام بنایا جاوے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے، بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے۔ (فتاوی دارالعلوم جدید ۴/۲۷۳)

لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حیلہ کے جواز کا فتوی دیا ہے، فرماتے ہیں......۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ حیلہ ہی حیلہ ہے، مقصود واقعی ختم قرآن شریف ہے، امامت مقصود ہرگز نہیں ہے، اور دیانات میں حیلے مفید جواز نہیں ہوتے، فالحق ما افتی بہ المجیب قدس سرہ العزیز۔ (امداد الفتاوی جدید ص ۳۴۶ ج ۲)

نوٹ:......تراویح پڑھانے والا بھی تراویح کا امام ہے، اور امامت کی تنخواہ جائز ہے، بجائے اس حیلہ کے اس طرح تراویح پڑھانے والے کو تنخواہ دی جائے تو کیا حرج ہے؟۔

اور بہتر یہ ہے کہ تنخواہ نہ دی جائے تا کہ اکابر کی رائے کے مخالفت بھی نہ ہو، بلکہ اہل محلّہ یا مساجد کے ذمہ دار حضرات ہدیہ اور تحفہ کا بندوبست کریں۔ واللہ تعالی اعلم

(۳)......عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق واجب ہے یا مستحب؟

(۱):......عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق واجب ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

''فتاوی رحیمیہ'' میں ہے: یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے۔ (ص ۸۲ ج ۳)

نمازِ عید الاضحیٰ کے بعد تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے۔ ”فتاوی رحیمیہ“ (ص ۸۲ ج ۳) میں آخری عبارتوں میں ”لا بأس به“ کا لفظ ہے، اس مقام پر اس سے مراد استحباب ہے۔

(فتاوی رحیمیہ ص ۳۲۷ ج ۷)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا مستحب کہنا بھی غلط نہیں ہے، فقہاء کی عبارتیں اس پر بھی دال ہیں، مگر وجوب کا قول زیادہ مؤکد معلوم ہوتا ہے۔

اور محققین کی ایک جماعت نے وجوب ہی کے قول کو اختیار کیا ہے، اور بعض حضرات نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:

(۱)......عقب كل فرض ، شمل الجمعة وخرج به الواجب كالوتر ' والعيدين ' والنفل ، وعند البلخين يكبرون عقب صلوة العيد ' لادائها بجماعة كالجمعة ، وعليه توارث المسلمين فوجب اتباعه۔

(شامی ص ۶۳ ج ۳، مطلب : المختار ان الذبيح اسماعيل ، باب العيدين ، كتاب الصلوة)

(۲)......ولو كبر على اثر صلوة العيد لا بأس به ' لان المسلمين توارثوا هكذا ، فوجب ان يتبع توارث المسلمين ۔

(البحر الرائق ص ۲۸۹ ج ۲، باب العيدين ، كتاب الصلوة۔ ط: زکریا دیوبند)

(۳)......وقال ابويوسف و محمد : التكبير يتبع الفريضة ، فكل من ادى فريضة فعليه التكبير ، والفتوى على قولهما حتى يكبر المسافر واهل القرى و من صلى وحده۔ (الجوهرة النيرة ص ۱۱۵ ج ۱، باب صلوة العيدين ، كتاب الصلوة)

اور ہمارے کئی اکابر نے بھی وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے۔ مثلاً: حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

’’عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر کہہ لینا واجب ہے۔

(علم الفقہ ص ۳۲۸، عیدین کی نماز کا بیان)

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے تو تحریر فرمایا ہے کہ:

’’صلوۃ عیدالاضحیٰ کے بعد علماء دیوبند تکبیر تشریق کہتے ہیں، کہنے کے لئے فرماتے ہیں، کتب فقہ’’ ردالمحتار‘‘ اور’’ البحر الرائق‘‘ وغیرہ سے اس وقت تکبیر تشریق کا وجوب راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جماعت کے ساتھ یہ نماز بھی ادا کی جاتی ہے، اگر چہ خود فرض نہیں، اس کو علامہ شامی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تو اہل قری پر اور منفرد پر بھی ہے جیسا کہ’’ الجوہرۃ النیرۃ‘‘ وغیرہ میں ہے اور اسی پر فتوی بھی ہے‘‘۔

(فتاوی محمودیہ (جدید) ص ۵۲۴ ج ۱۲)

(۴)......کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ کتب فقہ میں فساد صوم کا حکم مرقوم ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے:

البتہ کان میں ڈالی ہوئی دوا اور تیل دماغ میں پہنچتا ہے اور دماغ کو فائدہ دیتا ہے، لہذا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۱۷ ج ۲)

اور مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء رحمہم اللہ کی صراحت تقریباً فساد صوم ہی کی ہے۔ ہاں مالکیہ وشافعیہ نے فساد صوم کا قول اس شرط کے ساتھ ملحق کیا ہے کہ پانی دماغ یا حلق تک پہنچ جائے، اور علماء احناف نے لکھا ہے کہ کان کے ذریعہ پانی دماغ تک پہنچ ہی جاتا ہے۔

اب جبکہ تمام اطباء اور تشریح ابدان کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ کان میں دوا ڈالنے سے دماغ تک اس کے پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں، اور اس بات پر بھی متفق ہیں کہ کان

میں دوا ڈالنے کی صورت میں حلق تک اس کے پہنچنے کا بھی عام حالات میں کوئی راستہ نہیں، تو اس کا کسی جوف معتبر تک پہنچنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ منافذ معتبرہ سے جوف معتبر تک پہنچنے ہی سے روزہ فاسد ہوتا ہے، اس کے بغیر نہیں۔

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' نے درج ذیل امور پر بطور خاص غور کیا:

(۱)......فقہاء کرام رحمہ اللہ کی عبارات۔

(۲)......حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی وہ تحقیق جو حضرت موصوف نے اپنی تحقیقی کتاب ''ضابطة المفطرات'' کے ص ۵۸ / پر درج فرمائی ہے، اور جس کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہئے۔

(۳)......حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم کا جو فتویٰ ۲۴ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ کو تحریر کیا گیا۔ اس فتویٰ میں بھی کان میں دوا ڈالنے کو مفسد صوم قرار نہیں دیا گیا۔

ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کان کے اندر پانی، تیل یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، الا یہ کہ کسی شخص کے کان کا پردہ پھٹا ہوا ہو، اور پانی، تیل یا دوا وغیرہ اس کے حلق تک پہنچ جائیں۔

البتہ اس کے باوجود اگر کوئی شخص قدیم جمہور فقہاء کے قول کے مطابق خود احتیاط کرے اور روزہ کی حالت میں کان کے اندر دوا ڈالنے کے بجائے افطار کے بعد تیل یا دوا ڈالے تو اس کے لئے ایسا کرنا بہتر اور شبہ سے بعید تر ہوگا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے! ''مرغوب الفتاویٰ ص ۴۴۷ ج ۳)

(۵)......حائضہ عورت بغیر طواف زیارت کئے وطن واپس آ گئی تو پھر عمرہ کا احرام باندھ کر جائے یا بلا عمرہ کے احرام کے؟

حائضہ عورت بغیر طواف زیارت کئے وطن واپس آ گئی تو وہ کیا کرے؟ کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''جب تک طواف زیارت نہیں کرے گی حج مکمل نہ ہوگا اور اپنے شوہر کے لئے حلال بھی نہ ہوگی، اس صورت میں دوبارہ پورا حج کرنا ضروری نہیں ہے، اسے چاہئے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور عمرہ سے فارغ ہو کر طواف زیارت کر لے''۔

(فتاوی رحیمیہ ص۱۱۹ ج۹)

اب اسے چاہئے کہ طواف زیارت ادا کرنے کے لئے عمرہ کا احرام باندھ کر جائے، .....طواف زیارت کرے، اور طواف عمرہ وسعی سے فارغ ہو کر بال کٹوا کر (قصر کروا کر) احرام کھول دے۔ (فتاوی رحیمیہ ص۲۲۸ ج ۵)

نوٹ:......حضرت نے ایک جواب میں پہلے عمرہ ادا کر کے طواف زیارت کرنا لکھا ہے، اور دوسرے جواب میں پہلے طواف زیارت کرنے کو تحریر فرمایا ہے۔ دونوں جوابوں میں بظاہر تعارض ہے۔

حالانکہ اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ یہ عورت بغیر عمرہ کے احرام کے مکہ معظّمہ جا کر طواف زیارت کرے گی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''(ولو ترک الطواف کله، او طاف اقله، و ترک اکثره) أی و رجع الی اهله (فعليه حتما) أی وجوبا اتفاقا (ان يعود بذلک الاحرام ويطوفه) أی لانه محرم فی حق النساء''۔ (مناسک ملا علی قاری ص ۳۴۵، باب الجنایات۔ طبع: ادارۃ القرآن)

''غنیۃ الناسک'' میں ہے:

'' ولو ترک طواف الزیارۃ کلہ أو اکثرہ ' فھو محرم ابدا فی حق النساء حتی یطوف .... فعلیہ حتما ان یعود بذلک الاحرام ''۔(ص ۲۷۳، باب الجنایات)

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر پورا طواف یا اس کا اکثر حصہ (چار یا زیادہ چکر) ترک کر دیا اور اقل حصہ (تین یا کم چکر) ادا کیا اور اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ گیا تو بالاتفاق اس کو اسی احرام سے واپس لوٹنا واجب ہے، اس کو نیا احرام باندھنے کی ضرورت نہیں، (اگرچہ میقات سے باہر نکل گیا ہو''۔(عمدۃ الفقہ ص ۵۲۳ ج ۴، واجبات حج میں سے کسی واجب کو ترک کرنا، مسئلہ نمبر: ۵)

(۶)......مزدلفہ میں بین المغرب والعشاء تکبیر تشریق پڑھے یا نہیں؟

مزدلفہ میں مغرب کی سنتیں پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''مزدلفہ میں عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد مغرب وعشاء دونوں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں، اور درمیان میں سنت' نفل کچھ نہ پڑھیں، بلکہ مغرب اور عشاء کی سنت اور وتر' عشاء کی نماز کے بعد پڑھیں، اگر اتفاق سے جماعت سے نماز نہ پڑھ سکا اور تنہا نماز ادا کی تب بھی سنتوں کا یہی حکم ہے، اسی طرح تکبیر تشریق بھی عشاء کی نماز کے بعد کہے مغرب کے بعد نہ کہے''۔(فتاوی رحیمیہ ص ۲۱۸ ج ۵)

حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ: مغرب کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھے گا، پھر عشا کی نماز پڑھے۔ ممکن ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان بعض فقہاء کا قول اختیار کیا ہو جنہوں نے مزدلفہ کی ان دونوں نمازوں کے درمیان تکبیر تشریق کہنے سے منع کیا ہے، لیکن

یہ قول معتبر نہیں، کیونکہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے، جیسا کہ عبارات ذیل میں صراحت ہے:

فی الشامیة : تحت قوله (لم یصل بینهما شیئا علی المذهب) وهو ظاهر الروایة شرنبلالیة ' وهو الصحیح ، فلوفعل کره واعاد الاذان للعصر لانقطاع فوره فصار کالاشتغال بینهما بفعل اٰخر کأکل و شرب......

(تنبیه)......اخذ من هذا العلامة السید محمد صادق بن احمد بادشاه انه یترک تکبیر التشریق هنا و فی المزدلفة بین المغرب والعشاء ' لمراعاة الفوریة الواردة فی الحدیث ، کما نقله عنه الکازرونی فی فتاواه ،

قلت:...... وفیه نظر فان الوارد فی الحدیث انه صلی الله علیه وسلم صلی الظهر ثم أقام فصلی العصر ولم یصل بینهما شیئا ، ففیه التصریح بترک الصلوة بینهما ' ولا یلزم منه ترک التکبیر ' ولا یقاس علی الصلوة لوجوبه دونها ' ولان مدته یسیرة حتی لم یعد فاصلا بین الفریضة والراتبة ، والحاصل ان التکبیر بعد ثبوت وجوبه عندنا لا یسقط هنا الا بدلیل ' وما ذکر لایصلح للدلالة کما علمته ، هذا ما ظهر لی، والله تعالی اعلم۔(شامی ص۲/۵۰۴، مطلب : فی الرواح الی العرفات ، کتاب)

صاحب ارشاد الساری علامہ حسین بن محمد المکی الحنفی رحمہ اللہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

ولم یتعقبه العلامة الرافعی فی تقریره علیه ' فیظهر انه موافقة ، ثم رأیت العلامة طاهر سنبل قرر ایضا نحو ما فی رد المحتار اه ،

(ص۱۳۱، فصل فی الجمع بین الصلوتین بعرفة)

فی غنیة الناسک :(۸۷) ولا یتطوع بینهما ولا یصلی سنة المغرب والعشاء والوتر بعدهما.....ولا یشغل بشئی اٰخر من أکل و شرب وغیرهما ' الا انه یأتی بتکبیر التشریق مرة عندنا ' لوجوبه ، فان تطوع أو تشاغل بما یعد فصلا فی العرف کره ،

وفی غنیة الناسک : والتلبیة مرة شرط ' وهو عند الاحرام لا غیر ' والزیادة علی المرة والاکثار منها مستحب ....وبعد المکتوبات اتفاقا یبدأ بتکبیر التشریق ثم بها ' فلو بدأ بها سقط التکبیر ۔(ص ۳۸)

(۷)......قربانی کی صحت کے لئے قربانی کرنے والے کی جگہ کا اعتبار ہے یا جانور کے ذبح ہونے کی جگہ کا؟

مسئلہ:......قربانی کا جانور جس جگہ ہو اس جگہ کا اعتبار ہوتا ہے، قربانی کرنے والے کی جگہ کا اعتبار نہیں ہوتا، چنانچہ اگر قربانی والا شہر میں ہو اور وہ اپنا قربانی کا جانور ایسے گاؤں میں بھیج دے جہاں عید کی نہیں نماز ہوتی ہو اور وہاں صبح صادق کے بعد اس کی قربانی کا جانور ذبح کر دیا جائے تو شہر والے کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔(فتاوی رحیمیہ ص ۳۱۴ ج ۹)

اس مسئلہ میں تسامح ہے، تفصیل یہ ہے:

جس پر قربانی واجب ہے اس نے اپنی رقم دوسرے کسی ملک میں بھیجی کہ اس کی طرف سے قربانی کر دی جائے، اب سوال یہ ہے کہ جس جگہ رقم بھیجی ہے وہاں عید ایک یا دو دن پہلے ہے تو کیا اس کی قربانی ایک یا دو دن پہلے والی جگہ پر عید کے دن صحیح ہو جائے گی؟ مثلا ہند و پاک کے کسی شخص نے اپنی قربانی کی رقم سعودی عرب بھیجی کہ وہاں قربانی کی جائے، اور عامۃً سعودی عرب میں ہند و پاک سے ایک یا دو دن پہلے عید ہوتی ہے۔تو کیا ہند و پاک

والے آدمی کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس صورت میں قربانی صحیح ہو جائے گی، ان حضرات نے قربانی کی جگہ کا اعتبار کیا کہ جہاں قربانی ہو رہی ہے وہاں عید کا دن ہے، ان کی دلیل شامی وغیرہ کی یہ عبارت ہے کہ: والمعتبر مکان الاضحیة لا مکان من علیه '' الخ۔

مگر ارباب فتوی اور اکابر علماء کا رجحان یہ ہے کہ اس صورت میں قربانی درست نہیں ہوگی۔ اور یہ رائے اوفق بالفقہ والفتوی ہے۔

دار العلوم کراچی کا فتوی اور اکابر دار العلوم کی تصدیقات

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ادا کا اعتبار اس وقت ہوگا جب اس عمل سے پہلے مکلّف کے ذمہ نفس وجوب ہو چکا ہو..... کیونکہ وجوب سے قبل اداء کا اعتبار نہیں، اور نفس وجوب کا تعلق ذمہ مکلّف سے ہوتا ہے، اور ذمہ کا محل مکلّف ہے، مال نہیں، لہذا نفس وجوب میں مکلّف (فاعل) کے محل کا اعتبار ہوگا، اور نفس وجوب کا سبب یوم نحر ہے..... لہذا نفس وجوب میں یہ دیکھا جائے گا کہ جہاں مضحی (قربانی کرنے رکرانے والے) رہ رہا ہے وہاں یوم نحر ہو چکا ہے یا نہیں، اگر یوم نحر ہو چکا ہے تو نفس وجوب ہو گیا، اب اگر دیگر شرائط کے پائے جانے کی صورت میں خود قربانی کرے یا اس کی اجازت سے دوسرا کوئی آدمی کرے تو دونوں صورتوں میں یہ قربانی شرعاً ادا ہو جائے گی۔

لیکن مضحی (جہاں رہ رہا ہے وہاں یوم نحر اگر نہیں تو جس طرح اس وقت یہ خود قربانی نہیں کرسکتا، اسی طرح اس کی طرف سے کوئی اور بھی نہیں کرسکتا، اگر چہ وکیل (دوسرے شخص) کے شہر یا ملک میں یوم نحر شروع ہو چکا ہو۔

اس تفصیل سے یہ بات بالکل صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص مثلاً پاکستان میں

رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی مثلا افغانستان میں کراتا ہے تو نفس وجوب کے وقت میں پاکستان کا اعتبار ہوگا، لہذا افغانستان میں پاکستان سے ایک دن پہلے عید الاضحیٰ ہوئی اور اس پاکستانی کا جانور افغانستان میں پہلے دن ذبح ہوا تو یہ قربانی شرعا نہیں ہوگی۔

اس لئے دوسرے ممالک میں قربانی کرانے والوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے وکیلوں کو اس بات کا پابند بنائیں کہ ہمارے جانور کو اس دن ذبح کریں جس دن ہمارے یہاں بھی ایام نحر میں سے کوئی دن ہو۔

اہل برطانیہ کی قربانی ہندوپاک میں جب تک برطانیہ میں صبح صادق طلوع نہ ہو وہاں تک درست نہیں

مذکورہ بالا اصول سے ضمنا ایک اور مسئلہ کا حکم بھی معلوم ہوا، اور وہ یہ کہ مثلا برطانیہ کا وقت پاکستان کے وقت سے پانچ گھنٹے پیچھے ہے، مثلا پاکستان میں صبح ساڑھے چھ بج رہے ہیں تو اس وقت برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے، لہذا اگر ایک آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہے اور وہ اپنی قربانی پاکستان میں کراتا ہے، تو جب تک برطانیہ میں یوم نحر کی صبح طلوع نہ ہو اس وقت تک اس کا جانور پاکستان میں ذبح کرنا درست اور معتبر نہیں:

لان نفس الوجوب لم یتحقق فی ذمتہ کما مر، واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

عصمت اللہ عصمہ اللہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ	محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ	بندہ عبدالرؤف عفی عنہ	احقر محمود اشرف عفی عنہ
الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
اصغر علی ربانی	محمد کمال الدین راشدی	محمد عبداللہ غفرلہ	محمد عبدالمنان عفی عنہ

نوٹ:......عربی عبارتیں اور ان کے حوالوں کے لئے دیکھئے! ماہنامہ ’’البلاغ‘‘ کراچی، بابت: رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ۔

زکوۃ اور صدقہ فطر وقت سے پہلے ادا ہو جاتا تو قربانی بھی ہوسکتی ہے

نوٹ:......بعض حضرات نے یہ دلیل بھی پیش کی کہ جس طرح زکوۃ اور صدقۂ فطر وقت سے پہلے ادا ہوسکتا ہے، اسی طرح ایک ملک والے کی قربانی بھی دوسرے ملک میں ان کے وقت کے اعتبار سے درست ہے۔ اس کا جواب میں درج ذیل تحریر پڑھئے!

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری ثم راندیری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ:......معتبر قربانی کا مکان ہے، نہ اس شخص کا مکان جس پر قربانی واجب ہے، یعنی اگر قربانی دیہات میں ہو اور قربانی کرنے والا شہر میں ہو تو بمجرد طلوع فجر قربانی جائز ہے، اور اگر قربانی شہر میں ہو اور قربانی کرنے والا دیہات میں ہو تو قربانی جائز نہیں، مگر بعد نماز عید کے، برخلاف صدقۂ فطر کہ اس میں مکان فاعل معتبر ہے۔

(ہدایۃ البرایا فی احکام الضحایا ص ۱۷)

مولانا مفتی اسامہ صاحب پالنپوری مدظلہ نے خوب لکھا:

پھر اس مسئلہ کو زکوۃ پر بھی قیاس نہیں کر سکتے کہ جس طرح حولان حول سے پہلے پیشگی زکوۃ دینا بالاتفاق صحیح ہے تو یہاں پر بھی یہ حکم ہونا چاہئے، اس لئے کہ زکوۃ میں اداءِ زکوۃ کا کوئی ایسا وقت معین نہیں جس کے فوت ہونے سے پہلے عبادت فوت ہو جائے، جبکہ یہاں شریعت نے ایسا وقت مقرر کیا ہے، پس قیاس مع الفارق ہو جائے گا، اور رہا نماز پر قیاس کرنا تو چونکہ بات وقت کی ہے اور تعیین وقت کے لحاظ سے نماز اور قربانی دونوں متحد ہیں، اس لئے اس قیاس پر اشکال نہ ہونا چاہے۔ (مسائل المیزان ص ۲۴۷)

نوٹ:...... تفصیل کے لئے دیکھئے ! فتاوی رحیمیہ ص۴۲۴ ج ۵، مکتبہ: الاحسان دیوبند۔
هداية البرايا فی احکام الضحایا ص۴۵۔ اور ''مرغوب الفقہ'' ص۱۷۵ ج ۸۔

(۸)...... حلال جانور کی سات چیزیں کھانا مکروہ ہے اور ''فتاوی رحیمیہ'' کا تسامح

حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
مسئلہ:...... سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں: ذکر، فرج مادہ، مثانہ، غدود (یعنی) حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے، اور خون سائل قطعی حرام ہے، باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے، مگر بعض روایات میں کڑوے (پتہ) کی کراہت لکھتے ہیں، اور کراہت تنزیہیہ پر حمل کرتے ہیں۔......

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حرام چیزوں میں نر کا عضو تناسل (ذکر) بھی داخل ہے، اور حرام مغز سے مراد غدود ہے جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے۔

اس پر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

بکری وغیرہ مذبوح جانور کی سات چیزیں مکروہ ہیں، امام محمد رحمہ اللہ کی ''کتاب الآثار'' (ص:۱۱۶) میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی مرسل روایت ہے: ''كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعا : المَرارة ' والمَثانة ' والغُدَّة ' والحَياء ' والذَّكر ' والانثيين والدم ، والحديث اخرجه الطبراني في الاوسط عن ابن عمر ، والبيهقي عن مجاهد مرسلا ، وعنه عن ابن عباس موصولا كما في العزيزي ''۔ (ص۱۷۱ ج۳)

(اعلاء السنن ص ص۱۳۰ ج ۱۷)

سات چیزوں کی تفصیل:

(۱)......المَرارة: پِتّا (جگر سے ملی ہوئی صفرا کی تھیلی)۔

(۲)......المَثانة: گردوں سے نکل کر پیشاب کے جمع ہونے کی تھیلی۔

(۳)......الغُدَّة: غدود، گوشت کی گانٹھ جو کسی بیماری کی وجہ سے بن جاتی ہے۔''قاموس'' سے علامہ شامی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:'' كل عقدة في الجسد، أطاف بها شحم، و كل قطعة صلبة بين العصب، ولا تكون في البطن''۔(شامی ص۵۲۹ ج۵)

(۴)......الحَيا: (بالقصر) الحَياء (بالمد) کھر اور سُم والے جانوروں کی فرج، پیشاب کے سوراخ کے گرد جمع ہونے والی کھال، بکری وغیرہ کی کھال اتارے بغیر پکائی جائے تو فرج کو کاٹ دینا ضروری ہے۔

(۵)......الذَّکر: عضو تناسل، یہ پٹھا (رگ) ہوتا ہے، جس میں سے پیشاب نکلتا ہے، اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔

(۶)......الانثیین: فوطے، کپورے، خصیے۔

(۷)......الدم: غیر سائل خون جو گوشت کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔

''تفسیر عزیزی'' (سورۃ البقرہ کی آیت:۱۷۳) میں جو''الدم'' آیا ہے، اس کا مصداق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے دم مسفوح کو قرار دیا ہے، پھر لکھا ہے:

آمدیم بر آنکہ خونے کہ حرام و ناپاک ست کدام خون ست؟ خونے کہ در رگہائے جاری میشود فقط یا خونے کہ بر گوشت چسپیدہ، مستعد پوشیدن صورت لحمی گردیدہ؟ نزد امام اعظم حرام و ناپاک ہماں خون جاری ست۔ وقطراتِ خون کہ بر گوشت چسپیدہ می باشد نہ حرام اند و نہ ناپاک۔ اگر گوشت را ناشستہ بپزند خوردنش رواست، اما خلاف نظافت طبع ست۔

ترجمہ:......اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ کونسا خون ناپاک و حرام ہے؟ آیا وہ خون کہ رگوں

میں جاری رہتا ہے؟ یا وہ خون کہ گوشت سے چسپیدہ ہوکر بہ صورت گوشت ہو جاتا ہے؟ امام اعظم صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک وہی جاری حرام اور ناپاک ہے، اور قطرات خون کے کہ گوشت پر چسپیدہ ہوتے ہیں حرام اور ناپاک نہیں ہیں، اگر ایسے گوشت کو بغیر دھوئے پکالیا تو اس کا کھانا جائز ہے، لیکن خلاف لطافتِ طبیعت ہے۔

(تفسیر عزیزی ص ۸۰۸، تفسیر سورۂ بقرہ۔ بستان التفاسیر ترجمہ تفسیر عزیزی ص ۱۱۴)

اس کے بعد دو باتیں رہ جاتی ہیں:

ایک:...... یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟ فقہ کی کتابوں میں اس سلسلہ میں دونوں قول ہیں، میری ناقص رائے میں یہ ''اساءۃ'' کے درجہ کی کراہیت ہے۔ یہ تحریمی اور تنزیہی کے درمیان کا درجہ ہے، یعنی نہ صرف خلاف اولی ہے اور نہ قطعی حرام، بلکہ ان کا کھانا برا ہے، ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔

دوم...... کراہت ان سات چیزوں میں منحصر ہے یا اور بھی اجزاء مکروہ ہیں؟ جواب یہ ہے کہ حصر نہیں، حدیث میں بطور مثال سات چیزوں کا ذکر ہے، چنانچہ فقہاء نے اور چیزیں بھی بڑھائی ہیں۔ ''فتاوی رضویہ'' میں بہت سی چیزوں کو مکروہ لکھا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ''فتاوی رحیمیہ'' میں اس سلسلہ میں دو فتوے ہیں، ایک جلد دوم (ص ۲۲۳) میں ہے، اس پر کسی نے اشکال کیا ہے، تو دوسرا فتوی جلد نہم (۳۲۲) میں ہے، اور دونوں فتووں کا مدار ''فتاوی رشیدیہ'' کے فتوی پر ہے، جو دونوں جوابوں میں منقول ہے، وہ فتوی بعینہ یہ ہے:

الجواب...... سات چیز حلال جانور کی کھانی منع ہیں: (۱): ذکر، (۲): فرج مادہ، (۳): مثانہ، (۴): غدود، (۵): حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے، (۶): خصیہ،

(۷): پتہ مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے، اور خون سائل قطعی حرام ہے، باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے، مگر بعض روایات میں کڑوے (پتہ) کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہیہ پر حمل کرتے ہیں۔

''فتاوی رحیمیہ'' جلد دوم میں غدود کے بعد ''یعنی'' بڑھایا ہے، جو ''فتاوی رشیدیہ'' میں نہیں ہے، اب حرام مغز: غدود کی تفسیر ہوگئی، چنانچہ ساتویں چیز ''خون سائل'' کو بنایا، یہ صحیح نہیں۔ دم مسفوح سات کے علاوہ ہے، اور وہ قطعی حرام ہے، اور حرام مغز کو عربی میں ''النخاع'' کہتے ہیں، حدیث میں اس کا ذکر نہیں، بلکہ دم کا ذکر ہے جس سے مراد دم غیر مسفوح ہے۔ ''کفایت المفتی'' (۸: ۲۸۷) میں ہے کہ: حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ، یونہی بیچارہ بدنام ہوگیا۔ اور'' فتاوی رشیدیہ'' کے بعض نسخوں میں ''گردے'' کے بجائے'' کڑوے'' چھپا ہے، چنانچہ ''فتاوی رحیمیہ'' جلد دوم اور نہم میں کڑوے کے بعد'' پتہ'' بڑھا دیا جو'' فتاوی رشیدیہ'' میں نہیں ہے۔ اور گردے کی کراہیت کی کوئی روایت نہیں ملی۔ اور'' فتاوی رشیدیہ'' کے مختلف نسخے دیکھنے سے تقریباً یقین ہوجاتا ہے کہ یہ لفظ'' گردے'' ہے، کیونکہ پتہ کا ذکر اوپر آ گیا ہے۔

پھر'' فتاوی رحیمیہ'' جلد نہم ص: ۳۲۲ ر میں سائل نے پوچھا ہے کہ'' غدود اور حرام مغز ایک ہیں یا الگ الگ؟'' مفتی صاحب نے یہ جواب دیا ہے کہ'' حرام مغز سے مراد غدود ہے جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے'' یہ درست نہیں، حرام مغز اور غدود دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، غدود: گوشت میں پیدا ہونے والی گانٹھیں ہیں اور حرام مغز ریڑھ کی ہڈی میں ایک سفید رگ ہے۔ (فتاوی رحمیہ ص: ۳۷۳/۳۷۴/۳۷۵ ج ۵، مکتبہ الاحسان، دیوبند)

(۹)......"الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" حدیث نہیں بلکہ بزرگوں کومقولہ ہے

(۹)......الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔

ترجمہ:......موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔

یہ حدیث نہیں، بلکہ بزرگوں کو مقولہ ہے۔حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: یہ بزرگوں کا مقولہ ہے۔

(تفسیر عزیزی ص ۵۷ ج ۴،سورۂ عبس ، تحت آیت : ثم اماته)